مَلیکۃُ العَرَب

حالاتِ زندگی

اُمُّ المومنین جناب خدیجۃُ الکُبریٰ سلام اللہ علیہا

مُصنّفہ

لسان الواعظین رئیس المتکلمین مولانا سیّد کرار حُسین صاحب قبلہ
واعظِ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مقدمہ

سُلطان المتکلمین راس الواعظین مولانا سیّد غلام عسکری صاحب اعلی اللہ مقامہ
سربراہ تنظیم المکاتب امامیہ، بجنور ضلع لکھنؤ

مَلیکۃُ العَرَب

حالاتِ زندگی

اُمُّ المومنین جناب خدیجۃُ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

مصنفہ

لسان الواعظین رئیس المتکلمین مولانا سیّد کرار حُسین صاحب قبلہ
واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مقدمہ

سُلطان المتکلمین راس الواعظین مولانا سید غلام عسکری صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ
سربراہ تنظیم المکاتب امامیہ، بجنور ضلع لکھنؤ

رحمت اللہ بک ایجنسی
کاغذی بازار میٹھادر
کراچی ۷۴۰۰۰
فون: 2431577

فہرست مضامین

پیش لفظ	۷
مقدمہ	۹
دیباچہ	۲۴
عورت اقوام عالم کی نظر میں	۴۱
عورت بیسویں صدی میں	۴۷
عورت اسلام کی نظر میں	۵۰
عورت پر مرد کی حاکمیت	۶۷
اسلام کا نظام عدل و مساوات	۷۵
انسداد دختر کشی کا اسلامی قانون	۹۰
ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ	۱۲۸
افسانہ ہائے عقد	۱۴۸
راہ حق	۱۶۷
شادی خانہ آبادی	۱۸۴
محل سے قید خانہ تک	۲۴۳
احسان خدیجہؓ	۲۵۲
غم واندوہ کا سال	۲۶۹
کردار ساز زندگی	۲۷۱

انتساب!

خاتونِ جنت ، شفیعۂ روزِ محشر، بنت سید البشر، بضعۃ النبوۃ ،
بقیۃ الرسالۃ، ام الائمۃ، صدیقۂ طاہرہ، انسیہ حوراء، بتول عذراء، معصومۂ عالم

"شہزادی نور سیدہ فاطمۃ زہرا کے نام"

مخدومۂ کائنات! جس پاکیزہ گود اور طاہر آغوش میں آپ کی پرورش ہوئی اسی کے تذکرے آپ کی والدۂ ماجدہ ہی کے حالاتِ زندگی کے چند لعل و گہر جمع کر کے آپ کی بارگاہِ قدس میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اس امید پر کہ چشمِ کرم اسے قبول کرلے گی جو میری نجات کا باعث ہوگی۔

بندۂ عاصی

سید کرار حسین واعظ

نذرِ قارئین

سورۂ ضحیٰ آیت ۸ میں ارشادِ خداوندی ہے وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی "ہم نے آپؐ کو تنگدست پایا تو غنی کر دیا"۔

تقریباً سبھی مفسرین نے اس آیہ مبارکہ کو جناب خدیجہؑ سلام اللہ علیہا کے معاشرتی اور معاشی مقام و مرتبے سے منسوب کیا ہے۔ گویا اس آیہ مبارکہ کی رو سے یہ "قران السعدین" اور سنجوگ خود خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے تھا اسی لیے بہترین اور ہر لحاظ سے مکمل و ہم آہنگ تھا۔ شہنشاہِ کائناتؐ کے ساتھ ملیکۃ العربؑ ہی جچتی تھیں۔ حضور ختمی مرتبتؐ کے ساتھ بڑے مرتبوں والی سیدۂ قریش ہی سجتی تھیں۔ یہ حسن صورت اور عظمت کردار کا ایسا سنگم تھا جو بے مثل و بے نظیر تھا کیونکہ اسی گھر سے رسالت کا خورشید خاور طلوع ہونے والا تھا اور یہی گھر امامت کا گہوارہ بننے والا تھا۔ اسی لئے ربِ کائنات نے اس بیت الشرف کیلئے ایک ایسی ہمہ صفت موصوف خاتون کا انتخاب کیا جو رسولِ مقبولؐ کی حیات مبارکہ کے مختلف اہم ادوار میں ان کی شریکِ حیات ہونے کی بہترین صلاحیت رکھتی تھیں

جناب خدیجہؑ نے رسول اللہؐ کے لیے نسوانی فطرت کو تسخیر کر لیا تھا۔ پر آسائش زندگی ظاہری زیبائش اور اپنا سب کچھ رسول اللہؐ کے مبارک قدموں پر نچھاور کر کے رسول اللہؐ کو اس طرح دِل و جان سے اپنا لیا تھا کہ اپنی ازدواجی زندگی کے پچیس سالوں میں وہ رسول اللہؐ سے کبھی علیحدہ معلوم نہیں ہوئیں۔

تحریک اسلامی کی مالی پشت پناہی کے لئے خدائے بزرگ و برتر نے خدیجہؑ کے خزانوں کو چنا تھا تو خدیجہؑ نے بھی اس عنایتِ ربانی کا شکر اس طرح ادا کیا کہ اپنے خزانے رسولؐ اللہ کے نام ہبہ کر کے یہ اطمینان حاصل کر لیا کہ اپنی عظیم جدوجہد میں وہ مالی تفکرات سے یکسر بے نیاز ہو گئے ہیں۔

اب اسلام کی پناہ میں آجانیوالوں کو مالی تحفظ فراہم ہوتا، غلاموں کو آزاد کیا جاتا قبولِ اسلام کے عوض لوگوں کے بڑے بڑے قرضے معاف ہوتے اور شعب ابی طالبؑ میں بنی ہاشم کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کو روپیہ پانی کی طرح بہتا تو جناب خدیجہؑ کے ادائے شکر میں اور اضافہ ہو جاتا۔

جناب خدیجہؑ کی اسی ادائے بندگی کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اعزاز و اکرام عطا کیا جب فدک کی جائیداد ان کی بیٹی فاطمہؑ کے نام ہبہ کر دینے کا حکم سورۂ روم میں آیا اڑتالیسویں آیت اتری "قرابت داروں کو ان کا حق دے دو"

رسولؐ اللہ نے اس کے بعد فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے وثیقہ لکھ دیا۔ یہ جنابؑ خدیجہؑ کی دینِ اسلام کے لیے مالی اعانت کا ناقابلِ تردید قرآنی ثبوت ہے۔

حضرت خدیجہؑ رسولِ مقبولؐ کی سب سے پہلی تصدیق کرنیوالی۔ تبلیغِ دین کی جدوجہد میں انکی مالی و اخلاقی پشت پناہی اور انکے لیے گھر کو ایک ایسی جنت بنا دینے والی تھیں جہاں وہ اپنی عظیم جدوجہد کے دنوں میں آسودگی کا سانس لیکر آنیوالے دنوں کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ پچیس سال کی مدت ایک طویل عرصہ ہے یہی دور تبلیغِ اسلام میں شدید مشکلات کا دور بھی ہے۔ اس دور میں جنابؑ خدیجہؑ کی رفاقت قدم قدم پر رسولؐ اللہ کے لیے سہارا بنی۔ اس کے ساتھ ساتھ خدیجہؑ اپنا اہم ترین فطری فریضہ بہ تمام و کمال نباہتی رہیں وہ اپنی بیٹی فاطمہؑ کی صورت میں ایک

ایسا مکمل نسوانی پیکر تراشنے میں ہمہ تن مشغول رہیں۔ جو نہ صرف دینِ اسلام میں جہاں نسوانیت کے لیے پیروی کا ایک مکمل و اکمل نمونہ ہو۔ بلکہ ان کی تربیت، ان کی محبت، ان کی وفا۔ ان کے بعد ان کی بیٹی فاطمہؑ کی صورت میں رسول اللہؐ کے ہمراہ رہے اور ان کی تقویت کا باعث بنے۔

جناب خدیجہؑ کی یہ تربیت فاطمہؑ اور پھر ان کی نواسی زینبؑ کی صورت میں مجسم ہو کر تحفظ دینِ مبین کے لیے اسوقت سرگرم عمل اور قربانیاں دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جب دینِ اسلام پر سب سے کڑا وقت تھا۔ کیونکہ خدیجہؑ نے رسول اللہؐ کی حیات میں جذب ہو کر انہیں اسطرح اپنایا تھا کہ ان کے کارِ رسالت میں خدیجہؑ کی شرکت آنے والے زمانوں میں بھی انکے ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

جناب خدیجہؑ کی عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خود حضور سرورِ کائناتؐ نے خدیجہؑ کی زندگی میں کسی اور جانب التفات نہیں کیا اور خدیجہؑ کے بعد خدیجہؑ کی یاد ہمیشہ ان کی شریکِ زندگی رہی۔

زیرِ نگاہ کتاب میں خدیجہؑ جیسی پاکباز، غمگسار، باعظمت اور باوقار خاتون کے روشن کردار کو پیش کیا گیا ہے۔ جو ایک تسلسل کے ساتھ دین کی اشاعت و تحفظ، جدوجہد اور بقا میں حضور ختمی مرتبتؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے ہمراہ پوری آب و تاب کے ساتھ ان کی اور اسلام کی تقویت کا سبب رہا ہے

اکبر ابنِ حسن

باسمہ سبحانہ

پیش لفظ

آج ہم بہت فخر و مسرت سے جناب مولانا سید کرار حسین صاحب واعظ مصنف "ہابیل قابیل" و "سازش" و "باغی" وغیرہ کی نئی گراں قدر کتاب "ملیکۃ العرب" ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جسے مولانا موصوف نے بڑی محنت و عرق ریزی اور تحقیق و تدقیق سے تحریر فرمایا ہے اور بلا شُبہہ یہ موصوف کی کئی برس کی کد و کاوش کا ماحصل ہے۔

یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ اس موضوع پر اتنی تحقیق و جامعیت اور شرح و بسط سے یہ پہلی کتاب ہے۔ حضرت خدیجہؑ جو سب سے پہلے پیغمبرِ اسلام پر ایمان لائیں جو آنحضرتؐ کے کردار و اخلاق، صفات و اوصاف سے اتنا متاثر ہوئیں کہ باوجود عرب کی معزز ترین دولتمند خاتون ہونے کے خود آپ کی کنیزی کی متمنّی ہوئیں جنھوں نے اپنا تن من دھن سب پیغمبرؐ کے قدموں پر نثار کر دیا، جنھوں نے ایسی رفاقت فرمائی کہ پیغمبرِ خداؐ اُٹھتے بیٹھتے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدیجہؑ جیسی رفیقہ مجھے کوئی دوسری نصیب نہیں ہوئی، زندگی کی آخری سانس تک نہ آپ خدیجہؑ کی محبت اور چاہت کو بھول سکے نہ اُن کے ایثار اور قربانی اور غیر معمولی احسانات کو جو انھوں نے پیغمبر اسلامؐ اور اسلام پر فرمائے۔ کیا افسوس کی بات نہیں کہ اسلام کی

ایسی عظیم ترین شخصیت کی سیرت و کردار اور حالاتِ زندگی پر کوئی مستقل کتاب اُردو میں موجود نہیں۔ بے شک آپ کے حالات و سوانحِ حیات سے اُردو کتابیں خالی نہیں مگر تمامتر آپ کا ذکر یا تو ازواجِ پیغمبرؐ کے ضمن میں ہے یا صحابیاتِ پیغمبرؐ کے سلسلہ میں۔ مستقل طور پر آپ پر آج تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ ہمیں سب سے زیادہ حیرت دارالمصنفین اعظم گڑھ پر ہے جس نے سیرتِ عائشہؓ تو اتنے اہتمام سے شائع کی صرف اس وجہ سے کہ وہ خلیفۂ اوّل کی صاحبزادی تھیں مگر حضرت خدیجہؓ پر کسی مستقل کتاب کی ضرورت نہیں محسوس کی جو پیغمبرؐ کی صرف شریکِ حیات ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں شریکِ کارِ نبوت بھی تھیں۔

خدا جزائے خیر دے مولانا سیّد کرار حسین صاحب قبلہ کو کہ آپ نے اس کمی کو شدّت سے محسوس کیا اور میری درخواست پر برسہا برس محنت کر کے ایک کتاب تالیف کر ڈالی جو یقیناً ان کی تمام تصانیف میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

انصار حسین

باسمہٖ سبحانہٗ

خدیجہؑ ـــــ جن پر شرفِ زوجیتِ رسولؐ فخر کرے

سلطان الواعظین عالی جناب الحاج مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ مدظلہٗ
سربراہ تنظیم مکاتب امامیہ، بجنور ضلع لکھنؤ

تاریخ شاہد ہے کہ شر نے خیر کے مٹانے میں ہر ممکن قساوتِ قلبی سے کام لیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نہ مٹنے والے خیر نے شر کا نہ صرف بھر پور مقابلہ کیا ہے بلکہ ہمیشہ یہ فتح مبین حاصل کی ہے کہ عاجز آکر شر کی زبان کو خیر کے لئے کلمۂ خیر کہنا پڑا۔ خیر ہی وہ جادو ہے جو شر کے سر پر چڑھ کر ہمیشہ بولتا رہا ہے نگاہِ عالم نے بارہا دیکھا ہے کہ شر کی مرکزی اور محوری طاقتوں کی گود میں خیر کے گواہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔

تاریخ نویسی کا مدعا!

کُل ایمان اصل واصول خیر مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی جو مخالفت اور عداوت کی گئی ہے اس میں کوئی انصاف کبھی روا نہیں رکھا گیا ہر طرح کی حق پوشی بلکہ ممکن حد تک گمراہ کن کوششوں سے کام لیا گیا۔ تاریخ نویسی کا اصل مدعا یہی ہے کہ واقعات اور شخصیتوں کو ان کے صحیح اور سچے خد وخال میں پیش کیا جائے تاکہ ماضی کی شمع مستقبل کے اندھیرے اور اُجالے کو واضح کر سکے اور انسانی توانائیوں کو نہ صرف نقصان سے بچ نکلنے کا موقع ملے بلکہ ملکوتی کمالات

سے آگے تک جانے اور نشو ونما کا موقع ملے۔ مگر بُرا ہو تعصب جنبہ داری اور سفلہ جذبات کا کہ صدیوں سے تاریخ لکھنے کے نام پر چاند پر خاک ڈالنے کی اور سیاہ و مکروہ چہروں پر "تاویلاتی میک اپ" کرنے کی کوشش جاری ہے یہ اور بات ہے کہ چاند پر کا تھوکا ہوا خود اپنے ہی منھ پر آتا ہے اور تاویل سے مکروہ چہروں کی کراہت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ حق پوشی و باطل کوشی کی تدبیروں کا پورا زور مولائے کائنات کے خلاف صرف کیا گیا۔ چنانچہ علیؑ اور اولاد علیؑ سے جس کا بھی قریبی تعلق رہا ہے لکھنے والوں نے ہر ایسی شخصیت سے ممکن گریز کیا بلکہ ان شخصیتوں کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا ہے۔

ہمارا فرض! جناب ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے ذاتی کمالات، آپ کی غمگساری نبوت، نصرت اسلام، سب کو معلوم ہے اور بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ رفیقۂ حیات سے زیادہ رفیقۂ مقصد تھیں آپ کا درجہ فہرست ازواج میں سب سے بلند ہے لیکن یہ شکوہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تاریخ لکھنے والوں نے آپ کے بجائے کسی اور ہی کو "نادرِ ملت" کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار ہے اور ہر ایک کا عمل اس کے جذباتی عوامل اور اس کے پسندیدہ تحریکات کے زیر اثر انجام پاتا ہے۔ مولیٰ سے وابستگی رکھنے والوں کا ویسے بھی فرض تھا کہ مولیٰ سے وابستہ ہر شخصیت پر زیادہ سے زیادہ لٹریچر شائع کرتے لیکن اب جبکہ ان شخصیتوں کو غیر اہم قرار دینے یا بدنام کرنے کی کوششوں کا نہ ختم

ہونے والا سلسلہ بھی جاری ہے تو ان حالات میں اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر شخصیت کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کیا جائے ۔ ان ذرّوں کو بھی فراموش نہ کیا جائے جنھوں نے آفتاب امامت سے کسب ضیاء کیا ہے چہ جائیکہ مادرِ اسلام و ایمان جناب خدیجہؑ ۔ آپ کی زندگی پر جتنا بھی لکھا جاتا وہ کم ہے ۔ قابلِ مبارکباد ہیں عالی جناب مولانا سید کرار حسین صاحب واعظ جنھوں نے جناب خدیجہؑ کے حالات پر کتاب لکھی ۔ مولانا کے قلم سے بہت سی کتابیں نکل چکی ہیں اور بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکی ہیں ۔ اس لئے تعریف و تعارف بے ضرورت ہے بلکہ سعی حاصل ہے ۔

جہاں مولانا کی کتابوں کا مقبول ہونا قوم کی قدردانی ہمت افزائی اور علم دوستی کی دلیل ہے وہاں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ذوق قومی ابھی صحیح حدوں پر باقی ہے ورنہ اس دَورِ انحطاط میں جبکہ سطحیت اُبھار کر رہی ہے تخریب کاری کو تعمیر و اصلاح کا رنگ دیا جا رہا ہے اور "مداری کے تماشہ" پر مجمع کو جمع ہونے کی عادت ہو چکی ہے علمی کام کرنا تالیفات و تصنیفات میں خونِ جگر کھپانا آسان کام نہیں ہے ۔ خصوصاً جبکہ اپنے اور غیر سبھی کے عتاب کا خطرہ ہو ۔ اور نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہو کہ بیانِ مظلومیت اہلبیت علیہم السلام کو تنگ نظری قرار دیا جا رہا ہو اور عقائد و حقائق سے ہٹی ہوئی بین الاقوامیت کو خوش آمدید کہا جا رہا ہو ۔ ان حالات میں تصنیف و تالیف جیسے خشک کام میں دلچسپی لینا ہمت کا کام ہے ، اس کام کے کرنے والوں کو طعن و تشنیع ناقدری و ہمت شکنی سنگدلانہ نکتہ چینی بلکہ ابتلا کے لئے اپنے کو پہلے سے تیار رکھنا چاہئے ۔ ہم اور مظلوم معصومین کا

دردمند قاہر قوتوں اور جابر افراد کے ہاتھوں نشان قہر و ظلم بنتا رہے گا۔ معصومین علیہم السلام ہی ایسے افراد کی دستگیری فرمائیں گے۔ اور ان کو اطمینان رکھنا چاہئے کہ جب ایسے پرقوت صاحبان امر ان کے دستگیر ہیں تو وہ انشاءاللہ ہر بلا و شر سے محفوظ رہیں گے۔

ضرورت ہے کہ چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں کاروان امامت سے متعلق افراد پر لکھی جائیں جن میں جناب خدیجہؑ، جناب ام سلمہؓ، جناب ام البنینؑ جناب فاطمہ بنت اسد، جناب آمنہؑ، جناب حلیمہؑ، جناب اسماء بنت عمیسؓ، جناب فضہؑ، جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ، جناب ربابؑ، جناب ام لیلیٰؑ، جناب سکینہؑ، جناب والبیہ، جناب معصومہ قمؑ، جناب نرجس خاتونؑ، جناب حکیمہ خاتونؑ وغیرہا کی سبق آموز زندگی پیش کی جائے تاکہ اپنی تاریخ سے عوام اور بچے باخبر ہو سکیں اور ان کی زندگیوں کو مشعل راہ حیات بنا سکیں اور دوسروں نے سرکار کاروان ہدایت کے تذکروں میں جو بخل کیا ہے اس کی تلافی بھی ہو سکے۔ ام المومنین جناب خدیجہؑ کا تذکرہ صرف اس لئے مدغم کر دیا گیا کہ وہ ابنار علیؑ کی نانی تھیں اگر صرف حضور علیہ السلام کی بیوی ہوتیں تو ان کا تذکرہ اس طرح بے رخی کا شکار نہ ہوتا۔ اگرچہ وہ التفات خاص جو نبیؐ کی کسی مخصوص زوجہ کو حاصل ہے وہ پھر بھی حاصل نہ ہوتا کیوں کہ جناب خدیجہؑ کسی ایسے فرد کی بیٹی یا بہن نہ تھیں جس کے گرد اکثریت کی عقیدت گردش کرتی ہے۔

مُربّیِ اسلام! اسلام ہر ضعیف و ناتواں کا ہمدرد و غمگسار حلال مشکلات خبرگیر و دستگیر بن کر آیا آج اسلام کے تناور درخت کے

نیچے کروروں انسان سکون و اطمینان محسوس کر رہے ہیں سرسبزی و شادابی
شجر اسلام کا ایک انوکھا ثبوت یہ ہے کہ صدیوں ملوکیت کی عنبر بیل اس تناور
درخت پر پھیلی رہی اگر اس درخت کی جڑیں کم گہری ہوتیں تو جس طرح عنبر بیل
کمزور درختوں کو خشک کر دیا کرتی ہے اسلام کا یہ پُر ثمر اور بار آور درخت خشک
ہو گیا ہوتا۔ لیکن اس کے برخلاف ملوکیت ختم ہو چکی سیاسی آروں نے اس
درخت کی بے شمار شاخیں کاٹ ڈالیں آج بھی اختلاف نوک قلم و زبان سے
اس درخت کے ریشوں کو نوچتے رہتے ہیں۔ دانستہ اور نادانستہ طور پر اپنے اور
پرائے سبھی اس کے برگ و بار کو خزاں رسیدہ بنانے کے لئے کوشاں ہیں مگر کوئی
غائبانہ آبیاری روز بروز اس کی تازگی میں اضافہ کرتی جاتی ہے غرض کہنا یہ ہے
کہ آج کا یہ تناور درخت جس کی چھاؤں بھی اقدار انسانی کو نشو و نما کی طاقت بخشتی
ہے کل کبھی اپنے ابتدائی دور میں ایک ننھا سا پودا تھا اور خود اپنی بقا و نشو و نما
میں کسی کی محافظت اور آبیاری کا محتاج تھا مسلمان چاہے بھول جائیں لیکن
اسلام فراموش نہیں کر سکتا کہ اس کے کل کے دور ضعف و ناتوانی میں کس نے
اس کی آبیاری کی تھی اور کون اس کا محافظ تھا۔ محافظ کا نام ابوطالبؑ تھا
اور آبیاری کرنے والی ذات مربیٔ اسلام حضرت خدیجہؑ تھیں۔ توارث صفات
ایک عام انسانی قانون ہے لیکن صفات میں یکے بعد دیگرے زیادہ پر کمال مظاہرہ
توارث صفات کی وہ اعلیٰ منزل ہے جو چودہ معصومین علیہم السلام کی واحد تاریخی
خصوصیت ہے۔ چنانچہ تاریخ دیکھ سکتی ہے کہ اگر کل خدیجہؑ نے اسلام کی آبیاری
اپنی دولت اور پسینے سے کی تھی تو بعد میں اولاد خدیجہؑ نے اسی شجر اسلام کو اپنے

خون سے سینچا۔ خدیجہؑ نے سرمایہ صرف کیا تھا اولادِ خدیجہؑ نے سرمایۂ حیات صرف کیا۔ شہادت کی جو نہریں نسلِ معصومینؑ میں جاری ہوئیں ان کا منبع اور مرکز دودھ کی وہ دھاریں تھیں جو سینۂ سپرِ اسلام خدیجہؑ نے محافظینِ اسلام کی ماں فاطمہ زہراؑ کی طرف منتقل کی تھیں۔

"دَورِ معراج" کی بیوی

زوجیتِ رسولؐ ایک رشتہ ہے جس سے اہل و نااہل دونوں وابستہ ہوسکتے ہیں۔ زوجۂ جناب نوحؑ و جناب لوطؑ کی نافرمانیاں اور جناب سارہؑ اور ہاجرہؑ کی فرمانبرداریاں تصویر کے دونوں رُخوں کو پیش کرتی ہیں۔ مگر زوجیتِ رسولؐ ایک شرف بھی ہے اگر بیوی نبیؐ سے رشتہ پر نازاں نہ ہو بلکہ اس کمال و کردار کے لئے کوشاں ہو جو شریکۂ حیات نبیؐ کے شایانِ شان ہو۔ یہ شرف حسبِ صلاحیت و استعداد اور مطابق سعی و کوشش ازواجِ مطہرات انبیاءؑ نے حاصل کیا ہے۔ تاریخ میں ہر ایک کے کردار کا پرچم اتنا ہی اونچا ہے جتنا انھوں نے زندگی میں اونچا اُٹھایا تھا اس شرف کی انتہا کا نام خدیجہؑ ہے جس طرح صاحبِ معراج نبیؐ تک نبوت کا پہونچنا معراجِ نبوت ہے اسی طرح شرفِ زوجیتِ نبیؐ کی معراج بھی یہی ہے کہ وہ اس خدیجہؑ تک پہونچی جو مرسلِ اعظمؐ کی زندگی کے "دورِ معراج" کی بیوی ہیں۔ ازواجِ انبیاء کی فہرست کی اونچ نیچ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ رسولؐ کی بیوی ہونا اور ہے اور خدیجہؑ ہونا اور ہے۔

مرد اور عورت ....!

اگر انسانی کمالات بشری اخلاق اور اشرف المخلوقات کی توانائیوں کی نشو و نما تعلیم و تربیت کی تکمیل

"یک جنسیت" کے ذریعہ ممکن ہوتی تو علیم وحکیم خالق انسان کی دو صنفیں عورت اور مرد کی شکل میں نہ پیدا کرتا عورت اور مرد انسانیت کی دو آنکھیں ہیں بشریت کے دو ہاتھ ہیں اور اشرفیت کی بلند چوٹی کو سر کرنے والے دو قدم ہیں "یک جنسی" زندگی عیوب ونقائص سے اپنا دامن نہیں بچا سکتی۔ استقامت کے بجائے کجی اور لنگ کا شکار رہے گی۔ یک چشمی یعنی انتہا پسندی کا ہدف بنے گی اور غیر فطری ومصنوعی خشک وبے جان نظریات واصول کی بیساکھی اور عصا کا سہارا لینے پر مجبور ہو گی۔ سکون کی چھاؤں سے محروم اور بے چینی کی کڑی دھوپ کا شکار رہے گی۔ خوشگوار زندگی چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس کا حصول تب ہی ممکن ہے جب حالات کی مجبوری اور دباؤ کے زیر اثر قبول کرنے کے بجائے حقیقی اور خوش آیند تصورات اور اصول کے پیشِ نظر یہ بات بخوشی منظور کر لی جائے کہ عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کے محتاج بھی ہیں اور محتاج الیہ بھی۔ نہ ان میں سے کوئی دوسرے سے مستغنی ہو سکتا ہے اور نہ ان میں کوئی خود کفیل ہو سکتا ہے۔ مرد اپنے مکمل کردار کے باوجود اس خلار کو پُر نہیں کر سکتا جس خلار کو پُر کرنے کے لئے خالق نے عورت کو پیدا کیا ہے۔ اسی طرح عورت نہ خود پُر سکون وپُر مسرت زندگی بسر کر سکتی ہے اور نہ دوسروں کو شادمانی وخوشی دے سکتی ہے جب تک مرد اس کی کفالت ومحافظت کا بوجھ نہ اٹھالے عورت کا خود کفالتی کے لئے کوشاں ہونا ایسے دوگنے بوجھ کے اٹھانے کے مترادف ہے جس کے اٹھانے کی طاقت اسے فطرت اور قدرت نے نہیں دی ہے۔ اسی طرح مرد کا صنفِ نسواں سے بے نیازی کے اصول پر زندگی کا تعمیر کرنا ایسی مجنونانہ

کوشش ہے جس میں کامیابی ممکن نہیں۔ بلکہ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کو کرب و اضطراب میں مبتلا کرنا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ جب دانشور عورت اور مرد کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کے شعور یا تحت الشعور میں صرف شوہر اور بیوی کا تصور رہتا ہے حالانکہ عورت ماں بھی ہے بہن بھی بیٹی بھی بیوی بھی اور سہیلی بھی اسی طرح مرد باپ بھی ہے، بھائی بھی بیٹا بھی شوہر بھی اور دوست بھی۔ اور دونوں مذکورۂ بالا حیات کے ہر رُخ میں انسان بھی ہیں اگر مسئلہ کو مذکورۂ بالا تفصیلات کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ تمام دراز کار بحثیں جن میں یک طرفہ ظلم و مظلومی کی داستانیں بیان ہوتی ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں۔ مشہور بات یہی ہے کہ عورت پر مرد ظلم کرتا آیا ہے لیکن کیا اس عالمی شور کے درمیان ہے کوئی جو اس آواز کی طرف بھی دھیان دے کہ مرد کے ہاتھوں عورت پر ہونے والے اور لرزہ براندام کر دینے والے مظالم کے پیچھے ہمیشہ کسی عورت ہی کا ہاتھ رہا ہے وہ عورت چاہے ساس ہو یا بہو، نند ہو یا بھاوج، سوت ہو یا طوائف، پڑوسن ہو یا سہیلی۔ ہے آج کوئی جو حساب کر سکے بتائے کہ مرد کی سنگدلی نے عورت کے زیادہ آنسو بہائے ہیں یا عورت کے آنسو نے مرد کے ذریعہ ظلم و شقاوت کے کھولتے چشمے زیادہ جاری کئے۔ مجھے تو تاریخ میں یہی نظر آتا ہے کہ عورت روتی بھی رہی ہے اور عورت ہی عورت کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی بھی رہی ہے۔ عورت سے متعلق تاریخی تذکرے کے دو حصے نظر آتے ہیں۔ ایک حصہ مظلومیت کا ہے اور دوسرا حصہ ظلم و جور کا۔ لیکن دونوں حصوں کے درمیان ایک پردہ پڑا ہے اور اس پردے کا نام مرد ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عورت صنفِ نازک اور مرد صنفِ قوی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صنفِ قوی کا دل اور

اس کے محرکات عمل صنف نازک کے پنجے اور قبضہ میں ہے۔ غرض کہ بشری حیات کی خوشگواری کے لئے صدق دل کے ساتھ نہ کہ جبوری مصالح کے لئے اس اصول کو تسلیم کیا جائے اور معاشرت و اجتماعی زندگی کی بنیاد اس اصول پر رکھی جائے کہ عورت مرد ایک دوسرے کے لئے لازم بھی ہیں اور ملزوم بھی۔ ایک دوسرے کے حاجت مند بھی ہیں اور مددگار بھی۔ زندگی کو اونچا اُٹھانے کے لئے ضرورت ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان باہمی جنگ و جدال یا غلبہ و تفوق کی لڑائی کے بجائے پُرامن تقسیم کار کے اصول پر فرائض و حقوق کی تعیین و تقسیم کی جائے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے سے بے نیاز ہو سکتا ہوتا تو جنت پا کے جناب آدمؑ خواہش جناب حواؑ نہ کرتے اور جنت سے نکل کر حواؑ فراق آدمؑ کے لئے فراق جنت سے زیادہ مضطرب نہ ہوتیں اگر جنت کا فراق جناب آدمؑ کے فراق سے زیادہ گراں ہوتا تو آدمؑ کے پانے کے بعد اضطراب حواؑ زائل نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ عورت مرد کی جنت نہیں ہے بلکہ جنت سے بہتر ہے اور جنت عورت کے لئے مرد سے کمتر ہے۔

شریک کار رسالت!

ادب کا مقام ہے نازک اور لطیف محل بحث ہے لیکن پھر بھی یہ کہنا ضروری ہے کہ مرسل اعظمؐ نہ صرف نبیوں میں سب سے افضل تھے بلکہ آپ کی ذات ستودہ صفات کمالات کی ان معراجی منزلوں پر فائز تھی جس کے آگے وسیع دائرۂ امکان میں گنجائش نہ تھی یا یوں کہئے کہ خالق جود و سخا، خدا جو کچھ دے سکتا تھا وہ سب کچھ اس نے جسے دیا اس کا نام زمین پر محمدؐ اور آسمانوں پہ احمدؐ تھا۔ بے شک زبان و ذہن عاجز ہے کہ وہ عظیم خدا کی عظیم ترین اور اول مخلوق کی ثنا و صفت کر سکے

یا ان کی عظمتوں کو احاطۂ خیال میں لاسکے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی جان لینا بلکہ مان لینا ایمان و دیانت کے لئے ضروری ہے کہ کائنات کی سب سے اونچی ذات کائنات کو کردار و کمال میں اونچا اُٹھانے کے جس مشن پر دُنیا میں نبی بلکہ خاتم النبیینؐ بن کر آئی یہ مشن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا جب تک ساتھیوں، نام لیواؤں، کلمہ گویوں کے عوام و خواص کے مجمعوں کے علاوہ کچھ ایسے افراد شریک کار نبوت نہ بن جائیں جن کا اندازِ فکر بھی اتنا ہی اونچا ہو جتنا اونچا اندازِ فکر مرسلِ اعظمؐ کا تھا جن کی عالی حوصلگی اسی بلند پایہ کی ہو جیسی بلند پایہ عالی حوصلگی حضورؐ کی تھی ۔ غرض کہ جب تک فکر و نظر، علم و عمل، کردار و کمال میں حضورؐ کے مساوی قلب و دماغ والے آپ کے شریک کار نہ ہو جائیں اس وقت تک کلم الناس علی قدر عقولھم (مخاطب سے اس کی عقل کے مطابق گفتگو کرو) کا حکم دینے والا نبیؐ اپنے دل کی بات کس سے کہتا اور اپنے بعد اپنے بلند پایہ اور عظیم مشن کو کس کے حوالے کرتا اسی لئے امامت کو شریک کار نبوت بنایا گیا ۔ لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب رسالت کی مددگار عظیم امامت صرف دس سالہ علیؑ کی شکل میں موجود تھی ۔ مشن کا آغاز تھا ۔ دُنیا ناواقفیت بلکہ جاہلانہ عداوت پر اڑی تھی ۔ جاہلیت کی خشک اور پتھریلی چٹانوں کو توڑ کر اسلام کے چشمہ کی ننھی دھار نکلنا چاہتی تھی اس وقت ضرورت تھی کچھ افراد کی جو اگرچہ نبیؐ کے ہم رتبہ و ہم پایہ نہیں ہو سکتے تھے اس لئے کہ سلسلہ عصمت کا آغاز تھا یعنی صرف علیؑ موجود تھے مگر ایسے افراد ہو سکتے تھے جو غیر معصوم کمال کی حد ہوں جن سے نبیؐ اپنے دل کی بات کہہ سکیں جن کے ہاتھوں اپنے عظیم مشن کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھوا سکیں

اگر سنگ بنیاد رکھنے والے افراد کے کردار میں ذرا بھی کجی رہتی تو اسلام تبلیغ کے ثریا تک پہونچ جانے کے باوجود کج ہی رہتا ــــ نبیؐ نے ایسے افراد ڈھونڈھ لئے بلکہ ان افراد نے اپنے بلند ذوق کی تکمیل کے لئے خود نبیؐ کو ڈھونڈھ نکالا۔ اسی تلاش کنندہ کا نام "خدیجہؑ" ہے ۔

علم وعرفان کی مالک!

عقدِ رسولؐ میں آنے سے پہلے خدیجہؑ "ملیکۃالعرب" تھیں عربی غرور ساری دُنیا کو اپنے سے کمتر سمجھتا تھا سارے عرب میں قریش کی فضیلت مُسلّم تھی قریش میں جناب خدیجہؑ ملیکۃ العرب تھیں یعنی عربی افتخار کے ہمالیہ کی دو بلند ترین چوٹیاں تھیں ایک شیخ بطحا ابوطالبؑ دوسری ملیکۃ العرب خدیجہؑ ــــــ اس عزت واحترام کے علاوہ خدیجہؑ دولت وثروت میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی تھیں آج سے چودہ سو سال کی دنیا میں جبکہ ذرائع آمدورفت وسائل حمل ونقل بیحد محدود اور غیر ترقی یافتہ تھے اس وقت بھی مکہ میں مقیم خدیجہؑ کی تجارت نہ صرف عربی حدود میں پھیلی ہوئی تھی بلکہ عرب سے باہر دوسرے ملکوں تک ان کا سلسلۂ تجارت پہونچا ہوا تھا غرضکہ دُنیا جب قومیت میں تقریباً محدود تھی۔ جناب خدیجہؑ کی تجارت اس وقت بھی بین الاقوامی تھی۔ عزت ودولت کی مالک خدیجہؑ علم وعرفان کے درمیان زندگی بسر کر رہی تھیں ۔ دُنیا جب جہالت اور عرب جس وقت جاہلیت کے گہرے اندھیرے میں تھے اس وقت آسمانی علوم اور آسمانی کتابوں کا ایک علمی فانوس تھا جس میں جناب خدیجہؑ کی شمع حیات روشن تھی ۔ ورقہ بن نوفل وغیرہ آپ کے اعزہ آسمانی کتابوں اور الٰہی علوم کے

زبردست عالم تھے ۔جناب خدیجہؑ ان علمی مباحث میں شریک رہتی تھیں جو اس وقت ان صاحبانِ علم افراد کے درمیان ہوتے رہتے تھے ۔مباحثۂ علمی میں شرکت کا چرچہ آج بھی تاریخ میں موجود ہے ۔

غرض کہ جناب خدیجہؑ عزت واحترام، دولت وثروت ،علم وعرفان کی ان اونچی حدوں پر فائز تھیں جن میں سے کسی ایک فضیلت میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا لیکن اس کے باوجود بین الاقوامی تجارت کی تن تنہا مالک۔ ملیکۃ العرب خدیجہؑ نے اپنے بلند پایہ علمی اور عرفانی ذوق کی روشنی میں مرسل اعظمؐ کو دیکھا جانا اور پہچانا ،پرکھا اور پرکھا اور خود خواہش کی کہ رسولِ اعظمؐ سے قربت حاصل کریں ۔مرسلِ اعظمؐ کے عقد میں آئیں اور حسنات کی گہری جھیل کمالات کے اتھاہ سمندر میں جا ملی ۔

شرفِ زوجیت رسولؐ جس پر ناز کرے!

سطحی ذہن ظاہر بیں نظریں خدیجہؑ کی دولت کے آگے ان کی پُرکمال ذات کو نہ دیکھ سکیں چنانچہ آپ سے متعلق سب سے پُرزور تذکرہ یہی ہے کہ آپ کی دولت نے اسلام کی مدد کی ۔مجھے بھی اقرار ہے کہ اسلام جنابِ خدیجہؑ کی دولت اور جناب ابوطالبؑ کی قوت کے ذریعہ پروان چڑھا لیکن فخر کائنات سربراہ تبلیغ نبیؐ کو خدیجہؑ کی شکل میں کیا کچھ ملا اسے ہلکے دماغ کی دُنیا کیا جانے نبیؐ کو ازدواجی زندگی کے لئے صرف ایک شریک حیات کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس عظیم نبیؐ کو ایک ایسی شریک کار اور رفیق مقصد صنف نسواں کی منتخب ہستی کی ضرورت تھی جو تبلیغی مشکلات میں نبوت کی غمگسار بن سکے جس سے اس کا وہ شوہر جو فخرِ بنی آدمؑ ہو اپنے عظیم اور مشکل کام میں اپنے دل کی بات

کہہ سکے، درد دل سُنا کر دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ اس ضرورت کو مکمل طور پر جناب خدیجہؑ نے پورا کیا۔ آپ کی وفات کے بعد حضور علیہ السلام نے بہت سے عقد فرمائے۔ ہر طرح کے مزاج، کردار، سن و سال کی بیویاں آئیں جن کا افتخار "زوجیت رسولؐ" تھا۔ خود ازواج رسولؐ نے اور ان کے اعزہ اور متوسلین نے اس افتخار کو اپنا عزیز ترین سرمایۂ کمالات قرار دیا حسب ذوق و مقاصد کچھ ازواج نبیؐ اور ان کے متوسلین نے مسلمانوں میں مادی اور روحانی اقتدار حاصل کیا جس کے باقی رکھنے کی سعی پیہم اب بھی جاری ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ "زوجیت رسولؐ" کے شرف پر جو فخر کرے وہ رسولؐ کی بیوی ہے اور "شرف زوجیت خاتم الانبیا" جس ذات پر فخر و ناز کرے اس کامل و مکمل ہستی کا نام خدیجہؑ ہے۔

فضائل و کمالات کی معراج!

مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ملیکۂ کائنات جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا شمار چودہ معصومینؑ میں ہے ہر معصوم نقائص سے بالاتر پیدا ہوتا ہے لیکن چودہ معصومینؑ وہ کامل ترین افراد ہیں جن کی ہستیوں تک پہونچ کر فضائل و کمالات کی معراج اور تکمیل ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں یہ تصور بھی ناجائز ہے کہ کوئی کم درجہ کا کمال یا فضیلت ان میں پایا جاتا تھا بلکہ فضائل و کمالات جس آخری حد تک ترقی کر سکتے تھے وہ اپنی انتہائی ترقی یافتہ شکل میں ان حضرات میں پائے جاتے ہیں ان کو نہ تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے نہ یہ توارث صفات کے محتاج ہیں لیکن وہ لوگ جو ان بہترین انسانوں کے بارے میں مذکورہ بالا عقیدہ نہیں رکھتے جو ان کامل انسانوں کو رواجی تعلیم و

تربیت، تدریجی اور ارتقائی نشوونما کے اصول پر ترقی کمالات کا شاہکار مانتے ہیں وہ بھی اس بات میں متفق ہیں کہ کمالات خدیجہؑ کی ترقی کا نام فاطمہ زہراؑ ہے اور کمالات ابوطالبؑ کی ترقی کا نام علیؑ ہے۔

جناب خدیجہؑ کی زندگی میں حضورؐ نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ اسی طرح جناب امیرؑ نے حیات معصومہؑ میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ وفات خدیجہؑ کے بعد حضورؐ کبھی خدیجہؑ کو فراموش نہ فرما سکے بلکہ ہمیشہ آپ کا تذکرہ فرماتے رہے جو رقیبانہ مزاجوں کو ناگوار بھی ہوتا رہا اور بارہا تذکرۂ خدیجہؑ پر ایسی نکتہ چینی بھی کی جاتی تھی جس سے قلب رسولؐ کربناک ہوجاتا تھا مگر اس کے باوجود خدیجہؑ کا ذکر خیر وحی ترجمان نبیؐ کی زبان پر جاری رہتا تھا۔ اسی طرح وفات جناب معصومہؑ کے بعد جناب امیرؑ نے متعدد عقد فرمائے لیکن نبیؐ کی طرح وصیؑ بھی تا حیات ذکر معصومہؑ کرتا رہا۔ مذکورۂ بالا حالات جہاں نبیؐ و وصیؑ کے اتحاد مزاج اور یکسانیت کردار کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ خدیجہؑ یا فاطمہ زہراؑ کی صورت میں نبیؐ یا وصیؑ کو صنف نسواں کی وہ کامل یا اکمل ہستی مل گئی تھی جن کے بعد صنف نسواں کی کسی دوسری فرد کی ضرورت نہ تھی اور جناب خدیجہؑ یا جناب معصومہؑ کی وفات کے بعد ان کامل ہستیوں کی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہوگیا تھا جسے بعد میں آنے والی کوئی عورت پر نہ کرسکی چاہے وہ آنے والی ذات کتنی ہی صاحب خیر و فضیلت رہی ہو۔

ہم جنسیت کے بغیر ہدایت مؤثر اور مکمل نہیں ہوسکتی چنانچہ تمام ہادی لباس بشریت میں آئے اور غیر محض ملک "ہادی" کا عہدہ نہ پا سکا۔ بے شک

جناب آدمؑ سے شروع ہونے والی ہدایت اور نبوت کی تکمیل جناب خاتم الانبیاءؐ پر ہوئی لیکن صنف نسواں کی تکمیل اور تشریح ہدایت کے لئے ضرورت تھی کہ صنف نسواں کے مکمل نمونے بھی سامنے لائے جائیں جن کی زندگی کے آئینوں میں نسوانیت اپنے خد وخال کو مکمل طور پر درست کر سکے۔ چنانچہ جناب خدیجہؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ خاتم المرسلینؐ کی بیوی اور بیٹی بن کر دنیا میں تشریف لائیں۔ فاطمہ زہراؑ اپنے بلند درجہ کے باعث شریک کار نبوت قرار پائیں اور جناب خدیجہؑ غمگسار نبوت اور شریک کار ہدایت قرار پائیں۔ جب دنیا شمع نبوت کو گل کرنے کے لئے کوشاں تھی اس وقت جو زندگی فانوس بن کر حفاظت کر رہی تھی اسی خدیجہؑ کی زندگی پر جناب مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ نے زیر نظر کتاب لکھی ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے اور آئندہ خدمات جلیلہ انجام دینے کی توفیق کرامت فرمائے اور اجزائے خیر کے لئے ان کو محفوظ و مصؤن رکھے اور مومنین کرام کثرہم اللہ امثالہم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

والسلام

سید غلام عسکری

۱۰ ستمبر ۱۹۷۱ء

باب ششم

تاریخ ساز خاتون ـــــــ سیدہ خدیجہ طاہرہ

تاریخ کی ضرورت !

مصنف "الکرار" و "شہید اعظم" جناب ریاض بنارسی مرحوم نے تاریخ کو ـــــ اس کی اہمیت، ضرورت اور وقعت کا صحیح اندازہ لگاتے ہوئے ـــــ "مادرِ معلومات" فرمایا ہے۔ تاریخ ایک آئینہ ہے جس میں اقوامِ عالم کے عروج و زوال، تہذیب و تمدن اور سیاسی و معاشی حالات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ قومیں کیونکر ترقی کرتی ہیں۔ ترقی کے آسمان پر مہ و نجوم کی طرح چمکنے والی قومیں کس طرح پستی و ذلت کے عمیق غاروں میں گر کر نیست و نابود ہو جاتی ہیں!۔ ان کے جوابات تاریخ کے علاوہ کون دے سکتا ہے۔

عصرِ حاضر ـــــــ جس نے تاریخ کو قصص و حکایات کی چیستان سے الگ کر کے فلسفہ کی شکل دیدی ہے ـــــــ نے تاریخ کی ضرورت و اہمیت کو اور بھی وقیع بنا دیا ہے۔ جس کا اندازہ "محکمہ آثار قدیمہ" سے کیا جاسکتا ہے۔ گذشتہ قوموں کے اقبال و زوال ان کی سماجی اور معاشرتی زندگی اور تہذیب و تمدن کو ان اربابِ کمال سے پوچھا جاسکتا ہے جو "آثار قدیم" کی زبانوں کو سمجھتے ہیں۔ "محکمہ آثار قدیمہ" تاریخ کے کاخِ بلند میں ایک نئے اور روشن باب کا

خوشگوار اضافہ ہے۔

تاریخ سے ہر ایک کو یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ سیاسی معاملات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں اور سائنس سے لگاؤ رکھنے والے بھی۔ تاریخ سے انھیں بھی فائدہ ہے جو اس دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور تاریخ سے وہ لوگ بھی مستفیض ہوتے جو دُنیا کے بعد بھی کسی دُنیا کا تصور یا یقین رکھتے ہیں ——— لیکن تاریخ سے سب سے بڑا فائدہ مذہب اور مذہب والوں کو ہے۔

تاریخ ہی بتائے گی کہ کون سا مذہب کب، کہاں اور کن حالات میں پیدا ہوا۔ مذہبی رہنماؤں کے حالات ان رہنماؤں کی سیرت و کردار ان کے مددگار اور پُشت پناہوں کے کارنامے ان کے دشمنوں کی فہرست۔ مذہبی تعلیمات کو کن کن راہوں سے گذرنا پڑا، کہاں کہاں اس پر عرصۂ حیات تنگ ہوا اور کس سرزمین پر اس کو پھلنے پھولنے کے مواقع نصیب ہوئے۔ یہ ساری باتیں تاریخ سے پوچھی جاسکتی ہیں۔

تاریخ کی ضرورت کو ہر دَور میں محسوس کیا گیا ہے۔ انسان پتھروں کے دَور سے گذر کر ایٹمی دَور میں داخل ہوا ہے۔ غاروں کی پستی سے بلند ہو کر چاند تک پہونچ گیا ہے اس طولانی سفر کرنے والے مسافر ——— انسان ——— نے جس رفتار سے ترقی کی ہے اسی لحاظ سے اس کا تاریخی ذوق بھی ترقی کرتا گیا۔ غاروں سے نکل کر چاند کی سطح مرتفع کو روندنے والا جب مُڑ کر اپنی پامال "راہ گذر" پر نظر ڈالتا ہے تو گرد و غبار کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا جہاں تک انسانی نظروں میں طاقت ہے

وہ اس کو دیکھتی ہے اور انھیں نظر آنے والی چیزوں کو تاریخ بعد مسیح کہا جانے لگا ـــــــــ اس تاریخ بعد مسیح میں بھی "روشن" اور "غیر روشن" امور کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو بھی کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا کسی کو "دور جاہلیت اولیٰ" کہا گیا تو کسی کو "دور جاہلیت ثانیہ" کے نام سے یاد کیا گیا ـــــــــ جہاں انسان کی نظریں پہونچنے سے قاصر ہو گئیں اس کو تاریخ قبل مسیح کہا جانے لگا۔

عربوں کا تاریخی احساس!

وہ قومیں چند ہیں صفحۂ ارض سے جن کے نام و نشان کے ساتھ ان کی تاریخ بھی نیست و نابود ہو گئی اور اب تو صرف ان قوموں کے نام ہی باقی رہ گئے ہیں وہ بھی قرآن کی بدولت ورنہ کون تھا جو بتاتا کہ اس زمین پر عاد و ثمود اور طسم و جدیس نام کی قومیں بھی گذری ہیں یہ اور انھیں جیسی چند اور قوموں کے علاوہ باقی دُنیا کی ہر قوم کم و بیش اپنی تاریخ رکھتی ہے ـــــــــ پریس نہ تھا علم کی روشنی نہ تھی، کاغذ مفقود تھا کتابت کا رواج نہ تھا ـــــــــ غرض ان تمام آسانیوں کے فقدان کے باوجود اپنی بقاو حیات کے لئے زندہ قوموں نے اپنے تاریخی سرمایہ کو محفوظ رکھا ـــــــــ ایک عرب ہی کو لے لیجئے یہ عرب گنوار تھے، بدو تھے جنگجو اور خونخوار تھے، معاصی و معائب کے خوگر، اچھائیوں سے متنفر اور بُرائیوں کے رسیا تھے۔ اقوام عالم میں عربوں سے زیادہ کوئی پست نہ تھا مگر ان میں چند خوبیاں بھی تھیں وہ غیرت دار تھے، مہمان نواز تھے بات کے دھنی اور قول کے سچے تھے۔ ان خوبیوں کے ساتھ ان میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ تاریخ کے دلدادہ اور تاریخی

حالات و واقعات کے عاشق تھے۔ انھوں نے اپنے آبائی خاندانی اور قبائلی حالات و واقعات کو اشعار کے قالب میں ڈھال لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حافظہ بھی غضب کا عنایت فرمایا تھا۔ عربوں کو تاریخ سے کس درجہ دلچسپی تھی اس کا اندازہ آپ یوں کر سکتے ہیں کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر چالیس چالیس سال تک تلواریں لئے میدانِ جنگ میں زیرِ آسمان پڑے رہتے تھے۔ دورانِ جنگ کس نے کس کو مارا کب اور کس لئے قتل کیا ہے کئی پشت بعد پیدا ہونے والا بچہ اس کو جانتا تھا۔ عربوں کو اپنے گھوڑوں کی نسل کی حفاظت کے لئے ان گھوڑوں کے شجرہ کو بھی یاد رکھنا پڑتا تھا ——— حافظہ ہی ان کا سب کچھ تھا اور حافظہ کے اندر محفوظ تاریخی دستاویز کو یہ عرب یکے بعد دیگرے اپنی نسلوں میں منتقل کرتے رہتے تھے ——— یہ حالت قبلِ اسلام تک باقی رہی۔ جب اسلام آگیا تو عرب کی کایا ہی پلٹ گئی۔ تاریخ ہی نہیں ہر علم و فن میں عرب "یونان" بن گیا۔

شیعہ تاریخ! گذشتگان کی سیرت و کردار، ان کی زندگی کے حالات و واقعات اور ان کے علم و عمل کی ضیا بہر حال منفعت بخش ہے ان سے زندگی کے خارزار سے ہنسی خوشی گذرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ مصیبتوں سے ٹکرانے کا عزم ملتا ہے۔ ارادوں کو پختگی اور شعور کو روشنی ملتی ہے۔ سلف صالحین کے کارنامے مستقبل کی تاریکیوں کے لئے بہترین راہبر ثابت ہوتے ہیں ان کے تذکرے باعثِ مسرت اور ان کی بہترین یادیں اطمینانِ نفس کا ذریعہ ہیں ——— تنگ دست اور بے مایہ ہیں وہ قومیں جن کی تاریخ ایسے رہبروں کی سیرت و کردار سے

خالی ہیں ان کا مستقبل تاریک ہے جو سلف صالحین کی سیرت و کردار سے متنفر ہیں وہ دل حرماں نصیب اور دماغ پریشان خیالی کا شکار ہیں جو باحوصلہ مقدس اور پاک و پاکیزہ شخصیتوں کے تذکرے اور یاد سے خالی ہیں ۔

شیعوں کی تاریخ آگ اور خون کی تاریخ ہے ۔ آگ اور خون کے طوفانوں کو جھیل کر باقی رہ جانے والی قوم کیوں زندہ ہے اور کیسے ؟ ساری دنیا کو اس پر تعجب ہے ۔ شیعہ بنی امیہ کی لگائی ہوئی آگ کے طوفانوں سے گذر گئے ۔ شیعہ بنی عباس کے بہائے ہوئے خون کے سیلابوں کو عبور کر گئے ۔ اور بچ گئے ۔ خود ہی نہیں بچے اپنے خون سے لکھی ہوئی اپنی تاریخ بھی بچا لائے ۔ شیعہ عالموں کو قتل کیا گیا ۔ شیعہ بستیوں کو تاراج کیا گیا ۔ شیعہ کتب خانوں کو نذر آتش کیا گیا ۔ شیعہ خطیبوں کی زبانیں کھینچی گئیں ۔ شیعہ ہاتھ قلم کئے گئے ۔ مگر شیعہ آج بھی زندہ ہیں اور ان کی تاریخ آج بھی موجود ہے ۔ شیعیت وہ چراغ ہے جو آندھیوں کی زد پر جلتا رہا ۔ نہیں بلکہ شیعیت وہ چراغ ہے جس سے آندھیوں کو بھی چکر آگئے ۔

دشمنوں نے شیعہ ہاتھوں کی لکھی تاریخیں جلا ڈالیں ۔ مطمئن ہو گئے کہ اگر شیعہ زندہ بھی رہ گئے تو مردہ قوموں کی طرح کیونکہ ان کے پاس نہ ان کے رہبروں کے حالات ہوں گے نہ ان کی شریعت کی تاریخ ۔ یہ نہ اپنے سلف صالحین کو پہچان سکیں گے اور نہ ان کے کردار سے واقف ہوں گے ۔ نتیجۃً گمنامی و ذلت کی زندگی بسر کرتے کرتے کسی بڑی اور زندہ قوم کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسی میں ضم ہو جائیں گے ۔ مگر انھیں شاید معلوم نہیں تھا کہ شیعوں کے دشمن اگر قوی ہیں تو شیعوں کا نگہبان قوی تر ہے ۔ تاریخیں شیعیت ۔ اور شیعوں کی ضد اور ان کے علی الرغم تالیف و

تصنیف کی گئیں، شدت سے ان تاریخوں میں واقعی حالات اور سچے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ آخری حد تک تاریخی حقائق میں تحریف کی گئی۔ تاریخ کے آئینہ کو غبار آلود کیا گیا تاکہ اب کسی دور میں شیعیت کے خد و خال نظر نہ آئیں، وہ واقعات و حالات جن سے شیعوں کو مدد مل سکتی ہے۔ اب کبھی پڑھے نہ جاسکیں۔

کوشش کرنے والوں نے اپنی بھرپور کوششیں صرف کرلیں۔ تخت و تاج اور حکومت و دولت کے پورے کروفر سے حقائق کو مسخ کیا گیا ــــــ لیکن آگ اور خون کے طوفان سے بچ کر شیعہ جب قدرے سکون و اطمینان کے دور میں داخل ہوئے تو تخت و تاج کی چمک دمک اور سونے چاندی کی روپہلی سنہری دھوپ چھاؤں میں بیٹھ کر لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور ان کتابوں سے چُن چُن کر حقائق کے موتی نکالے جانے لگے۔ دیکھتے دیکھتے شیعہ علماء نے حقائق و معارف اسلام کو ان کے اصلی خد و خال میں دُنیا کے سامنے پیش کرکے شاہی محنتوں کو خاک میں ملا دیا۔

؟ ؟ ! ! دشمن تاریخ میں حقائق و معارف ؟ اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن یہ واقعہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شیعہ دشمن قلم نے حقائق و معارف کا اقرار بھی کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قوی دشمن انسانوں کی طاقتیں حقائق و معارف کو مسخ کرنے پر تلی تھیں اور قوی تر نگہبان انھیں کے قلم سے انھیں کی کتابوں میں ایسی باتیں لکھوا تا رہا جو

حقیقی اسلام تک پہونچانے کا ذریعہ بنتی رہیں ـــــــ چنانچہ آج بڑے فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی کتابوں سے شیعہ تاریخ، شیعہ عقائد، شیعہ نظریہ، شیعہ احادیث، شیعہ تفاسیر اور شیعہ اسلام کو ثابت کر سکتے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا

تاریخ ساز خاتون!

اسلام کی تاریخ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہیں آپ مرسلِ اعظمؐ کے ہاں آنے سے پہلے بھی ایک تاریخی شخصیت تھیں ـــــــ آپ اس لئے بھی تاریخی شخصیت تھیں کہ اس دور میں پورے عرب میں مالی اعتبار سے کوئی آپ کا مدمقابل نہیں تھا ـــــــ گھر میں بیٹھ کر تجارت کرنا، اور اتنے بڑے تجارتی کاروبار کو دن بدن ترقی دینا، عورت ہو کر مختلف دیار و امصار میں پھیلی ہوئی دولت اور اموالِ تجارت پر کنٹرول رکھنا۔ عرب ـــــــ جہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا اور عورتوں کو منحوس خیال کیا جاتا تھا ـــــــ میں ایک ایسی عورت کا وجود جس نے تجارت کے میدان میں مردوں کو گردِ کارواں بنا دیا تھا. کیا حیرت کی بات نہیں ہے؟ اور کیا اس سے آستانِ قدس پر جھک کر تاریخ سلام نہ کرے گی؟ سیدہ خدیجہؑ اس لئے بھی تاریخی شخصیت ہیں کہ آپ نے سارے عرب امیروں، تاجروں، دولتمندوں، سربراہوں، قبائلی ٹھیکیداروں، رئیسوں اور بادشاہوں کے پیغام ہائے عقد کو ٹھکرا کر۔ عورتوں کو کھلونا سمجھنے والے ـــــــ عربوں کے پندارِ امارت و ریاست... کو چور چور کر دیا ـــــــ

اس لئے بھی ام المومنین خدیجہؓ تاریخی شخصیت ہیں کہ جاہلی دور میں بھی آپ تمام مکارم اخلاق، صفات حمیدہ اور اعلیٰ انسانی اقدار کی مالک تھیں۔

جاہلی دور میں بھی آپ کو "طاہرہ" اور "سیدہ قریش" کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں خطاب مختصر اور مجمل سہی مگر جناب خدیجہؓ کی حیات طیبہ کے سمجھنے میں بہترین معاون ہیں۔ عورتوں کو ذلیل و پست سمجھنے والا معاشرہ کسی عورت کو اتنا محترم سمجھے ——— تاریخ کا معجزہ ہے۔ سیدہ خدیجہؓ اس لئے بھی تاریخی شخصیت ہیں کہ انھوں نے خلاف معمول، خلاف عادت سارے عرب کے امیر کبیر انسانوں کے دعوت ناموں کو ٹھکرا کر مکّہ کے ایک غریب و نادار نوجوان کو اپنا سرتاج منتخب کرلیا۔ ام المومنینؓ کے اس تاریخی اقدام سے پوری عرب دُنیا میں زلزلہ آگیا ——— رسول اعظمؐ کے گھر آنے کے بعد سیدہ خدیجہؓ کے گرد اسلام کی تاریخ طواف کرنے لگی۔ حبیب خداؐ کی پہلی بیوی، بلا شرکت غیرے پچیس برس نبوت کی مونس و غمگسار، سب سے پہلے اعلانِ ایمان کرنے والی، سب سے پہلے نبوت کے ساتھ نماز ادا کرنے والی، ۲۵ برس مسلسل وحی الٰہی کی آوازوں کو سُننے والی خاتم النبیینؐ کی نسل طیب و طاہر کی امین و ذمہ دار، گود میں ننھی بچی ——— سیدہ زہراؑ ——— کو لے کر اپنے عظیم شوہر کے ساتھ تین سال قید سخت کی زندگی گذارنے والی ——— اور اپنی پوری دولت کو اسلام پر خرچ کردینے والی تاریخ ساز خاتون ——— مخدومۂ کائنات ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہؑ ہیں۔

تاریخ پر نحوستوں کا سایہ!

ایسی تاریخی شخصیت ــــــ بلکہ تاریخ ساز شخصیت ــــــ کا ذکر مسلمان تاریخ میں آج برائے نام باقی ہے۔ صرف اس لئے کہ ام المومنین سیدہ خدیجہؑ، سیدہ فاطمہ زہراؑ کی ماں ہیں اور سیدہ زہراؑ گیارہ معصوم اماموں اور ہادیوں کی ماں ہیں، ان اماموں کی ماں ہیں جنھیں شیعہ اپنا راہبر اور قائد تسلیم کرتے ہیں ــــــ تاریخ کے بگاڑنے والوں نے دشمنی کا پورا حق ادا کر دیا۔ مرسل اعظمؐ سے سیدہ خدیجہؑ کی تیسری شادی تھی۔ بوقت عقد آپ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ اور زینب وام کلثوم اور رقیہ بھی سیدہ خدیجہؑ ہی کی لڑکیاں تھیں اور یہ کہ آپ بہت مالدار خاتون تھیں ــــــ مسلمان تاریخ میں سیدہ خدیجہؑ کا ذکر بس اسی قدر ملتا ہے۔

جناب خدیجہؑ کے حالات و واقعات کے اخفا میں مورخین نے جو حیرتناک اور تعجب خیز کردار ادا کیا ہے اس کا شکوہ کرنے کے بجائے "قوی تر نگہبان" ــــــ پروردگار عالم کا شکر ادا کرتا ہوں مٹانے کی ہزار کوششوں کے باوجود جس نے ظالم و دشمن تاریخ میں بہت کچھ ایسا مواد جمع کرا دیا۔ جس کے بعد بڑی آسانی سے حقیقتوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ قارئین کرام میں بھی بعض حضرات اکثر مسائل و مواقع پر میرا ساتھ چھوڑ دیں اور اختلاف کریں بالخصوص سیدہ خدیجہؑ کی عمر، عقد اور اولاد کے سلسلہ میں لیکن ــــــ میں ہر اختلاف کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لوں گا مگر بلا وجہ مسخ شدہ تاریخ کی ناقابل فہم باتوں پر یقین نہیں کر سکتا

میں اپنا مسلک کسی پر مسلط نہیں کرنا چاہتا میرا مقصد صرف حقائق کو پیش کرنا اور تاریخ پر چڑھائے گئے نحوستوں کے سایہ کو دُور کرنا ہے ماننا نہ ماننا تو آپ کا کام ہے۔

کامیاب زندگی کا حل!

اسلامی آئین اور محمدی قانون رہبانیت اور تجرد کی زندگی کو شدید نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ عموماً تجرد کی زندگی بسر کرنے والوں کو مقدس اور پارسا خیال کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کسی دَور میں اس طرح کی زندگی میں تقدس پایا بھی جاتا رہا ہو ——— لیکن عام طور پر اس طرح کی زندگیوں میں پارسائی کا دُور دُور پتہ نہیں ہوتا ——— جہاں دُنیا کا سارا تقدس تجرد ہی کی زندگی میں فرض کرلیا گیا ہے وہاں کے کنوارے مردوں اور کنواری عورتوں کے "پاکبازانہ" قصّے کسے نہیں معلوم ——— نبوی تعلیمات نے دُنیا کے تمام مذاہب و ملل سے الگ ہوکر انسان کو صحیح اور فطری عنوان سے زندگی بسر کرنے کے اصول معیّن کئے۔ نکاح اور شادی کو لہو و لعب اور دنیاوی مزخرفات سے الگ کرکے ہر چہار جانب سے تقدس کا رنگ دے کر اس کو انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت اور تکمیل انسانیت کا عظیم جز قرار دے دیا ——— اور ان تعلیمات کو اپنی پاکیزہ سیرت کے ذریعہ عمل کی زبان عنایت فرمادی ——— نبوی کردار کی پختگی، سیرت کی پاکیزگی اور عمل کی بلندی کا اندازہ تو اس وقت ہوگا جب مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانۂ نبوت میں شوخ و شنگ اور تیز و تند طبائع کا اجتماع ہوگا لیکن نبوت کے وہ پچیس سال جو سیدہ خدیجہؑ کے ساتھ گذرے یہ دَور خدیجۃ الکبریٰ کے

عزم و حوصلہ، کردار و سیرت، ایثار و محبت اور جذبۂ فداکاری و جاں نثاری کے سمجھنے کا سبب ہے۔ ایک عورت کسی خاوند کے گھر کو کس طرح جنت نظیر بنا سکتی ہے۔ کسی شوہر کی زندگی کو کوئی عورت کیسے باغ و بہار بنا سکتی ہے؟ جناب خدیجہؑ کی زندگی ان سوالوں کا بہترین حل ہے۔ "اچھی بیوی" "بہترین ماں" اور "کامیاب عورت" بننے کے لئے سیدہ خدیجہؑ کی کتاب زندگی کا ہر ورق قابل مطالعہ اور لائق عمل ہے۔

حیدرآباد سندھ، پاکستان

فرمائشات کی وبا

عام طور سے لڑکیاں ماں باپ کے گھروں سے رخصت ہوکر جب اپنے شوہروں کے گھر جاتی ہیں تو غریب شوہروں کو "فرمائشات" کے مقبروں میں دفن کر دیتی ہیں۔ اور اگر شوہر حسب خواہش فرمائش پوری نہ کرے تو ہزار طرح کے طعن و تشنیع سننے میں آتے ہیں۔ مثلاً میری قسمت خراب ہو گئی۔ مقدر پھوٹ گیا۔ کس جہنم میں آگئی۔ ماں باپ نے مجھے کہاں پھینک دیا...... وغیرہ یہ باتیں صرف امیر باپ کی لڑکیاں ہی غریب شوہروں کو نہیں سناتیں بلکہ غریب باپ کی لڑکیاں بھی اپنے امیر شوہروں کو اسی طرح کے طعنے دیتی ہیں ــــــ "فرمائشات" کی اس آندھی سے کوئی گھر محفوظ نہیں نظر آتا حد ہے کہ بیوت کعبہ میں بھی اس آندھی کے بلند کئے ہوئے گرد و غبار صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔ آگے کتاب میں آپ پڑھیں گے کہ خود ازواج نبوت نے بھی مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کی فرمائشوں سے عاجز کر رکھا تھا بلکہ ایک دفعہ تو مل جل کر ازواج نے

ہادی اکبرؐ کو اتنا عاجز کر دیا کہ ایک مہینہ تک آپ نے ازواج سے قطع تعلق کر لیا یہاں تک کہ مدینہ میں یہ خبر گشت کر گئی کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ———— مگر سیدہ خدیجہؑ کی اعلیٰ سیرت اس طرح کی تمام برائیوں سے قطعاً پاک صاف نظر آتی ہے۔ اپنے گھر سے عظیم شوہر کے گھر آنے کے بعد شہزادی عرب خدیجہؑ نے صبر و شکر اور ضبط و تحمل کا ایسا مظاہرہ کیا جیسے یہ ہمیشہ سے فقر و فاقہ اور تکلیف و اذیت کی زندگی بسر کرتی رہی ہوں۔ شوہر سے کسی طرح کی فرمائش یا فریاد تو کیا شہزادی خدیجہؑ کے لب کبھی کلمۂ "اُف" سے بھی آشنا نہ ہوئے۔ راحت و آرام اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والی شہزادی نے اپنے معصوم شوہر کے ساتھ فقر و فاقہ اور رنج و غم کی زندگی نہایت ہنسی خوشی کے ساتھ گذار دی۔ شہزادی کی سیرت زبانِ حال سے کہہ رہی ہے "

رہنے کو جس طرح کا مقدر نے گھر دیا ۔۔۔ دل بھی میرے کریم نے ویسا ہی کر دیا

سیرت خدیجہ طاہرہؑ کی ضرورت!

یقیناً شہزادی نور سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت تمام عورتوں کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ مگر میں نے سیدہ زہراؑ کی سیرت کے بجائے ان کی والدہ محترمہ مخدرہ جناب سیدہ خدیجہؑ کی سیرت کا اس لئے انتخاب کیا تاکہ کسی عورت کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ "ہم جناب فاطمہ زہراؑ کی سیرت کی پابندی کیسے کر سکتے ہیں وہ معصومہ تھیں اور ہم لوگ معصومہ نہیں ہیں" دیکھا جا سکتا ہے کہ جناب خدیجہؑ بھی معصومہ نہیں تھیں اٹھائیس سال تک کسی معصوم ہستی کے ساتھ رہنے کا اتفاق

بھی نہیں ہوا تھا نہ ان کے والد معصوم تھے اور نہ والدہ معصومہ تھیں ——— لیکن اپنی ذاتی جد وجہد سے شہزادی خدیجہؑ نے اپنے کو مجمع صفات کمال بنا لیا تھا۔ خوبی عمل، حسن کردار، پاکیزگی نفس اور بلندیٔ اخلاق سے اپنے کو اتنا پُر وقار و باعظمت بنا دیا تھا کہ خود اللہ تعالیٰ جبرئیل امین کے ذریعہ اپنے پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سلام کہلواتا ہے۔ جنّت کی بشارت دیتا ہے اور ان کے اعمالِ صالحہ کو قبولیت کی سند سے نوازتا ہے۔

جب علم کی روشنی نہ تھی تعلیم کا فقدان تھا اخلاق مدفون اور حیا بے دیار تھی جب دنیا مواسات و مساوات سے بے بہرہ اور رحم و کرم سے نامانوس تھی۔ جب تعلیماتِ انبیاء کا نام و نشان مٹایا جا چکا تھا۔ موسوی، عیسوی، خلیلی احکام و شرائع مسخ کئے جا چکے تھے اور بربریت و بہیمیت، شیطنت اور درندگی کا گھُپ اندھیرا پوری دُنیا بالخصوص عرب پر مسلط تھا۔ تب بھی صنف نسواں کے وقار کا بدرِ کامل بشکل خدیجۃ الکبریٰ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ضو فشاں تھا۔ دورِ حاضر میں جب ساری پُرانی خرابیاں پھر آزادی کے نام پر واپس لائی جا رہی ہیں تو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ کردار ساز شخصیتوں کے تذکروں سے ایسی روشنی پیدا کی جائے جس سے چراغِ حقیقت کو جادۂ اعتدال اور فکر و شعور کو صراطِ مستقیم کے پا لینے میں مدد مل سکے۔

ہوشیار! عصرِ حاضر اپنے ساتھ بے دینی، بے وفائی، بےحیائی، بداخلاقی و بداعمالی کا جو سیلاب لایا ہے اس سے نہ اسلام کو خطرہ ہے

اور نہ مذہب کو ـــــــ ہاں اس کا خطرہ ضرور ہے کہ مسلمان بہہ جائیں گے اور مذہب کے ماننے والے غرق ہو جائیں گے۔ دَورِ حاضر کی لائی ہوئی گمراہی اور ضلالت سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

اس مُنہ زور سیلاب کو روکنے کے لئے سلف صالحین کے پاکیزہ اذکار کی شدید ضرورت ہے۔ اسی لئے میں ملیکۃ العرب، شہزادی اسلام، ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ صلوات اللہ علیہا کی سیرت و کردار کی جانب متوجہ ہوا اور اپنی بے سوادی و بے بضاعتی کے باوجود بقدر طاقت و امکان جو کچھ ہو سکا اسے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

کوشش کی ہے کہ واقعی حالات اور صحیح واقعات قلمبند کروں۔ دنیوی مشاغل و افکار میری راہ میں ہمیشہ حائل رہا کئے اس لئے حسب خواہش میں پوری لگن سے کام نہ کر سکا۔ اگر آپ کو کتاب میں نقائص و معائب نظر آئیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں وہ خامیاں دُور کر دی جائیں۔

الحاج جناب حامد حسن صاحب مرحوم ومغفور

ہمدردِ دین و مذہب! عرف بابو سیٹھ صاحب صرف پابند دین اور عاشقِ مذہب ہی نہ تھے وہ صحیح معنی میں مبلغ اسلام اور ناشر علوم و معارف دین محمدؐ و آل محمدؐ تھے۔ اپنے پورے گھر کو حج و زیارات کے لئے لے گئے۔ مالیگاؤں ضلع ناسک میں زر کثیر صرف کر کے ایک شاندار امام باڑہ تعمیر کرایا۔ مومنین کے قبرستان کی پختہ حد بندی کی ایک عمدہ مسجد اور امام باڑہ و مدرسہ

تعمیر کرایا۔ بڑے علم نواز اور علم دوست تھے کئی زبان کے کیڑے تھے۔ عزاداری کے عاشق شیدا تھے خود بہت عمدہ ذاکری فرماتے تھے انداز بیان عموماً تبلیغی اور مناظرانہ ہوتا تھا، آپ کی تقریروں سے بیشتر حضرات متاثر ہوئے۔ یکم محرم ۱۳۸۵ھ کو لگ بھگ ۵۰ سال کی عمر میں مجلس پڑھ کر امام باڑے سے گھر تک آئے اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال سے تھوڑے دنوں قبل آپ سے میری ملاقات بمبئی میں ہوئی تھی مرحوم نے مجھے مالیگاؤں کی دعوت دی مگر افسوس کہ میں ان کی زندگی میں مالیگاؤں نہ جاسکا قبر پر فاتحہ پڑھنے بعد میں پہونچا ——— میری تحریروں سے آپ کو والہانہ محبت تھی، میری کتابوں کے رسیا تھے اسی لئے ان کو مجھ سے بھی بڑا خلوص اور محبت تھی ——— مرحوم کو حالات جناب خدیجۂ سے قلبی لگاؤ تھا اور یہ مرحوم کے روحانی فیوض و برکات ہی کا نتیجہ ہے کہ "ملیکۃ العرب" اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ مرحوم کے پسماندگان میں غم نصیب ماں، ایک بیوہ پانچ صاحبزادگان اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ سب ماشاء اللہ پابند دین و مذہب اور عاشق اہلبیت کرامؑ ہیں۔ خداوند عالم ان سب کو ہمیشہ اپنی امان میں رکھے۔ مومنین کرام ایک ایک سورۂ فاتحہ پڑھ کر مرحوم کی روح کو ایصال فرمادیں۔

شکریہ احباب!

برادر محترم جناب سید انصار حسین صاحب ملیح منیجر سرفراز پریس لکھنؤ کا میں ممنون کرم ہوں جنھوں نے میری کتابوں کو بلا عذر تب شائع کیا جب میری تحریروں سے کوئی واقف بھی نہ تھا

____ "ملیکۃ العرب" کی اشاعت میں موصوف نے جس گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے اسے میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔ خداوند عالم انھیں عمر نوح عنایت فرمائے تاکہ قوم و مذہب کی تا دیر خدمت انجام پاتی رہے۔

الحاج عالیجناب مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ مدظلہ کا بیحد شکر گذار ہوں جنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود میری خواہش پر قیمتی مقدمہ دوران سفر لکھ کر عنایت فرمایا۔ مولانائے موصوف مجھ سے جو محبت فرماتے ہیں وہ میرے شکریہ سے بالاتر ہے۔ رب العزت ان کے سایہ کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

عزیزی مولانا درالحسن صاحب سلمہٗ ممتاز الافاضل، مولانا ناظم علی صاحب متعلم مدرسۃ الواعظین اور مولانا قنبر علی صاحب سلمہٗ متعلم ناظمیہ عربی کالج کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے کاپی اور پروف کی صحت و درستی میں میرا ہاتھ بٹایا۔

والسلام

سید کرار حسین واعظ

مدرسۃ الواعظین ۱۶ کیننگ اسٹریٹ
لکھنؤ

۲۹ اگست ۱۹۸۱ء
یوم یکشنبہ

عورت ——— اقوامِ عالم کی نظر میں

قوموں اور مذہبوں کا ایک معیارِ شرافت یہ بھی ہے کہ کسی قوم یا مذہب کا برتاؤ عورت کے ساتھ کیا ہے۔ اس لئے ایک طائرانہ نظر قرونِ اولیٰ کی قوموں پر ڈالنا ضروری ہے تاکہ عورت کے متعلق اسلامی نظریہ کی خوبیوں کا اندازہ صحیح طور پر ہو سکے۔ مصر کی تاریخ بیحد قدیم ہے وہ ایک ایسا ملک ہے جس کے لئے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ ترقیوں کی دوڑ میں سب سے پہلا قدم مصر نے اٹھایا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی بنا پر اس کی ترقیاں رک گئیں۔ اس کی تاریخ کے وہ دھندلے نقوش ——— جو حضرت عیسیٰؑ سے قبل کے ملتے ہیں ——— اس میں چند ایسی عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے جو کسی نہ کسی طرح تختِ حکومت تک آگئیں مگر اس ترقی کے باوجود اسی مصر میں خود عورت مرد کو مہر ادا کرتی تھی اگر کسی عورت کے پاس مہر کے لئے روپے نہیں ہوتے تو وہ شادی نہیں کر سکتی تھی۔ آج کا عظیم مصر کل نکاح عبودیت ——— کی لعنت میں مبتلا تھا۔ اس نکاح کا مقصد یہ تھا کہ عورت کی حیثیت اپنے شوہر کے گھر ایک ملک کی ہوتی تھی اور بس۔

سربفلک اہرام کا خالق مصر عورت کو تخت سلطنت تک لاکر یقیناً اپنی آدمیت و انسانیت کا ساری دنیا سے اقرار لے سکتا تھا لیکن مصری سماج نے عورتوں کو کن مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا اس کا اندازہ ہمیں انھیں دونوں باتوں سے ہوتا ہے کہ غریب عورت مہر ادا کرتی تھی اور پھر شوہر کے گھر جاکر اس کی حیثیت گائے بکری کی سی ہو جاتی تھی۔ عورت کو تخت سلطنت تک لے جانے والا ترقی یافتہ مصر عورتوں کے حق میں جب اتنا ظالم ثابت ہوا تو پھر کس ملک سے اچھے سلوک اور انسانی برتاؤ کی امید کی جاسکتی ہے۔ فرعونوں کی سرزمین عورت کے حقوق کا قطعی تحفظ نہیں کرسکی۔

بابل نمرودوں کی ملکیت رہا ہے لیکن یہاں بھی عورت اپنے پیدائشی حق اور انسانی حقوق سے محروم نظر آتی ہے۔ بابلی عورتوں کی مجبوری کی حد تھی کہ وہ اپنی شادی میں بھی دخل نہیں دے سکتی تھیں بلکہ ان کی قسمت کا فیصلہ کاہن کرتے تھے۔

ایک حد تک تاریخ ایرانی تہذیب کی کلمہ خواں ہے ممکن ہے اور امور میں ایران مہذب و متمدن رہا ہو لیکن عورت کے حق میں وہ بھی کسی وحشی درندے سے کم نہیں رہا ہے۔ کسی عورت پر ہاتھ اٹھانا کس قدر ناپسندیدہ ہے اور کسی مرد کے لئے کتنا مکروہ کام ہے آج کی دنیا اس سے بخوبی واقف ہے لیکن کل کا ایران مہذب ہونے کے باوجود اس بات سے لاعلم تھا۔ چنانچہ اگر کوئی ایرانی کسی عورت کو قتل کرنا چاہتا تھا تو عورت اتنی مجبور تھی کہ وہ قتل ہوتے ہوتے بھی اپنے اس گناہ کو پوچھ نہیں سکتی تھی

جس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جا رہا ہے " اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کا کھُلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ایرانی عورت کو آدمی ہی نہیں سمجھتے تھے ورنہ یہ ظلم عظیم ان کے لئے روا نہ رکھا جاتا غرض کہ کسراؤں کی مہذب سرزمین بھی عورت کے حقوق کی غاصب اور ان کے لئے ظالم ثابت ہوئی۔

ترکی میں بھی عورتوں کو شادی کرنے کا کوئی حق نہ تھا یہ سب ایک صف میں حیوانوں کی طرح کھڑی کی جاتی تھیں جو شخص جس عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا بڑھ کر وہ اس کے سر پر کپڑا ڈال دیتا تھا وہ مرد عورت کو پسند ہے یا نہیں بیچاری عورت کو اس کے اظہار کا حق نہیں تھا" یعنی ترکی کی نظر میں عورت ایک جانور ہے جس کو جہاں لے جایا جا رہا ہے چلنا ہوگا اور وہ چلنے پر مجبور ہے۔

ہندستان —— رام اور لچھمن کی پوتر بھومی —— نے بھی عورت کے حقوق کی ادائیگی سے نہ صرف غفلت برتی بلکہ اس کے حقوق کو ضائع و برباد کیا اور اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ ہندوستانی عورت کے لئے یہ کیا کم عذاب تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ خود بھی "چتا" میں بیٹھ کر اپنے جسم نازنیں کو آتش سوزاں کے حوالے کرنے پر مجبور تھی اس فعل کو ان کی اصطلاح میں "ستی" کہا جاتا تھا" یہ غیر مستحسن طریقہ خود بتاتا ہے کہ ان لوگوں کے خیال میں عورت کا کوئی مستقل وجود ہی نہیں تھا بلکہ وہ اپنے شوہر کا سایہ تھی۔

کن محرکات کے باعث "ستی" کی رسم رُکی اور عورت کو اپنے مردہ شوہر کے ساتھ نہ جلنے کا اختیار دیا گیا، نہیں معلوم —— لیکن بھوگی کی

زندگی گذارنے والی کے لئے ہندوستانی سماج اتنا سخت و متشدد واقع ہوا تھا کہ اس کی زندگی موت سے بدتر ہو گئی تھی۔ بیوہ، فقیر اور جوگن بن جانے پر مجبور ہو جاتی تھی، اس کا سر مُونڈ دیا جاتا تھا۔ اس کو منحوس، چڑیل، بد قدمی اور ناگن کہہ کر پکارا جاتا تھا جیسے اس نے اپنے شوہر کو خود ہی کھا لیا ہو۔ بیوہ عورت سے زندگی کی بہاریں روٹھ جاتی تھیں، اس سے ساری خوشیاں سماج چھین لیتا تھا —— چتا میں جل جاتی تو اچھا تھا وقتی تکلیف ہوتی اور پھر قصہ ختم ہو جاتا لیکن —— بیوگی کی زندگی —— الامان، الحفیظ —— پوری زندگی بیوہ عورت کو غم والم اور دُکھ، درد کی "چتا" میں جلنا پڑتا تھا، وہ ہر طرح کے طعن و تشنیع کو سہتی۔ عورت اور مرد، چھوٹے اور بڑے سب کی لال پیلی آنکھوں اور بنی بگڑی تیوریوں کو برداشت کرتی تھی —— پورے قبیلے اور قوم کی موجودگی کے باوجود اس بھری پُری دُنیا میں اب اس کا کوئی نہیں ہوتا وہ جب تک جیتی غم کھاتی اور آنسو پیتی رہتی۔

مقدس اور طاہرہ "مریم" کے ماننے کا اقرار کرنے والے عیسائیوں سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے عورت کے ساتھ ضرور انصاف سے کام لیا ہوگا اور ان لوگوں نے وقار نسواں کا تحفظ ضرور کیا ہوگا لیکن افسوس کہ اس قوم نے بھی عورتوں کے حقوق کی پامالی میں نمایاں حصہ لیا۔ عیسائیوں نے اصل شر، عورت ہی کو سمجھ لیا تھا، ان کا کہنا تھا کہ یہی وہ ذات ہے جس کی وجہ سے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلنا پڑا۔ ان کی نگاہ میں عورت ایک خانگی فتنہ، ایک مہلک سحر اور ایک رنگین بلا تھی ——

ان کا قول تھا کہ "عورت شر کا سرچشمہ، گناہ کی بنیاد، جہنم کا دروازہ اور قبر کا راستہ ہے!" ——— عورت کے بارے میں یہ اس قوم کے خیالات ہیں جو مقدس "مریم" کا کلمہ پڑھتی ہے۔ اب عورت کس دروازے پر رحم و کرم کی درخواست کر سکتی ہے جب اپنوں کا عالم یہ ہے تو غیروں سے کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟

عرب کے لئے تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ ان کے نزدیک تو لڑکیوں کی پرورش ہی گناہ تھی۔ لڑکیوں کو جننے والی مائیں ناگن بن کر کسی قبر کے پاس بیٹھتی تھیں اگر لڑکا پیدا ہوتا تو خیر، ورنہ لڑکی کو زندہ ہی اس قبر کے حوالے کر دیا جاتا جو پہلے ہی سے تیار رکھی جاتی تھی۔ عرب میں بھی مختلف قسم کے نکاح کا رواج تھا جن میں بعض تو ایسے تھے جن کا ذکر بھی حیا و شرم کے مزاج پر بار ہے۔ یوں تو پوری دُنیا کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ہر جگہ عورتوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے لیکن عرب مختلف وجوہ سے اس ظلم و ستم میں پوری دُنیا سے آگے تھا۔ عموماً عرب نظروں میں عورتوں کی حیثیت ان کھلونوں سے زیادہ نہ تھی جنھیں کھیل کر بچے توڑ دیا کرتے ہیں۔

قرونِ اولیٰ اور جاہلی دَور میں عورت پر بے پناہ مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے۔ اس وقت کی عورت کو جن دشواریوں اور مصیبتوں کا سامنا ہوا آج اس کا اندازہ بھی دشوار ہے۔ لیکن جہاں ظلم و ستم اور مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے والے تھے وہیں ان مہذب اور غیر مہذب گھروں کا پتہ بھی

ملتا ہے جن کو عورت کی عزت و احترام کا خیال تھا جو عورت کے ساتھ محبت و شفقت اور اُلفت و عطوفت کے ساتھ پیش آتے تھے اور جو عورت کے حقوق و وقار کے قائل تھے۔ اگرچہ اس قسم کے معزز اور شریف خاندان کم تھے مگر تھے ———"

خویلد کا معزز ترین خاندان ——— جو تین پشتوں کے بعد چوتھی پشت میں مرسل اعظمؐ سے مل جاتا ہے ——— بھی انھیں معزز اور شریف خاندانوں میں سے ایک تھا۔

شرافت و کرامت، خیر و برکت، فضل و شرف اور امارت و سیادت میں یہ خاندان پورے عرب میں مشہور و معروف تھا اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ پورے عرب میں بنی ہاشم کے بعد اگر کوئی خاندان قابلِ ذکر تھا تو وہ صرف خویلد کا تھا۔ اس سلسلہ میں کسی طویل تقریر کی ضرورت میں محسوس نہیں کرتا بلکہ دلیل میں صرف اتنا یاد دلاؤں گا کہ جب کفارِ مکہ مرسل اعظمؐ کے مکان میں پتھر پھینک رہے تھے تو معصوم نبیؐ نے فرمایا۔ "اے قریش تمھیں شرم نہیں محسوس ہوتی کہ تم اپنی نجیب ترین عورت کے گھر پتھر پھینک رہے ہو!"

اسی صاحب فضل و شرف گھرانے میں ایک بچی پیدا ہوئی جس نے نصرت اپنے قوم و قبیلہ کا نام روشن کیا بلکہ اپنی پوری صنف کے وقار کو اقوام عالم کی نظر میں بلند کر دیا ——— آج پیدا ہونے والی بچی کل کی ملکۂ عرب، شہزادیٔ اسلام ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام ہیں۔

عورت ـــــــ بیسویں صدی میں

سائنس اور ایٹم کے عہد ـــــــ کو اپنے اوپر اس لئے ناز ہے کہ اس نے انسانی حیات کے مسائل کی ان گتھیوں کو سلجھا لیا جن کو کسی مذہب وملت اور دین کے کسی رہبر و مصلح نے حل کرنے میں کامیابی نہیں حاصل کی تھی۔ منجملہ ان مسائل کے ـــــــ عورت بھی ایک مسئلہ ہے ـــــــ جس کے لئے پرستاران عصر حاضر کا خیال ہے کہ صنف نازک ـــــــ عورت ـــــــ کے حقوق کی بحالی ان کے وقار کے تحفظ کے لئے جو کچھ ہم لوگوں نے کیا آج تک کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا۔

کامل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عصر جدید صحیح معنی میں عورت کا ہمدرد نہیں ہے اس نے صنف نازک کے حقوق کی محافظت نہیں کی ہے بلکہ ان کے حقوق کو پامال اور ان کے وقار کو خاک میں ملایا ہے اگر یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ عصر جدید اب تک یہی نہیں سمجھ سکا ہے کہ عورتوں کے واقعی حقوق کیا ہیں۔ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جاہلی دور میں جو مظالم عورتوں پر روا رکھے گئے تھے پھر انھیں کا اعادہ عصر جدید کر رہا ہے مگر تھوڑے فرق کے ساتھ۔ یعنی ظلم کے اسلحے نئے ایجاد کر لئے گئے ہیں زمانہ کی ترقیوں کی طرح یہ اسلحے بھی ترقی یافتہ ہیں۔ جاہلی دور میں عورتوں پر جب ظلم کئے جاتے تھے تو عورتیں تڑپتی، روتی اور سسکتی تھیں لیکن اب ان پر

جب ظلم کئے جاتے ہیں تو وہ قہقہے لگاتی، ہنستی اور خوش ہوتی ہیں۔ یہ فرق اس لئے پیدا ہوگیا ہے کہ عصر جدید نے عورت کے احساسات وجذبات کو مردہ کر دیا ہے۔

آزادی کے سبز باغ کے تصور نے بیسویں صدی کی عورت کو ایسا دیوانہ بنا رکھا ہے کہ نہ اس کو اپنی شرم وحیا کا پاس رہ گیا اور نہ ہی اپنی عفت و عصمت کا لحاظ ——— آج تو نہیں لیکن جس روز آج کی عورت کو یہ احساس ہوگا کہ میں عورت نہیں رہی اس دن وہ سر پکڑ کر روئے گی۔ جب عورت خواب غفلت سے بیدار ہوگی جب آزادی کا نشہ ہرن ہوگا اور جب عورت اپنے ہوش میں آئے گی تب اُسے معلوم ہوگا کہ بیسویں صدی نے اسے کیا سے کیا بنا دیا اور اسی دن اسے معلوم ہوگا کہ اس دور کے ہوس پرست مردوں نے اس کا سب کچھ چھین لیا اب وہ کسی کی لاڈلی بچی نہیں، کسی کی پیاری بیوی نہیں اور کسی کی مقدس ماں بھی نہیں رہی ——— تو وہ روئے گی اور پھر وہ روتی ہی رہے گی۔

بیسویں صدی میں عورت کے ذلیل ورسوا کرنے کے جتنے ذرائع ہوسکتے تھے آزمائے جاچکے اور جو باقی رہ گئے ہیں ان پر عمل درآمد میں اب کوئی قابل ذکر تاخیر نہیں رہ گئی ہے ——— غور کیجئے "چراغ خانہ" کو "شمع محفل" بنایا گیا۔ آزادی کے حیلہ سے ان کے ذریعہ سڑکوں، پارکوں، جلسوں کو زینت دی گئی۔ تعلیم کے حیلہ سے انھیں بے پردہ کیا گیا ——— مخلوط تعلیم نے اور غضب کیا کہ ان سے بغیر کسی جبر واکراہ کے حیا و شرم کی

دولت چھین لی ۔ اور سیاست کے شوق نے عورت کو وہاں پہونچا دیا جہاں مرد بھی پناہ مانگ رہا ہے ۔ جو کچھ کمی رہ گئی تھی اس کو کیلنڈروں، اخباروں اور اشتہاروں نے پورا کر دیا ——— ہوائی جہاز سے لے کر صابن تک پر عورت کی تصویر ——— کیا ذلت و رسوائی کی اس کے بعد بھی کوئی منزل باقی رہ جاتی ہے ؟

ایسے بھیانک ماحول اور پُر آشوب دور میں ضرورت ہے کہ ان رہنماؤں اور رہبروں کی سیرتوں کو بار بار زمانہ کے سامنے پیش کیا جائے جو ہمہ گیر افادیت کی حامل اور انسانی فلاح و بہبود کی ضامن ہیں ۔ ایسے انسانوں کی سیرت جن میں کوئی نقص و عیب نہ ہو ہزار چھان پھٹک کے بعد بھی ان میں کوئی عیب نظر نہ آئے بلکہ ہر بار اپنے بے مثل و نظیر ہونے کا ایک نیا یقین دے ایسے انسانوں کی سیرت جو دوست، دشمن، امیر، غریب اور مرد، عورت سب کے لئے یکساں مفید ہو اور ہر جہت سے ہر شخص کے لئے منفعت بخش ہو ۔

یقیناً ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی زندگی ایسی ہی حیات بخش زندگی ہے ۔ آج کی عورتیں جناب خدیجہؑ کی زندگی کا مطالعہ کریں، ان کی سیرت کو بغور پڑھیں اور سیرت کے اس آئینے میں اپنی اپنی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کریں ۔ جناب خدیجہؑ کی زندگی میں ان کی بلند سیرت اور بے مثل کردار کے وہ نقوش موجود ہیں جو طبقۂ نسواں کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں ۔

عورت ——— اسلام کی نظر میں

اسلام نے عورت کے ساتھ حُسنِ سلوک، مروت، محبت اور شفقت کا جو درس دیا وہ بے مثال بھی ہے اور لافانی بھی۔ اس الٰہی مذہب نے عورت کا جس طرح لحاظ کیا اور اس کے حقوق کے تحفظ کے لئے جو ابدی قانون بنا دیا۔ ہر زمانہ میں اقوام عالم کے لئے مشعل راہ ہے۔ عورت کو دیئے گئے۔ اسلامی حقوق و مراعات کی تفصیل قرآن مجید سے لیکر احادیث و تاریخ کی کتابوں تک پھیلے ہوئے ہیں انھیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے حوا کی بیٹیوں کے جائز حقوق کی وکالت دُنیا کی کسی قوم یا مذہب نے نہیں کی۔ اسلام کے پیغمبر نے حقوق نسواں کے قیام کے لئے وہ کام کیا جس کو ان سے پہلے دنیا کے مفکرین و مصلحین کر سکے اور نہ حکماء و فلاسفہ۔ عورت ظلم و ستم کی چکی میں پستی رہی اس کے حقوق پامال و برباد ہوتے رہے لیکن اس کے خلاف ہادیان قوم اور رہبران ملت کو زبان ہلانے تک کی جرأت نہ ہو سکی۔ عورت کے احساسات کچلے جاتے رہے جذبات کو ٹھیس پہنچایا جاتا رہا ——— سارا زمانہ اس کو جانور سمجھتا رہا بلکہ جانور سے بھی پست تر ——— خالق ارض و سما کے تقرب کی راہ میں عورت کو ناقابل عبور خلیج سمجھ لیا گیا تھا۔ عبادتوں کی درستگی کے لئے عورتوں سے کوسوں دُور رہا گنے کی شرط لگائی جاتی تھی۔ اس حق پوشی کی شب تار اپنی درازی میں جب انتہا کو پہونچ گئی اور

باطل کوشی اپنے آفاق تاریک بنا چکا تو یکایک نبوت کا "نیر اعظم" افق مشیت سے عرب کی سرزمین پر اس طرح طالع ہوا کہ چھپی ہوئی حقیقتیں سب بے نقاب ہونے لگیں اور مدفون حقوق خیالی قبروں سے خاک جھاڑ کر سامنے آنے لگے ہر کمزور و ضعیف کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھرنے لگیں اور حقوق، خصوصاً حقوق نسواں کی سحر طالع ہو گئی ۔ انسانیت کا نصف سرمایہ (عورت) جو تغافل کے مقابر کی صورت میں تھا وہ حقوق کی جلوہ بن گیا اور تعلیمات محمدیؐ نے پیکر انسانیت کے اس نصف حصۂ بے جان میں بھی عزت و شرافت کی روح پھونک دی جس سے وہ ہستی جسے عورت کہا جاتا تھا زینت محفل اعتدال بن گئی جس شمع کو ہمیشہ بجھایا گیا وہ انجمن انسانیت کی رونق قرار پائی ۔

محمدی فیاضی نے استبدادی بخل کی آمریت کو توڑ کر مردوں کے ظلم و جور اور نخوت و غرور کے قلعوں کو ہمیشہ کے لئے مسمار کر دیا ۔ بے جا غیرت و خود غرضی کی بستیاں تاراج کر دیں اور عورت کا ستارۂ اقبال اسلامی تعلیمات کی شعاعوں سے جگمگا اٹھا اور یہ جوہر عفت بازار دیانت میں قیمتی قرار پایا ۔ اس کے صفات و کمالات کی داغ بیل پڑی اسلام و ایمان میں عورت کو شرکت کی دعوت دی گئی ۔ اعمال و عبادات اور معاملات میں مناسب و حکیمانہ طریقہ سے اس کو حصہ دار قرار دیا گیا یہاں تک کہ اس کے حقوق کو مردوں کی صفوں کے برابر لاکر کھڑا کر دیا گیا اور اس کی عزت و حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے صنف رجال سے متصل اس کی جماعت کا ذکر قرآن کریم نے کیا ۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین	مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایماندار

والمؤمنات والقانتين والقانتات والصادقين والصادقات والصابرين والصابرات والخاشعين والخاشعات والمتصدقين والمتصدقات والصائمين والصائمات والحافظين فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيرا والذاكرات ۔

(پ ۲۲ ع احزاب ۱۲)

مرد اور ایماندار عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں راستباز مرد اور راستباز عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے ذکر خدا کرنے والے مرد اور عورتیں "

یہ دس درجے بظاہر ایمان کے تھے اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو ہر ایک صفت میں برابر سے شامل کیا اور انعام و اکرام کے سلسلہ میں دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے فیصلہ کیا ۔

اعد الله لهم مغفرة واجرا عظيما ۔

ان (مرد اور عورت) کے واسطے خدا نے مغفرت اور بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے ۔

قرآن مجید نے مرد و عورت کے سلسلہ میں اسلام کی عادلانہ روش کا دوسری جگہ اس طرح اعلان کیا ہے :

للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن۔ (پ ۵ نساء۔۲)	مردوں کو اپنے کئے کا حصہ ملے گا اور عورتوں کو اپنے کئے کا۔

اسلام کی نگاہ میں جو حیثیت مرد کی ہے بعینہ وہی حیثیت عورت کی بھی ہے۔ اگر مرد مسلم، مومن، فرمانبردار، راست گو، صابر، منکسر المزاج، خیرات دینے والا، روزہ دار، عفیف اور یاد خدا کرنے کے لائق تعریف اور مغفرت و اجر عظیم کا مستحق بن سکتا ہے تو عورت کو محروم نہیں کیا گیا بلکہ وہ بھی ان صفات سے متصف ہو کر قابل مدح اور مغفرت و اجرِ عظیم کی مستحق بن سکتی ہے۔ اس طرح اسلام "کرے کوئی بھرے کوئی" کا بھی قائل نہیں ہے بلکہ اس نے صاف اعلان کر دیا کہ "مرد کو اس کے اچھے برے کا اور عورت کو اس کے اچھے برے کا بدلہ دیا جائے گا۔" یعنی اگر برے مرد کی زوجیت میں کوئی اچھی اور نیک کردار خاتون آگئی ہے، تو عورت کے اعمال خیر سے بد اعمال شوہر کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر بری عورت اچھے، خوش کردار اور نیک اعمال مرد کے ساتھ بیاہ دی گئی تو اس بد اعمال عورت کو شوہر کے نیک اعمال میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ قرآن کریم کے اس واضح اعلان نے دُنیا کی ہر خوش فہمی کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا اور جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عورت مرد کا سایہ ہے یا عورت کا حشر و نشر مرد ہی کے ساتھ ہوگا ان کے واہی اور باطل خیالات کے گھروندوں کو بھی مسمار کر دیا۔ قرآن نے دُنیا پر اس ابدی حقیقت کو واضح کر دیا کہ مرد و عورت الگ الگ خود اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں

ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر حقوق کے لحاظ سے کوئی برتری نہیں ہے اس امر کو اسلام کی قانونی کتاب ——— قرآن مجید ——— نے دوسری جگہ اور صاف کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ۔ (پ ۲ البقرہ - ۱۳)	(شریعت کے موافق) عورتوں کا (مردوں پر) وہی سب کچھ (حق) ہے جو (مردوں کا) عورتوں پر ہے ہاں البتہ مردوں کو (فضیلت) میں عورتوں پر فوقیت ضرور ہے۔

فضیلت اپنی جگہ مسلّم لیکن حقوق میں دونوں قطعاً مساوی ہیں۔ چونکہ عورت بہرحال انسانیت و آدمیت کا نصف جز ہے اس لئے مرد کو ہرگز اس کا حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ عورت کو خانگی فتنہ، مہلک سحر اور جہنم کا دروازہ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرے یا اسے ذلیل سمجھ کر انسانی معاشرہ سے علیحدہ کرے۔ اسی حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے بتا دیا کہ تم دونوں کا ایک دوسرے پر حق ہے اور برابر کا حق ہے اس لئے مرد کا عورت کو ذلیل سمجھنے کا مطلب ہے خود اپنے کو ذلیل کرنا۔

مزید حق رسی و حق رسائی اور تشحیذ ذہنی کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔ (پ ۲ البقرہ - ۷)	عورتیں گویا تمہاری چولی ہیں اور تم گویا ان کے دامن ہو۔

اس دوسری تعبیر میں تشبیہ نے مزید فوائد کی طرف اشارہ کیا گویا وہ مرد جو اپنے کو عورت سے بالکل الگ سمجھتا تھا اس کو عورت سے اسی طرح وابستہ

ہونے کی اطلاع دی گئی جیسے لباس جسم سے وابستہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ لباس سے بیگانگی برہنگی ہوگی جو یقیناً بے حیائی ہے اور اس کی نگہداشت اسی طرح کرنا ہوگی جیسے اپنے لباس کی نگہداشت کی جاتی ہے کون نظافت پسند اپنے دامن کو گندگی سے آلودہ ہونا پسند کرے گا۔ اسی طرح عورت کو بھی سمجھا دیا گیا کہ مرد اس کے لئے بمنزلہ لباس ہے عورتوں کو فطرتاً اپنے لباس کا جتنا خیال ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ یعنی مردوں کا خیال کرنا اور کسی قسم کا تکدر نہ ہونے دینا عورت کے فطری محاسن میں شمار کیا جائے گا۔ اسلامی قانون میں مرد اور عورت کا ساتھ چولی دامن کا ہے جس میں ہرگز جدائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

جو مرد عورتوں سے الگ تھلگ یا عورتیں مردوں سے علیحدگی ہی کو ذریعہ تقرب خدا سمجھتی تھیں ان کو صحیح طریقہائے عبادت اور مرتبہ انسانیت کا علم نہیں تھا ان غیر مستحسن طریقوں کی رد کرتے ہوئے اسلام کے برحق و صادق پیغمبر حضور مرسل اعظمؐ نے ارشاد فرمایا لارھبانیۃ فی الاسلام میرے مذہب (اسلام) میں رہبانیت نہیں ہے۔ یعنی سنیاسی، جوگی اور سادھو بن کر پہاڑیوں کی تاریک کوٹھریوں یا جنگلوں میں بیٹھ کر یاد خدا کرنا خاتم النبیینؐ کی نظروں میں غیر معقول طریقہ تھا جن لوگوں کی نظروں میں دُنیا سانپ بچھو یا حیوان مفترس تھی ان کے لئے ارشاد فرمایا الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی دُنیا سے الگ دین کا تصور درست اور صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔

تعدد ازدواج کے سلسلہ میں جن لوگوں نے حضور رسول اکرمؐ پر اعتراض کرنے کی ناکام کوششیں کی ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ شادیاں حضورؐ نے خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر کی تھیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ تعدد ازدواج نبی آخر الزمانؐ کی کامل روحانیت کی بہترین دلیل ہے دُنیا کے لغو تصورات کو خاک میں ملانے اور اُن کے بے بنیاد خیالات و باطل اوہام کو ختم کرنے کے لئے حضورؐ نے بیک وقت نو بیویاں رکھیں تاکہ جو لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ عورت مہلک سحر اور جہنم کا دروازہ ہے یا شر کا سرچشمہ یا عورت تقربِ خداوندی کی نہ عبور ہونے والی خلیج ہے اُن کو بتایا جاسکے کہ تم ایک کے قُرب کو قُربِ خدا کے لئے خلیج کہتے ہو اور میں بیک وقت نو بیویوں کے باوجود قربِ خدا کی اس انتہائی بلندی پر فائز ہوتا ہوں جہاں کوئی نبی بھی نہیں پہونچ سکا۔ اور میں اسی عورت درمیان رہ کر اتنی عبادت کرتا ہوں کہ خود معبود مجھے از راہِ محبت منع کرتا ہے اتنی زیادہ نمازوں کی وجہ سے اپنے کو مشقت میں مبتلا نہ کرو۔

یا یہا المزمل قم اللیل الا قلیلا۔ (پ ۲۹ - مزمل - ۱۲)	(اے میرے) چادر لپیٹنے والے (رسول) رات کو (نماز کے واسطے) کھڑے رہو (مگر پوری رات نہیں) تھوڑی رات۔

عورت عبادت خدا میں بھی مرد کی بہترین ساتھی، معاون اور مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ ہاں اگر مرد ہی شر کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ بن جائے تو اس میں عورت کا کون سا قصور ہے؟

تعدد ازدواج کے اسلامی قانون پر عصرِ جدید ماتم کناں ہے "بیسویں صدی فریادی اور ایٹم کا عہد اشکبار ہے کیونکہ اسے اس قانون سے عورت کے احساسات وجذبات پامال ہوتے نظر آتے ہیں۔"

تاجرانِ عفت وعصمت کو آج عورت کے احساسات وجذبات کا خیال پیدا ہوا لیکن اسی عورت کے ساتھ جب جانوروں کا سا سلوک روا رکھا جاتا تھا تو ان ہمدردوں کا کہیں پتہ نہیں تھا ——— اسلام کو اپنے منصفانہ قانون کا خیال ہے کسی کے غلط احساسات اور لغو جذبات کا وہ پابند نہیں ہو سکتا۔ عورت کے جذبات اسلام کے اس قانون سے پامال ہوں تو ہوں لیکن اسلام ہرگز کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتا تھا جس سے عدل وانصاف کا خون ہوتا۔ صحت مند، تندرست اور توانا مرد کو ایک ہی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دینے کا حکم بہرحال ظالمانہ ہوگا۔ مرد مسلسل ذہنی انتشار اور دماغی کشمکش میں مبتلا رہے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ پورا معاشرہ بھیانک تباہی سے دوچار ہو جائے گا۔ اسلام سے ایسے ظالمانہ وجابرانہ اور خلاف عدالت وحکمت قانون کی توقع نہیں رکھنا چاہیے وہ مذہب عقل ہے اس کا ہر حکم عاقلانہ اور ہر قانون عادلانہ ہوتا ہے ——— اسلام کی مہربانی، رحم وکرم اور لطف واحسان کو فراموش کر کے عورت کے جذبات کی قربانی کا ماتم کرنا یقیناً احسان فراموشی کی ——— ناقابل بیان ——— ذلیل حرکت ہے۔ جاہلی دور میں ایک ایک مرد کے پاس عورتوں کی پوری پوری فوج رہتی تھی جن کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اسلام نے

مرد کے آہنی شکنجہ سے عورت کو آزادی دلائی ——— لیکن اسلام صرف عورتوں ہی کا مذہب نہیں تھا وہ مردوں کا بھی مذہب تھا اس کو مردوں کے احساسات وجذبات، صحت و تندرستی کے خیال کے ساتھ ہی ساتھ سماج کے وقار اور معاشرہ کے تشکلات کا بھی لحاظ تھا ——— اس لئے جہاں عورت کو آزادی بخشی وہاں مرد کے لئے بھی مبنی بر عدل قانون نافذ کیا کہ وہ ایک، دو، تین اور چار بیویاں بیک وقت رکھ سکتا ہے۔ اس میں کوئی خرابی یا قباحت نہیں ہے بلکہ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ایسا قانون بنانا واجب ولازم تھا۔

اب یہ اسلام کا انصاف پرور مزاج ہے کہ اس نے اس قانون کے ساتھ ہی مرد کو پیشتر آگاہ کر دیا کہ

وان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ (پ ۴۔ نساء۔ ۱۲)	اگر تمھیں اس کا اندیشہ ہو کہ تم متعدد بیویوں میں عدل وانصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔

اس عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ چار شادیوں کے اسلامی قانون سے وقار نسواں کو کوئی صدمہ نہیں پہونچ رہا ہے۔ ایسے منصفانہ قانون کے بعد ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کے اس قانون نے عورت کے احساسات وجذبات کو پامال کیا ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قانون نے عورت کے حقوق کا تحفظ اور اس کے وقار کو بلند تر کر دیا ہے۔

عام طور پہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام نے مردوں کو چار شادیوں کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور بعض مسلمان بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں جبکہ حقیقت اس کے

خلاف ہے کیونکہ اسلام نے اپنے قانون "اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کرسکوگے تو بس ایک بیوی پر اکتفا کرو" سے سب کو ایک ہی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے ـــــ ہاں اگر کوئی شخص دوسری شادی کی ضرورت کسی بنا پر محسوس کرتا ہے تو اسلام کا حکم ہے کہ ایک سے چار شادیوں ـــــ جن کے بعد مرد کے جملہ ضروریات زندگی پورے ہو سکتے ہیں ـــــ تک کی ہم اجازت دیتے ہیں لیکن عدل وانصاف کے یقین کی قید کی شرط کے ساتھ اور اگر اس یقین میں ذرا بھی رخنہ پیدا ہو اور اس بات کا اندیشہ بھی ہو کہ ـــــ دو یا چار بیویوں میں ـــــ کسی سبب یا وجہ سے انصاف قائم نہیں رہ سکتا تو ایسی صورت میں ـــــ "فواحدۃ" بس ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے کا شدت سے حکم دیا گیا ہے ۔ اس حکم کے بعد ہر کس وناکس دو، تین یا چار شادیوں کی جرأت ہی نہیں کر سکتا ۔ اور نہ کرنا چاہیئے ۔

تعدد ازدواج پر فاضل معاصر جناب سید مصطفیٰ حسن صاحب رضوی ایڈیٹر اخبار سرفراز لکھنؤ نے اصولی بحث کی ہے موصوف لکھتے ہیں :۔

"عورت کے لئے ایک زوجگی کی زندگی عقلاً بالکل ہی درست ومناسب ہے اور وہ کوئی تکلیف محسوس کئے بغیر ایک شوہر پر بسر کر سکتی ہے مگر مرد کے لئے بسا اوقات یک زوجگی کی حالت میں دن گذارنا انتہائی دشوار ہے اگر مرد تندرست اور صحیح القویٰ ہے تو اسے بیوی کی ہر وقت ضرورت ہے

برخلاف عورت کے کہ اس کے لئے ہر مہینے میں تین دن سے لے کر دس دن تک ایسے آتے ہیں جس میں اسے شوہر کی مطلقاً ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر مہینے ان مقررہ دنوں کے علاوہ اس کی زندگی میں کچھ اور بھی لمبے لمبے وقفے ایسے آتے رہتے ہیں جن میں اس کا مرد سے دُور رہنا ہی ضروری ہوتا ہے ____ چونکہ مرد عورت کی یکجائی کا مقصد صرف حصول لذت ہی نہیں ہے بلکہ توالد و تناسل بھی ہے اور مرد میں عورت کی بہ نسبت صلاحیت تولید بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے مرد کو یک زوجگی کی حالت میں کوئی زیادہ لمبا زمانہ گزارنا سخت دشوار ہوتا ہے" اس کے علاوہ عورت کے لئے ایسے مواقع بھی آتے رہتے ہیں جبکہ وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ وظیفہ زوجگی ادا کر سکے مثلاً زمانۂ حمل، زمانۂ ولادت، زمانۂ رضاعت، زمانۂ حیض و نفاس اور زمانہ علالت اس کے علاوہ کسب معاش کے سلسلہ میں مرد کو بسا اوقات لمبے لمبے زمانے کے لئے زوجہ سے دُور پردیس میں قیام کرنا پڑتا ہے ایسے مواقع پر مرد کو شدید ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کوئی دائمی یا وقتی نکاح کرے"

"مرد کو پہلی بیوی کے حین حیات دوسری شادی کرنا پڑتی ہے مثلاً اگر بیوی بدمزاج، بدسلیقہ، بدزبان اور لڑاکا ہے اور اس نے گھر کو دوزخ بنا کر رکھ دیا ہے ایسی صورت میں مرد اپنے دل و دماغ کو سکون پہونچانے اور غم غلط کرنے کے لئے اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ دوسری شادی کرے اسی طرح اگر بیوی کی صحت خراب ہے اور وہ دائم المرض رہتی ہے یا پہلی بیوی بانجھ ہے اور اس سے اولاد ہونے کی اُمید نہیں تو وہ محض اولاد کی خاطر

دوسری شادی کرتا ہے"۔

(سرفراز خاتم النبیینؐ نمبر ۹۰ص)

اس سلسلہ میں نعیم صدیقی لکھتے ہیں:۔

"تعدد ازدواج کی ایک طرف تو آخری حد (چار تک) مقرر کر دی گئی اور اس کے ساتھ عدل کی بھاری ذمہ داری کا احساس دلا کر یک زوجگی کے حق میں ترغیبی انداز اختیار کیا گیا ..... اس انتہائی گنجائش کی ضرورت بعض اہم وجوہ سے تھی اور رہے گی۔ مثلاً اولین وجہ یہ ہے کہ اسلام شہوت رانی اور بدکاری کا کاملاً استیصال کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے کڑے اہتمام کرتا ہے اور سنگین سزائیں مقرر کرتا ہے ایسے نظام میں ان لوگوں کے لئے راستہ رکھنا ضروری تھا جو جسمانی یا ذہنی ساخت کی وجہ سے تیز جنسی رجحان رکھتے ہوں۔ اس حقیقی ضرورت کو مغربی تمدن میں نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یک زوجگی کے ساتھ نہ صرف داشتائیں رکھنے کی گنجائش نکالی گئی بلکہ قحبہ گری کا نظام بھی قائم ہوا اور اتنا پھیل چکا ہے کہ اس سے نجات پانا مشکل ہو گیا ہے نیز "آزاد محبت" کے نام سے زنا بالرضا کا ایک طوفان اُمڈ رہا ہے۔ اس حالت کو محدود تعدد ازدواج کے اسلامی قانون کے مقابلے میں دیکھئے کون سی صورت بہتر ہے"!

(محسن انسانیت ۲۹۶ص)

کیا بیسویں صدی کو اب بھی شکوہ رہے گا کہ اسلام کا یہ قانون عورت کے احساسات و جذبات کو پامال کرتا ہے۔ مرد عورتوں کا بہرحال نگران اور محافظ

قرار دیا گیا ہے۔ سمجھ میں بات نہیں آئی کہ اگر کسی محافظ کی محافظت میں ایک سے زیادہ دو یا چار اور پناہ گزیں آ جائیں تو جو پہلے سے محفوظ بیٹھا ہے اس کو نئے آنے والے پناہ گزینوں یا محافظ سے کیا شکایت پیدا ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر اس کی محافظت میں ان نئے آنے والوں کی وجہ سے کچھ کمی واقع ہو جائے یا نئے پناہ گزیں اس کے حقِ آسائش و آرام میں مخل ہوں تو ضرور شکوہ شکایت کی بات ہے ——— لیکن اسلام نے پہلے ہی انصاف و عدل کی شرط لگادی تاکہ کسی کا حق پامال نہ ہو۔ اس کے باوجود اگر عورت کے احساسات و جذبات پامال ہوتے ہیں تو یہ عورت کی خودسری اور خود غرضی ہے اس کی دوسری شکل یہی رہ جاتی ہے کہ جو پہلے سے محفوظ و مامون ہے اس کو طلاق کا پروانہ دے کر گھر سے باہر نکال دے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سر چھپانے کا کوئی محفوظ مقام تلاش کرلے یا سرد و گرم زمانہ کے ہاتھوں لٹتی اور زندگی کی کڑی دھوپ میں جھلستی رہے۔ اسلام یہ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ عورت کے حقوق کا محافظ ہے وہ عورت کو خاک سے پاک بنانے آیا ہے وہ وقارِ نسواں کا علمبردار ہے اس کو یہ دیکھ کر دکھ ہوتا کہ عورت دربدری کی ذلت میں مبتلا ہے لہذا اسلام نے اپنا یہ منصفانہ حکم نافذ کرکے مرد و عورت دونوں کے حقوق کی برمحل محافظت کی۔

چار شادیوں کے قانون سے نہ کبھی عورتوں کے احساسات و جذبات پامال ہوئے تھے اور نہ آج پامال ہوتے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عورت کا قدیم دشمن مرد آج بھی اس پر نت نئے ظلم کرنے کے لئے اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ مرد کو معلوم ہے کہ عورت کمزور و ضعیف ہوتی ہے آسانی سے اس کو لوٹا جاسکتا ہے۔ وسرراہ

اس کی عفت و عصمت پر ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے اور اس سے مختلف وعدے وعید کر کے سبز باغ دکھا کر حسب خواہش جس راہ پر چاہیں لے جا سکتے ہیں ـــــ لیکن عورت کو اگر کسی قوی اور طاقتور کی پناہ مل گئی، اس کو کوئی مضبوط اور پُرجگر محافظ و نگراں مل گیا تو ہوس پرست مرد کو عورت پر ظلم کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ـــــ الغرض اسلام نے چار شادیوں کا قانون ـــــ نافذ کر کے عورت کو بوالہوس مرد، لٹیروں کے دست ظلم و تعدّی سے بچا کر مامون و محفوظ کیا اور عدل و انصاف کی بے حد اہم شرط لگا کر عیاشی کی راہ مسدود اور عورت کے وقار و حقوق کا تحفظ و نگہداشت کی ـــــ اسلام نے لامحدود کثرت ازدواج کے پارینہ اصول اور قدیم ترین قانون کو ختم اور اپنا عادلانہ حکم نافذ کر کے آدمیت و انسانیت پر زبردست احسان کیا ہے۔

اگر کوئی عورت اپنی خوش مزاجی، خوش سلیقگی، شیریں کلامی اور اچھے عادات و اطوار سے شوہر کے گھر کو جنت نظیر بنا دے۔ اپنے پھول سے بچوں اور بچوں کے رنگ و موسیقی، شور اور قہقہوں سے شوہر کی ویران زندگی کو سرسبز و شاداب کر دے۔ اپنی پسندیدہ روش، قابل رشک صحت اور اطاعت و فرمانبرداری سے شوہر کے دل و دماغ کو سکون و اطمینان اور اس کی گود کو مسرت و شادمانی کی دولت سے اس طرح مالا مال کر دے کہ اس کو دوسری شادی کا تصور بھی نہ پیدا ہو تو سبحان اللہ ـــــ نیک دل، نیک سیرت، پاکباز، راست گو، خوش خلق، بلند کردار، عالی حوصلہ شہزادی عرب اور محسنۂ اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام اس طرح کی تمام نیک عورتوں کی سرتاج ہیں۔

فضل وکرم، شرافت وکرامت اور عزت وجاہ کے جس مرتبہ پر جناب خدیجہؑ فائز تھیں دُنیا کی کسی اور عورت کا ذکر نہیں ازواج انبیاء بلکہ خود ازواج پیغمبر اسلام میں سے بھی کسی ایک کو اس کی ہوا تک نہیں لگی ۔ ام المومنین جناب خدیجہ نے اپنی خوش سلیقگی اور ہنرمندی، نرمی گفتار اور مستحسن عادات واطوار صبر وشکر، ضبط وتحمل اور علم وحلم، تعقل وتدبر، فکر ونظر اور حزم واحتیاط، وفا وایثار، زہد وقناعت اور اطاعت وفرمانبرداری سے خانۂ نبوت کو رشک جنت بنا دیا اور مرسل اعظمؐ کے دل ودماغ کو بے پناہ صبر، سکون اور اطمینان مرحمت فرمایا۔ اسلام کے نبیؐ کی آغوش رحمت کو نعمت اولاد سے پُر کر کے مسرت وشادمانی کی لازوال دولت عطا کی۔ وہ یاد الٰہی اور اعمال وعبادات میں نبی اکرمؐ کی مونس ومعین بنیں، تبلیغ اسلام کی سخت ترین کٹھنائیوں اور ناقابلِ بیان مصیبتوں میں آپ کی غمگسار ومددگار رہیں ـــــ خدیجۃ الکبریٰؑ نے اپنے قیمتی مشوروں، بہترین صلاح، نصرت وحمایت اور بے پناہ مال ودولت کے ذریعہ کفارِ مکہ کے لائے ہوئے سیلاب وطوفان کا رُخ موڑ دیا اور مرسل اعظمؐ کے لئے تبلیغ کی راہ ہموار کر کے اسلام کو پھلنے اور پھولنے کا موقع فراہم کیا ـــــ کہنے کو تو نبی اکرمؐ کی بیویاں اور بھی تھیں اور یقیناً تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرسل اعظم کی شادی ـــــ جو واقعی شادی تھی ـــــ وہ تو بس ایک ہوئی ـــــ اور وہ ام المومنین خدیجہؑ کے ساتھ ـــــ جو ہر جہت سے مکمل اور کامیاب ثابت ہوئی ۔

کہا جاتا ہے کہ شادی کے وقت مرسل اعظمؐ کی عمر ۲۵ برس اور جناب خدیجہؑ کی

عمر ۴۰ سال کی تھی اس کے باوجود ـــــ زندگی کے آخری تیرہ سال میں بارہ شادیاں کرنے والے نبی اکرمؐ نے ـــــ اپنی زندگی کے نہایت قیمتی اور خوشگوار ۲۵ برس جناب خدیجہؓ کے ساتھ گذار دیئے اور اس عرصہ میں دوسری شادی کا تصور بھی نہ کیا ـــــ ممکن ہے زر پرست اور موقع شناس مورخین اسلام میرا ساتھ نہ دیں لیکن صداقت کا پورا کارواں میری ہی ہمنوائی کرے گا کہ اگر اپنی بیویوں میں نبی اکرمؐ کسی کو بے حد محبوب رکھتے ہوں گے تو وہ ذات بابرکات صرف خدیجہؓ ہی کی ہو سکتی ہے۔

"ام المومنین" کے قرآنی خطاب کی آبرو ہیں خدیجہؓ ـــــ جن کی باوقار شخصیت اور عظیم کردار نے اس خطاب کے بھرم کو ضائع ہونے سے بچا لیا ماتا کی ماری ماں جس طرح روتے اور بلکتے ہوئے بچے کو اپنے حصہ کا لقمہ بھی کھلا دیتی ہے اور خود بھوکی رہ کر بھی مسرور و مطمئن رہتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت و شفقت اور لطف و عطوفت کا مظاہرہ ام المومنین خدیجہؓ طاہرہ نے کیا۔ عرب کی شہزادی نے اپنا پورا سرمایہ اپنے قابل صد افتخار شوہر کے ذریعہ اپنے اسلامی بچوں ـــــ اس کی پرواکئے بغیر کہ ان میں کون فرمانبردار ہوگا اور کون نافرمان ـــــ کو کھلا دیا انھیں آسودہ کر دیا ـــــ اپنی بچی سیدہ زہراؑ کے لئے کچھ بچا کر کیا رکھتیں جب عرب کی اس شہزادی نے خود اپنے کفن کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑا۔

مرسل اعظمؐ کی دوسری بیویاں بھی "ام المومنین" ہیں اور خدیجہؓ طاہرہ بھی ام المومنین ہیں مگر ـــــ جس چیز نے دوسری بیویوں اور شہزادی عرب

خدیجہؓ میں زمین و آسمان کا فرق قائم کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ دوسری بیویاں بیت المال سے ہزاروں روپے ماہوار وظیفہ لے کر ماں بنیں اور ——— عرب کی یہ عظیم شہزادی مسلمانوں کو کروڑوں روپے کھلا کر ام المومنین بنی -

فطرت نے عرب کی اس شہزادی میں جو محاسن اخلاق ودیعت کئے تھے سیدہ خدیجہؓ نے اپنے عمدہ عادات و خصائل کے ذریعہ ان میں چار چاند لگا دیئے اور جب خدیجہؓ ام المومنین بن کر نبوت کے بیت الشرف میں آئیں تو صاحب خلق عظیم سے اس طرح اکتساب نور و ضیا کیا کہ وہ سارے محاسن جگمگا اٹھے - سچ تو یہ ہے کہ قدرت نے سیدہ خدیجہؓ کو عزت و وقار کی جس بلند و بالا اور عظیم کرسی نور پر جلوہ افروز کر دیا ہے انبیاء کرام کی عورتوں کو بھی وہ بلندی نصیب نہیں ہوئی - اور مرسل اعظمؐ نے فضل و شرف اور محبت و الفت کا جو تاج زرنگار سیدہ خدیجہؓ کے سر پر رکھ دیا وہ خود آپ کی بیویوں کو کبھی میسر نہ ہو سکا -

عورت ——— پر مرد کی حاکمیت

مرد و عورت، آدمیت و انسانیت کی گاڑی کے دو پہئے یا آدمیت و انسانیت کے عظیم قصر کے شاندار دروازے کے دو پٹ ہیں۔ قرآن حکیم نے مرد و عورت کے ایک دوسرے پر یکساں اور مساوی حقوق کے اعلان کے ساتھ ہی اس فضیلت کا بھی اعلان کیا ہے جو مرد کو فطرت کی طرف سے ملی ہے۔

وللرجال علیهن درجة واللہ عزیز حکیم۔ (پ ۲ - بقرہ ۱۳۰)	مردوں کو فضیلت یعنی عورتوں پر فوقیت ضرور ہے اور خدا زبردست حکمت والا ہے۔

یقیناً مرد اپنی طاقت و قوت اور مضبوط قویٰ کی وجہ سے اس بات کا مستحق بھی تھا کہ اس کو اس شرف سے نوازا جائے۔ حکمت و عدالت کے اسی فطری تقاضہ کے لحاظ سے اسلام نے مردوں کو عورتوں پر "حاکمیت" عطا فرمائی ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل اللہ بعضهم على بعض۔ (پ ۵ - نساء ۳)	مردوں کا عورتوں پر قابو ہے کیونکہ خدا نے بعض آدمیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

مرد کو صنف ضعیف اور کمزور و بے بس عورت کا نگراں و محافظ بنانا حکمت کے عین مطابق ہے۔ لیکن ہرگز اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اپنے کو عورت کا حاکم اعلیٰ سمجھ کر اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ یہ تصور در اصل اسلام کے بنیادی احکام سے متصادم ہے حاکمیت کے اس بے بنیاد اور باطل تصور سے

اسلام کے قانون حاکمیت کو سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے ـــــ جاہلی دَور میں نہ صرف عرب بلکہ پوری دُنیا کے مرد، عورت کو محکوم محض بنائے ہوئے تھا۔ عورت اپنے باپ اور بھائیوں کی محکوم، شوہر کی محکوم اور شوہر کے بعد اپنی اولاد کی تابع فرمان رہنے پر مجبور رہتی تھی مگر ـــــ اسلامی تعلیمات نے ان ساری جاہلی رسم ورواج کی آہنی دیواروں کو مسمار کر کے عورتوں کو وہ حقوق دیئے جن کی وہ اہل تھیں۔ ایک حد تک اس کے مصالح کے ماتحت محکومیت کی حد میں ضرور رکھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کے لئے حاکمیت کے بھی پہلو نظر انداز نہیں کئے۔ عورت اگر اپنے شوہر کی محکوم بنائی گئی تو اپنی اولاد کے لئے واجب التعظیم بھی قرار دی گئی۔ اگر ایک مورد میں اس کا سر دوسروں کے سامنے جھکتا ہے تو دوسرے مورد میں مرد کا سر اس کے قدم چومتا ہے اس امتزاج کا معقول نتیجہ یہ ہے کہ تعظیم لیتے وقت نفس میں جو غرور پیدا ہوتا ہے وہ تعظیم کرتے وقت زائل ہو کر اعتدال کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو صحیح فطرت کا تقاضہ ہے۔

عورت کو مرد کی نگرانی (حاکمیت) میں اس لئے دیا گیا تاکہ عورت بے خوف وخطر اپنے آئین پر عمل کرنے کا موقع پا سکے کیونکہ مرد اس کا نگراں اور معاون کی حیثیت سے نگہداشت کرتا رہے اور ضعیف قویٰ کی بنا پر جو خطرات پیش آسکتے ہیں ان کا حکیمانہ طور پر ازالہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ عورت کے ہمراہ کوئی صاحب قوت فکر وتدبیر اور عقل وحزم کا پاسبان، شریک حیات رہے ـــــ مرد کی عورت پر حاکمیت کو بے جا تحکم، قاہرانہ تسلط اور جابرانہ ماموریت سے کوئی تعلق نہیں ہے ـــــ بلکہ کمزور کو قوی کا سہارا،

ناتواں کو توانائی کا سرمایہ، متاعِ نفیس کو تاراجی سے بچانا اور استعداد کو بروئے کار لانا انتہائی حکمت اور کمال عدالت کی دلیل ہے اور یہ وہ اساسِ عامہ ہے جو ذی روح کے ہر صنف ازدواج میں جاری و ساری ہے جس پر مشاہدہ اور تجربہ شاہدین عادلین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حیوان کی جس قسم کو بھی لے لیجئے خواہ بہائم ہوں یا سباع چرند ہوں یا پرند سب میں اس فطری ارتباط کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

ذہنوں سے یہ بات نکال دینا چاہئے کہ مرد کی یہ ریاست عورت پر استبدادی ہے —— نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ بنی نوع آدم کی اجتماعی زندگی کو پُرسکون بنانے کے لئے قدرت کا یہ ایک لاجواب نظام ہے جس کے بغیر اگر نہ گھریلو زندگی پُرسکون ہو سکتی ہے اور نہ انسانی معاشرہ کبھی صحت مند ہو سکتا ہے۔

اسلام کی نظر میں مرد و عورت دونوں افراد انسانی ہیں اور انسان کی حقیقی آزادی دونوں میں قدرِ مشترک ہے —— اسلام نے ایک —— مرد —— کو گھر سے باہر کا سلطان بنایا اور دوسرے —— عورت —— کو گھر کے اندر کی ملکہ —— گھر سے باہر عورت کے اکتساب و تصرف کا فریضہ متعلق نہیں ہے اور نظمِ خانہ میں مرد کی مشغولیت کی وجہ سے فرائض، عورت کے سلیقہ پر منتقل کئے گئے ہیں تاکہ حسنِ معاشرت پیدا ہو سکے۔ کیونکہ مرد اگرچہ مالکِ خانہ ہے لیکن امورِ خانہ داری کا اشتغال اس کو دوسرے مہمات سے مانع ہوگا۔ لہٰذا اس کی سہولت کے لئے شریکِ حیات کو اہلِ خانہ بنایا گیا

تاکہ امور معاش ضائع اور برباد ہونے سے محفوظ رہ سکیں اور مرد کی مرضی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے اموال میں عورت ایسا تصرف کرے کہ عورت کا ہنر اور مرد کا وقار محفوظ رہے۔

اب اگر اس ترتیب میں اُلٹ پھیر اور اس نظام الٰہی کو منعکس کر دیا جائے یعنی مرد خانہ نشین ہو جائے اور عورت سر بازار نظر آئے تو جو مصالح عقل وفطرت کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات اور نبوی ارشادات نے قرار دیئے ہیں وہ خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ اس لئے اسلام نے کمزور کو گھر کے اندر بٹھایا اور قوی کو گھر کے باہر۔

یہ بھی ممکن تھا کہ عورت کو گھر کے باہر کیا جاتا اور مرد کو گھر کے اندر بٹھا دیا جاتا۔ مگر عورت کے لئے بعض ایسے مواقع فطرت کی جانب سے پیش آتے رہتے ہیں کہ جن میں اس کا گھر سے نکلنا ممکن نہیں ایسی حالت میں اگر عورت سے بیرون خانہ کے امور وابستہ ہوں گے تو سارے کام تعطل کی نذر ہو جائیں گے۔

عورت میں فطرتاً حیا وشرم کی آمیزش ہے ——— حالانکہ بہت کچھ عصر جدید نے ان میں بے حیائی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ——— شدت حیا اس کی مقتضی ہے کہ عورت کو مرد سے الگ رکھا جائے تاکہ صدف عظمت کا یہ انمول موتی گھر میں رہ کر محفوظ رہ سکے۔

بادی النظر میں جس کو اسیری کہا جاتا ہے وہ حقیقی آزادی کا پیش خیمہ ہے اور جس کا نام قید وبند رکھا جاتا ہے وہ حریت کمال کا میدان ہے

جس میں حجاب، زمین استعداد کو اس طرح سیراب کرتا ہے جیسے بجلی بارش سے اُجڑی ہوئی زمین پر سبزہ لہلہانے لگتا ہے درحقیقت حجاب ایک عقلی صیانت اور جوہر شناسی کی دلیل ہے ــــــ فطرت نے اگر گوہر کو صدف میں نکہت کو محمل گل میں، معانی کو الفاظ میں اور تمناؤں کو دلوں میں نہ چھپایا ہوتا تو عورت بھی بے حجاب ہو کر سر بزم آنے کی مستحق ہو سکتی ۔

عورت وہ حقیقت ہے جو مجموعۂ محاسن اور مرکز جمال ہونے کے علاوہ اپنی عقلی کمزوریوں کی بنا پر قدرت کی فطری امانتوں کی نگہداشت سے پردے اور مرد کے تعاون و تحفظ کے بغیر عاجز ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس انمول موتی کو اسلام نے گھر کے اندر آبروسے بٹھا کر مرد کو اس کا حاکم و نگراں بنا دیا تاکہ اس کی آب و تاب اپنے حدود میں قابل داد ہو سکے اور رقیبانہ نگاہوں سے اس کی دولت حیا تاراج نہ ہو سکے۔ غیرت کا دفینہ اس کی عفت کی پاسبانی میں اس طرح محفوظ رہے کہ دنیا میں وہ نیک نام اور روز جزا خلاق عالم اس حفاظت اور امانت کے عوض بہشت بریں قرار دے ۔

سطحی نگاہیں پردہ کے مسئلہ میں بہت الجھتی ہیں اور اس کا سبب خود ان کا پردہ میں ہونا ہے ورنہ دیدۂ بصیرت سے اگر مادی حجاب اُٹھا دیئے جائیں اور وہ ان اعلیٰ سطحوں کا مطالعہ کر سکیں جن میں حکیم علی الاطلاق کے اوامر کی نورانی جلوہ گاہیں نظر آ سکیں تو وہ اسلامی قوانین اور محمدی آئین کی تصدیق پر مجبور ہوں گے ۔

زمانہ کے تغیرات کے ساتھ مسئلہ حجاب کی تحسین و تقبیح کی معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ اک وہ وقت تھا جب شرفا پردے کو ضروریات میں شمار کرتے تھے۔ ایک یہ وقت بھی آیا جب اس کو طرزِ کہن سمجھ کر نگاہِ زمانہ نے اس پر خطِ نسخ کھینچنے کی کوشش شروع کردی ــــــ لیکن یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ الٰہی مصالح اور اسلامی حقائق انسان کے ذہنی انقلاب کے ساتھ متغیر نہیں ہوسکتے ــــــ محمدی آئین کے حقائق اور اسلامی قوانین کے معارف ایاب و ذہاب اور طلوع و غروب سے کوسوں دُور اپنی اس منزل میں باقی رہیں گے جہاں تھے۔ البتہ انسان ــــــ بالخصوص مسلمان ــــــ کبھی راہ پر آتا ہے کبھی گمراہ ہوجاتا ہے۔

حیدرآباد سندھ

ــــــــــــــ

مخالفتوں کی جھکڑ خیز آندھی اور حالات کی سنگینی کے باوجود اپنی عظیم دانائی و بینائی اور ہوش و گوش سے کام لے کر جنابِ خدیجہؑ نے اسلام کے قوانین و ضوابط کا احترام و اکرام کیا۔ خدیجہؑ طاہرہ نے مرسلِ اعظمؐ کے احکام و ارشادات کی ــــــ ماحول اور حالات کی پروا کیے بغیر ــــــ شدت سے پابندی کی۔ عرب کی اس خود مختار شہزادی نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے کو اسلام کے نورانی اصول و ضوابط کے حوالہ کردیا ــــــ حضور خاتم النبیینؐ کی دوسری بیویاں بھی اسی نبوت کدہ میں آئیں اور رہیں لیکن باوجود فیضِ صحبت اور شرفِ قربت کے وہ راحت رسانی کے بجائے آنحضرتؐ کو مبتلائے مصیبت کرتی رہیں۔ میں ازواجِ نبیؐ کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکتا

بے شک اس میں بڑی حد تک ان عورتوں میں ان کے والدین کی تربیت اور ماحول کی تعلیم کا اثر نمایاں تھا جس کے زائل کرنے پر غالباً ان کو قدرت حاصل تھی اور نہ نبوی ارشادات و اسلامی تعلیمات کے قبول کرنے کی ان میں بھرپور صلاحیت اور استعداد تھی۔ سیدہ خدیجہؓ کے علاوہ دیگر ازواج کے ساتھ نباہ کر لینا اور اپنے مسائل و مصروفیات میں مشغول و منہمک رہنا۔ یہ بھی آپ کی بلند سیرت، اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کا ایک نمونہ ہے۔ نیک سیرت عورتوں کے ساتھ تعلقات کو استوار رکھنا تو ہر شخص کا کام ہے لیکن بُری، بدمزاج، بدزبان، بدسلیقہ عورتوں کے ساتھ نباہ کیسے کیا جاتا ہے سیرت کا یہ پہلو باقی رہ جاتا اگر مرسلِ اعظمؐ نے خدیجہؓ کے علاوہ دوسری عورتوں سے شادیاں نہ کی ہوتیں ——— لیکن بے اندازہ دولت کی مالک ہونے کے باوجود شہزادیٔ عرب نے اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت اور بے پناہ ذہانت و فطانت سے محمدی و اسلامی ارشادات و تعلیمات کو حاصل کر کے مرسلِ اعظمؐ کی زندگی کو باغ و بہار بنا دیا اور اعمال و عبادات سے آنحضرتؐ کے قلب و دماغ کو مسرت، شادمانی اور اطمینان کی ایسی لازوال دولت بخشی جس کو مرسلِ اعظمؐ ساری زندگی یاد کرتے رہے اور ان کی مدح میں عمر بھر رطب اللسان رہے۔

اپنے عظیم شوہر کی شہزادی خدیجہؓ نے کچھ اس انداز سے اطاعت و فرمانبرداری کی اور ان کے احکام کی اس طرح مطیع و منقاد رہیں اور ایسی راحت پہنچائی جس کا لطف حضورؐ تاحیات نہ بھول سکے اور اُٹھتے بیٹھتے اسلام کا پیغمبر عرب کی شہزادی کا قصیدہ پڑھتا رہا۔ یقیناً نبوت کے بیت الشرف سے بے وقار

اور اس کی شان کا ہر کس و ناکس متحمل نہیں ہو سکتا ـــــ "ام المومنین" کے الٰہی و قرآنی خطاب کی عظمت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے ـــــ بے شک بعض ازواج نبیؐ نے بھی اس راستہ کو طے کیا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ازواج کی کثیر تعداد نے راستہ کی دشواریوں سے گھبرا کر اس پر چلنے سے انکار کر دیا اور بعض نے تو اس خطاب کے تقدس کا بھی خیال نہیں کیا ـــــ لیکن خدیجہ طاہرہ علم و عمل، عبادت و ریاضت اور تقویٰ و معرفت کے سہارے پچیس سال تک اس کٹھن اور دشوار گذار راہ پر کمال ثبات قدمی سے چلتی رہیں ـــــ پچیس سال تک نبوی احکام کی تابعداری اور اسلامی حدود کی پابندی کے جو نقوش اور علم و عمل کے جو نمونے خدیجہ طاہرہ نے چھوڑے ہیں وہ قیامت کی صبح تک تابندہ و درخشندہ رہیں گے۔ سیرت خدیجہؓ کے یہ مثالئے ہر دور میں صنف نسواں کے لئے لائق اتباع اور قابل افتخار ہیں۔

اسلام کا نظامِ عدل و مساوات

اسلام نے عورت کو وہ جملہ حقوق دیئے جن کی وجہ سے عورت ، عورت رہ کر اپنی تکمیل کر سکے نہ اس قدر آزادی دی کہ عورت اپنے اندر مردانہ پن پیدا کر کے اپنے کمالات خلقی و طبعی کھو بیٹھے اور نہ اس قدر مقید و پابند اور اسیر بنایا کہ وہ اپنے فطری کمالات سے محروم ہو جائے اور یہ عقل و فطرت کے مطابق ہے جس سے کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا ۔

پوری کائنات انسانی کا سماج عورت کو آدمی ہی نہیں سمجھتا تھا تو بھلا وہ اس کو میراث کیا دیتا ----- لیکن حقوق نسواں کے محافظ اسلام نے اس سلسلہ میں پوری عدالت سے کام لیا اور اس کے حقوق کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے اپنے مبنی بر عدل قانون کا اعلان کیا :

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه اوكثر نصيبا مفروضا ۔

(پ ۴ - نساء ۱۲)

ماں باپ اور قرابتداروں کے ترکہ میں کچھ حصہ خاص مردوں کا ہے اور اسی طرح ماں باپ اور قرابتداروں کے ترکہ میں کچھ حصہ خاص عورتوں کا بھی ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ ہر شخص کا حصہ (ہماری طرف سے) مقرر کیا ہوا ہے ۔

اسلام نے عورت کو باپ کے گھر سے دختری اور شوہر کے ہاں میراث

دلائی - اور اس سلسلہ میں اس نے ایک بنیادی قانون یہ بنایا کہ

للذکر مثل حظ الانثیین۔ | مرد کو عورت کے حصّہ کا دوگنا ملے گا۔
(پ ٦ - المائدہ ۲)

چونکہ مرد عورت کے امور کا والی اور اس کے ضروریات کا متکفل ہوتا ہے اندر سے باہر تک کے تمام اخراجات اور گھر کی ساری ذمہ داریوں کا بار مرد ہی کے اوپر ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر مالدار عورت مر جائے جب بھی کفن مرد ہی پر واجب ہے اس لئے میراث کی اس اسلامی تقسیم کو ہر عورت بخوشی قبول کرلے گی کیونکہ اس کو اس بات کا احساس ہے کہ اسلام نے باپ کے گھر سے لیکر شوہر کے گھر تک میراث دلائی یعنی آمدنی ہے اور خرچ ندارد تو ایسی صورت میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا ملنا ہی چاہیئے۔

مرد کو عورت پر جو حاکمیت عطا کی گئی ہے اس کا تمام تر مقصد یہ ہے کہ مرد عورت کا محافظ و نگراں بنا رہے۔ مرد کو ہرگز اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے کہ اس کو عورت پر جو حاکمیت عطا کی گئی ہے اس کی صورت مالک و مملوک اور آقا و کنیز کی سی ہے۔ جاہلی دور میں بات کچھ ایسی ہی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تھی جس کو اسلام کے نظام عدل و مساوات نے ختم کیا ہے۔ جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود جاہلی تصورات کے حامل ہیں وہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مخلص اور اسلام کے قانون کے غدار ہیں۔ اسلام نے ان تمام طاقتور کلائیوں کو مروڑا ہے جن کی آہنی گرفت میں عورت کا وقار دم توڑ رہا تھا۔

معمولی معمولی باتوں پر عورت کو ملزم گردانتا، ان پر ظلم کرنا اور گھر سے نکال دینا عام بات تھی مرد کے اس متشددانہ طرز عمل اور بہیمانہ رویّہ کے خلاف نہ کوئی داد تھی نہ فریاد۔ کون تھا جو طاقتور ـــــ مرد ـــــ کو نظر انداز کر کے کمزور و بے سہارا ـــــ عورت ـــــ کی نصرت کرتا۔ مبعین چپ تھے، مصلحین خاموش تھے ـــــ جب بولنے والوں کے ناطقے بند تھے تو اسلام اس جمود و جمود کی کیفیت کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھا مرد کے دست ظلم و تعدی سے عورت کو آزادی دلائی۔ اس کے حقوق معین کئے، میراث میں اس کا حصہ دلایا ـــــ اسلام نے ظلم کرنے والے مرد کو اس بات کی آگاہی دی کہ عورت تمھاری کنیز یا زرخرید باندی نہیں ہے تم دونوں نکاح ـــــ کے مقدس رشتہ میں منسلک ہو ـــــ لہٰذا اس شریف معاہدہ کے تحت جو حق تمھارا عورت پر ہے وہی حق عورت کا تم پر ہے۔ اگر کسی وجہ سے تم دونوں میں شکر رنجی یا تو تو میں میں ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی قوت وطاقت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عورت کو گھر سے نکال دو یا اس پر کسی اور طرح کے ظلم و ستم کرو۔ جب معاہدہ ـــــ عقد ـــــ میں تم دونوں کی حیثیت تقریباً برابر ہے تو جابجا تو طور پر اس کے ساتھ تمھیں زیادتی کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا جب کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو تو ہمارا قانون یہ ہے کہ

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما	اگر تمھیں میاں بیوی کی پوری نا اتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے

من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ و بینہما ان اللہ کان علیما خبیرا ۔
(پ ۵ - نساء ۳)

اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں ثالث دونوں میں میل کرا دینا چاہیں تو خدا ان دونوں کے درمیان اس کا اچھا بندوبست کردے گا۔ بے شک خدا واقف و خبردار ہے ۔

اسلام نے نزاعی مواقع پر مرد کو کسی امر کا حق دیا اور نہ کسی آخری فیصلہ کا مختار بنایا بلکہ اس کے فیصلہ کے لئے دو ثالث تجویز کئے۔ ثالث بھی ایسے نہیں جو مرد کے طرفدار ہوں بلکہ اس میں قید لگا دی کہ ایک مرد کا ثالث ہو اور ایک عورت کا۔ تاکہ طرفین میں کوئی کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ کر سکے ۔ اور اس طرح رفع اختلاف اور دفع نزاع کے بعد تحکیمین کے ذریعہ معاہدہ عقد کی از سر نو تجدید ہو جائے ۔۔

اگر حالات کی سنگینی ایسا رُخ اختیار کرلے کہ نزاع میں شدت پیدا ہوتی چلی جائے اور مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں جب بھی مرد عورت کے ساتھ کوئی نامناسب رویّہ نہیں اختیار کر سکتا۔ ہاں اسے اس بات کا اختیار ضرور دیا گیا ہے کہ وہ معاہدہ —— عقد —— کے ختم کئے جانے کا اپنی طرف سے اعلان کردے اور عورت کو مطلع کردے کہ زندگی کے بقیہ سفر میں اب وہ اس کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ شریعت کی زبان میں اس اعلان —— ختم معاہدہ عقد —— کا نام طلاق ہے۔ طلاق کے بعد

مرد و عورت دونوں ہی آزاد ہیں

وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ وکان اللہ واسعا حکیما۔

(پ ۵۔ نساء ۱۹)

اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو خدا اپنے وسیع خزانے سے (فراغ بالی عطا فرماکر) دونوں کو (ایک دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا اور خدا بڑی گنجائش رکھنے اور تدبیر کرنے والا ہے۔

طلاق کا حق صرف مرد کو ہے۔ لیکن عورت بھی اس حق کو حاصل کر سکتی ہے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ بوقت معاہدہ ——— عقد —— کرنے والے شوہر سے یہ حق لے لے کہ ہم جب چاہیں گے آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ اسی طرح اسلام نے عورت کو خلع کا بھی حق دیا ہے جو چند شرائط کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ غرض کہ اسلام نے عورت کو مرد کی محکومی میں دے کر اسے بے دست و پا یا اسیر محض نہیں بنایا ہے بلکہ اس کی آزادی و مختاری کا بہر حال خیال کیا ہے۔

جب مرد عورت کو کسی مجبوری کے باعث طلاق دیدے تو اس کا دشمن نہ ہو جائے، اس کو تکلیف دینے یا صدمہ پہونچانے کی کوشش نہ کرے، کسی طرح بھی اس کی ذلت و رسوائی کا خواہاں نہ ہو بلکہ مہر و مروت اور انسانی محبت و شفقت کا ہر آن لحاظ رکھے ——— قرآن کا فرمان ہے:

وللمطلقت متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔

اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ سلوک کرنا لازم ہے و

(پ ۲ - بقرہ ۱۵)	پرہیزگاروں پر ایک حق ہے ۔

اسلام نے عورت کے ساتھ جس حسن سلوک ، محبت و شفقت اور انسانی ہمدردی کا درس دیا ہے اس کا ایک فی صدی حصہ بھی دنیا کے کسی مذہب و ملت میں نظر نہیں آتا ۔

بیوہ عورتوں کی زندگی موت سے بدتر ہوتی تھی ، وہ منحوس ، چڑیل اور جانے کیا کیا کہی اور سمجھی جاتی تھی لیکن اسلام نے اس عام ذہنی وبا اور بدزبانی پر شدید پابندی عائد کی ۔ مرد کے سماجی بندھنوں سے اس کی آزادی رائے اور اختیار خصوصی کو متاثر نہیں ہونے دیا ۔

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف ۔ (پ ۲ - بقرہ ۱۴)	پھر جب عدت کی مدت پوری کرلیں تو شریعت کے مطابق جو کچھ اپنے حق میں کریں اس بارے میں تم پر کوئی الزام نہیں ہے ۔

یعنی عدہ کے زمانہ کے بعد عورت کو قطعی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے سر چھپانے کی کوئی عمدہ اور آرام دہ منزل تلاش کرے ، اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے ایسا شوہر منتخب کرے جو اس کی خزاں رسیدہ زندگی کو پھر سے سرسبز و شاداب کر سکے ۔ بے جا غیرت و حمیت اور ناقابل برداشت عزت و شرافت کے جہل و لاطائل تصورات کو پامال کرنے کا اسلام نے عورت کو پورا پورا حق دیا ہے ۔ عورت کے اس اقدام پر مرد اپنے آپ کو ملزم نہ سمجھے اس لئے

کہ وہ جو کچھ کر رہی ہے شریعت کے دیئے ہوئے حقوق کے دائرہ میں رہ کر کر رہی ہے۔ اسلام بے جا غیرت وحمیت اور جھوٹی عزت و شرافت کا کبھی خیال نہیں کرتا وہ انسانی آرام و آسائش اور معاشرہ کی فلاح و بہبودی چاہتا ہے۔ انسانیت کو سکون تب ملے گا اور معاشرہ تب صحت مند ہوگا جب بیوہ عورت کو دربدری کی ذلت و رسوائی سے نجات دلاکر کسی گھر کی مالک بنا دیا جائے۔

وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم۔

(پ ۱۸ - نور - ۱۰)

اور اپنی (قوم کی) بے شوہر عورتوں اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دیا کرو اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو خدا اپنے فضل سے انھیں مالدار بنا دے گا اور خدا بڑی گنجائش رکھنے والا اور واقف کار ہے۔

مسلمانوں کو دیدۂ بصیرت وا کر کے قرآن مجید کے اس فرمان کو پڑھ کر عمل کرنا چاہئے اپنی جھوٹی عزت کے خیال کو ترک اور بیجا ضد اور ہٹ دھرمی سے توبہ کر کے عقد بیوگان کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے۔ عزت و شرافت یہ نہیں ہے کہ مجبور و بے کس عورت کے جذبات و احساسات کو بے جا غیرت وحمیت کے ہتھوڑوں سے قیمہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں آسودگی نفس کی طمع اگر عورت کو کسی غلط راستہ پر ڈال دے تو اس کی تمامتر ذمہ داری جھوٹی عزت کے لالچی مرد کے سر عائد ہوگی ——— یہ صحیح ہے کہ مرد بھی اپنے ماحول اور سماج کے غیر انسانی قانون و آئین سے مجبور ہے ——— لیکن یہ ماحول اور

سماج مردوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اس کے بدلنے کی ذمہ داری بھی مرد ہی کے سر عائد ہوتی ہے ——— پھر یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ ایک طرف سماج کا غیر انسانی قانون اور اس کے مقابلہ میں آدمیت و انسانیت کے تقاضے کے ساتھ اسلام عقد بیوگان کا حکم دے رہا ہے ایسی صورت میں مسلمان کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ سماج اور معاشرہ کا ساتھ دے گا یا آدمیت و انسانیت اور اسلام کے محترم فرمان و قانون کا ؟

مرسل اعظمؐ نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کو عمل کی زبان عطا کر دی اسلام کے فرمان کو "قول" کی منزل سے ہٹا کر "عمل" کے میدان تک پہونچا دیا ——— شہزادی عرب جناب خدیجۃ الکبریٰؑ کے علاوہ اسلام کے پیغمبر نے بارہ عورتوں سے عقد کیا۔ جن میں چند کنیزیں تھیں چند مطلقہ اور بقیہ ساری بیوہ تھیں۔ ان کنیزوں، مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے شادیاں کر کے حضور مرسل اعظمؐ نے ان کو مومنین کی ماں بنا کر ام المومنین کا قرآنی خطاب بخش دیا ——— اب یہ ان ازواج کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس خطاب کے تقدس کو باقی رکھیں۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ چکے ہیں کہ خاتم النبیینؐ کی شادی تو بس ایک، شہزادی عرب ——— خدیجۂ طاہرہ ——— کے ساتھ ہوئی جو ہر نوع اور ہر جہت کامیاب رہی۔ اس کامیاب شادی کے پچیس۲۵ برس بعد ——— جبکہ مرسل اعظمؐ کی عمر پچاس سال کی تھی ——— شہزادی خدیجہؑ نے

انتقال کیا۔ اور اس کے بعد ہادی اکبرؐ کل تیرہ برس اس دُنیا میں اور زندہ رہے اس تیرہ برس میں یکے بعد دیگرے بارہ شادیاں کیں اور ایسا بھی وقت آیا ہے جب بیت الشرف نبوت میں بیک وقت نو بیویاں موجود رہیں لیکن وہ سکون وہ اطمینان اور وہ مسرت یہ بارہ بیویاں نہ دے سکیں جو سکون و اطمینان اور مسرت مرسل اعظمؐ کو اپنی مرحومہ رفیقۂ حیات ـــــــ خدیجۂ طاہرہؑ ـــــــ سے نصیب ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ اپنی زندگی کے عزیز ترین اوقات میں جناب خدیجۂ کا ذکر جمیل کرتے رہتے تھے ـــــــ بار بار ہادی اکبرؐ کی زبان پر خدیجۂ کا ذکر ہمیں یہ محسوس کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ انھوں نے مکارم اخلاق محاسن عادات، سچی محبت و الفت، اطاعت و فرمانبرداری اور بے پناہ خدمات کے جو نقوش اپنے عظیم شوہر کے دل و دماغ پر اُبھارے ان نقوش کو زمانہ کے سرد و گرم اور گردش لیل و نہار نہ مٹا سکے اور بارہ بیویوں کی مجموعی "خدمتیں" بھی ان نقوش کے برابر اپنا کوئی دوسرا نقش نہ اُبھار سکیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ مرسل اعظمؐ کی شادی بس ایک ہی [illegible] کی پُرسکون و مسرت بخش اور مبارک یاد کو آنحضرتؐ ساری عمر اپنے سینے سے لگائے رہے۔

یہیں سے اُبھر کر یہ حقیقت نگاہوں کے سامنے آتی ہے کہ خدیجۂ طاہرہ کے انتقال کے بعد مرسل اعظمؐ نے جو دوسری شادیاں کی ہیں ان کی غرض و غایت وہ نہ تھی جو کسی شادی کی ہوتی ہے بلکہ وہ حسب الٰہی مصلحت اور نبوی بصیرت کے تحت کی گئی تھیں ـــــــ فاضل معاصر نعیم صدیقی صاحب نے اپنی عمدہ تالیف "محسن انسانیت" میں اس مصلحت و بصیرت کو لفظ سیاست سے

تعبیر کیا ہے۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں :

"حضورؐ نے ایک اقدام یہ بھی فرمایا کہ مکہ کے سردار اعلیٰ ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہ جوڑا۔ یہ شادی بڑا اہم سیاسی نتیجہ رکھتی تھی" (محسن انسانیت ۵۰۳ طبع دوم دہلی ۱۹۶۵ء)

بے شک مرسل اعظمؐ دینی قیادت کے ساتھ ساتھ ابھرتی ہوئی ایک نئی اسلامی حکومت کے رئیس اعلیٰ بھی تھے اس لئے با اثر قبائل کی توجہات کو اپنے اعلیٰ اخلاق، نورانی اصول، بلند کردار اور صالح اعمال و عبادات کی طرف مبذول کرانا تھا۔ تاکہ اسلام کی تبلیغ میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو اور سیلاب تبلیغ کفر و شرک کے مضبوط قلعوں کو بھی زمین دوز کر دے ——— اور ان شادیوں کی سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ عورت کے حقوق و وقار اور عظمت نسواں کو اتنا محکم، پائدار اور سربلند کر دیا جائے کہ آئندہ پھر کبھی زمانہ عورت کو ناپاک، جہنم کا راستہ، مہلک سحر، شر کا سرچشمہ، رنگین بلا اور خدا سے دور کرنے والا نہ سمجھے۔ چونکہ آپ حقوق نسواں کے سب سے بڑے علمبردار تھے اور آپ کی ذات عورت کے لئے سب سے بڑی دادرس اور فریادرس تھی اس لئے قول و عمل ——— دونوں ہی طرح کے دستاویز اور دستور العمل کی سخت ضرورت تھی چنانچہ ہادی اکبرؐ نے قرآن و احادیث کو علمی دستاویز اور اسوۂ حسنہ اور سیرت پاک کو عملی دستور العمل کی شکل دے کر حقوق نسواں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ——— عمر کے آخری تیرہ سال میں بارہ شادیاں کر کے حضورؐ نے یہ ثابت کر دیا: اسلام خیالی حقائق کا مجموعہ نہیں ہے

آپ کے قول و فعل کی ہم آہنگی اس بات کی بھی ضمانت ہے کہ اسلامی قوانین و آئین قابلِ عمل ہیں۔

اگر الٰہی مصلحتوں، محتاج کنیزوں، لاوارث بیواؤں اور غریب و بیکس و نادار عورتوں کا خیال اور ان کے حقوق کا حضورؐ کو پاس و لحاظ نہ ہوتا تو شہزادی خدیجہؓ کے بعد آپ ہرگز کوئی عقد نہ فرماتے۔ عمر کے آخری پر از مصائب و آلام اور مشغول ترین زندگی میں بارہ شادیاں کر کے آپ نے عورت کے لئے قانون اور شرعی حد بندی کی، مرد و عورت کے رشتوں کے تقدس کا اعلان کیا اور اس نظامِ عدل و انصاف کو دُنیا کے سامنے پیش کیا جس کے بعد قیامت تک کسی دوسرے قانون و نظام کی ضرورت محسوس نہیں کی جا سکتی۔

باپ کی مدخولہ جو اولاد کی سوتیلی مائیں تھیں اکثر قوموں اور فرقوں میں یہ ہوتا رہا کہ باپ کے بعد وہ اولاد کی زوجیت میں لائی جاتی تھیں اسلام نے اس منحوس رسم و رواج کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اس موقع پر متعصب مسیحی مورخ ولیم میور بھی فرطِ مسرت سے جھوم گیا چنانچہ ایک مقام پر اسلام کے اس احسان کا یوں اقرار کرتا ہے:۔

"محمد صلعم نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے چھڑا دیا وہ یہ تھی کہ بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کا وارث ہوا کرتا تھا۔"

یقیناً اسلام کے اس عظیم احسان کو دُنیا کا کوئی ذی عقل و ذی ہوش اور شریف و غیرت مند انسان فراموش نہیں کر سکتا —— یہ اسلام ہی کی طاقت

قوت تھی کہ اس نے ماں کے احترام واکرام اور تقدس کی حفاظت کی۔ اسلام نے نہ صرف ماں کے تقدس کو بچایا اور باقی رکھا بلکہ جذبہ تقدس میں اس نے اور بھی عظمت پیدا کردی ——— عورت کے وقار کی معراج اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ عورت جس کو جہنم کا دروازہ کہا اور سمجھا جاتا رہا ہے اسلام نے اس کے قدموں کے نیچے مردوں کو جنت کا پتہ بتایا ہے۔

ازواج نبیؐ کو قرآن مجید نے "ام المومنین" قرار دیا ہے جیسا کہ قرآن کا بیان ہے:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔ (پ ۲۱ - احزاب ع۱)	نبیؐ مومنین سے خود ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر ان پر حق رکھتے ہیں اور ازواج نبیؐ ان اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

اسلام کی قانونی کتاب ——— قرآن مجید ——— نے ازواج نبی کریمؐ کو مومن مردوں کی مائیں بنایا ہے وہ مومنہ عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔ چنانچہ صاحب بحر المحاحل لکھتے ہیں کہ

واختلف ھل کن امھات النساء المومنات کالرجال والصحیح لا۔ فقد روی الشعبی عن مسروق ان امرأۃ قالت لعائشہ یا اماہ	اختلاف اس بارے میں ہے کہ ازواج نبیؐ مومنہ عورتوں کی بھی مائیں ہیں جیسے کہ وہ مومن مردوں کی مائیں ہیں؟ مگر صحیح بات تو یہ ہے کہ وہ مومنہ عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔ چنانچہ مسروق سے شعبی روایت بیان کرتے ہیں

فقالت لست لک بام انما انا ام رجالکم۔
(بہجۃ المحافل جلد ۵ صفحہ ۳۹۹)

کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ کو پکارا "اے اماں" تو حضرت عائشہ نے اس کو تنبیہ کیا کہ میں تیری ماں نہیں ہاں تیرے مردوں کی ماں ہوں؟

ازواج نبیؐ کو مومن مردوں کی ماں اس لئے بنایا گیا تاکہ طلاق یا وفات نبیؐ کے بعد کوئی شخص ان سے شادی نہ کر سکے۔ یہ بات وقار رسالت اور عظمت نبوت کے سراسر منافی تھی کہ زوجۂ نبی کریمؐ بیت اشرف نبوت سے نکل کر کسی کلمہ خواں کی ماتحتی میں رہے۔ آپ کی حیا اس امر کو کبھی برداشت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے قرآن مجید نے قانون بنا دیا:

ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما۔ (پ ۲۲۔ احزاب ۴)

تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد تم ان کی بیویوں سے نکاح کرو بیشک یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔

امکان تھا کہ قرآن مجید کے اس واضح اعلان اور صریح قانون کے بعد بھی کوئی ایسا بدبخت پیدا ہوتا جو حکم قرآن کی مخالفت کر بیٹھتا۔ اس لئے ازواج نبی کریمؐ کو ساری امت کے مردوں کی مائیں بنا دیا گیا تاکہ اس امکان کی بھی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ اس موقف میں شیخ عامر عثمانی مدیر رسالہ تجلی دیوبند بھی ہمارے ہمنوا ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"اللہ نے انھیں (ازواج نبیؐ کو) اُمہات المومنین فرمایا
رسولؐ کا جو درجہ ہے اس کا تقاضہ یہی تھا کہ اس کی بیویاں امت کے
ہر فرد کے لئے اس آخری عظمت و تقدیس کا مرجع و ماویٰ ہوں جس سے

اگر کسی عظمت وتقدیس کا تصور مرد اور عورت کی دو مختلف جنسوں میں نہیں کیا جا سکتا شاید نہیں بلکہ یقیناً ماں ہی وہ آخری عورت ہے جس کی بارگاہ میں مرد کی جبلت جنسی وشقی رخ بلا دو تعقل کا آخری درجہ اختیار کر لیتی ہے اور پاکیزگی وحرمت کے جذبات میں ہوا وہوس کی کوئی رمق شامل نہیں ہو پاتی اس طبعی ونفسی حقیقت کے تحت اللہ نے ازواج مطہرات کو اُمہات المومنین کے لقب سے نوازا اور ان کی کرامت وتقدیس پر آخری مُہر لگادی۔

(رسالہ تجلی دیوبند بابت ماہ مارچ ۱۹۶۰ء)

قانون بنانے کے بعد جس موہوم خطرہ کا امکان تھا ——— ازواج کو "ام المومنین" بنا دینے کے بعد اس خطرہ کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا ——— لیکن مسلمان اپنی ذہنی پستی اور حیوانیت کا وہاں بھی مظاہرہ کرتا ہے جہاں پاکیزگی وحرمت کے جذبات میں ہوا وہوس کی کوئی رمق شامل نہیں ہو پاتی ——— مشہور صحابی طلحہ کی گستاخی ملاحظہ ہو:

عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم فی قولہ تعالیٰ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ۔ قال نزلت فی طلحہ بن عبید اللہ لانہ قال اذا توفی رسول اللہ تزوجت عائشہ۔ (تفسیر درمنثور از علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۵ سورہ احزاب طبع مصر ۱۳۱۴ھ)

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ جب طلحہ بن عبید اللہ نے (اپنے بیہودہ اور بے حیا ارادے کا اظہار کیا اور) کہا کہ جب رسول اللہ کا انتقال ہو جائے گا تو میں عائشہ کے ساتھ نکاح کروں گا تب آیت اُتری "تمہارے واسطے جائز نہیں ہے کہ رسول خدا کو اذیت دو"

اسلام نے عورت کو جس سخت اور ناگوار قباحت سے آزادی دلائی اور مرد کو جس منحوس راہ اور بے حیائی سے منع کیا حضرت طلحہ اس پر عمل کرنا چاہتے تھے اس سلسلہ میں انھوں نے مرسل اعظمؐ کا پاس و لحاظ کیا اور نہ آدمیت و انسانیت کا۔

مجھے سخت تعجب اور بے انتہا حیرت تو ام المومنین حضرت عائشہ کی متضاد حیا و غیرت پر ہے، کہاں وہ حیا و غیرت کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے ساری عمر اس لئے خفا رہیں کہ انھوں نے واقعہ افک میں آنحضرتؐ کو یہ رائے کیوں دی کہ

"یا رسول اللہ عورتوں کی کمی نہیں آپ اس کے بجائے دوسری بیوی کر سکتے ہیں یوں آپ لونڈی کو بلا کر تحقیق فرمالیں۔

(سیرت ابن ہشام منقول حسن انسانیت از نعیم صدیقی ص۳۳)

اور کہاں یہ حیا و غیرت کہ طلحہ ——— جس نے حضرت عائشہ کے بارے میں شدید گستاخی اور دریدہ دہنی کر کے مرسل اعظمؐ کو اذیت پہونچائی تھی ——— کے ساتھ اور اس کے اشتراک و تعاون سے جنگ جمل کے محاذ پر تشریف لے گئیں؟

طلحہ نے اگر اس قسم کی گستاخی دنیا کی کسی اور عورت کے لئے کی ہوتی تو وہ ساری زندگی اس کا نام بھی سُننا گوارا نہ کرتی چہ جائیکہ اس کے ساتھ اشتراک و تعاون ہمدردی و مواسات اور اتنا طویل راستہ اس کی رفاقت و ہمراہی میں طے کرنا ——— یقیناً یہ عالی ظرفی ام المومنین حضرت عائشہ ہی کر سکتی تھیں ———

اس واقعہ کے بعد ہمیں یہ طے کرنا پڑا کہ اس دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے

انسدادِ دختر کُشی کا اسلامی قانون

اس میں دو رائے نہیں کہ عرب متضاد صفات کا مالک تھا ــــــ عرب بہترین مہمان نواز اور عمدہ امانتدار تھا وہ خود دار بھی تھا غیرت دار بھی وہ فیاض بھی تھا اور بہادر بھی ــــــ اور ان خوبیوں کے ساتھ اس میں خرابیاں بھی بہت زیادہ تھیں۔ وہ صد درجہ غیر مہذب اور غیر متمدن تھا وہ وحشی اور جنگلی تھا۔ لُوٹ مار، قتل وغارت، حرب وضرب اور جنگ وجدال اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

چنانچہ عورت کے مسئلہ میں بھی عرب اس متضاد نظریہ کا مالک تھا۔ عربوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ اکثر انھوں نے عورت کی فریاد پر خون کے دریا بہائے ہیں، اس کی عفت وعصمت کی محافظت میں عربوں نے سر دھڑ کی بازی لگائی ہے اگر کسی عرب کا کوئی دشمن اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر جان بچانے کے لئے بھاگتا ہو تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ہمارا دشمن ہے جو عورت کے روپ میں بھاگ رہا ہے اس پر حملہ کرنا عربی حمیت کے خلاف تھا ــــــ لیکن یہی عرب عورت کے حق میں بے حد ظالم، جابر، سفاک اور خونخوار بھی تھا ــــــ بس انتہا یہ ہے کہ عرب پھول سی بچیوں کو زندہ نہیں دیکھ سکتا تھا اور اپنے ہی جگر کے ٹکڑوں کو اپنے ہی ہاتھوں زندہ درگور کرتا تھا صد حیف ظلم وشقاوت کی

——— کہاں وہ غیرت وحمیت اور کہاں یہ درندگی وبہیمیت ؟

عرب فطرتاً باحمیت اور غیرت دار ہوتے تھے غیرت وحمیت کی زیادتی و افراط نے عربوں کو اس ظلم وشقاوت پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو پیوند خاک کر دیا کریں۔ کیونکہ ان کی زندگی جنگ وپیکار کی زندگی تھی جس میں ان کی عورتیں بھی محاذ جنگ پر ان کے ہمراہ ہوا کرتی تھیں شکست کے بعد فاتح مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز بناتا تھا۔ یہ منزل یقیناً عربی حمیت کے منافی تھی نہ صرف یہ بلکہ کسی کو اپنا داماد بنانا بھی عربی غیرت کے مزاج پر سخت بار تھا اسی لئے جب کسی عرب کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو کبھی سخت غم وغصہ اور برہمی کا اظہار کرتا اور کبھی غم وغصہ سے دیوانہ ہو کر اس کو دفن ہی کر دیتا تھا ——— اس بیجا غیرت اور غلط حمیت کا ذکر قرآن مجید یوں کرتا ہے:۔

واذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشر به أيمسكه على هون ام يدسه فى التراب ألا ساء ما يحكمون ۔

(پ ۱۴ - النحل ۱۴)

جب ان میں سے کسی ایک کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جائے تو رنج کے مارے اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے جس کی اس کو خوشخبری دی گئی ہے اس کی وجہ سے اپنی قوم کے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے (اور سوچتا رہتا ہے کہ) اس کو ذلت اٹھا کے زندہ رہنے دے یا (زندہ ہی) اس کو زمین میں گاڑ دے دیکھو تو یہ لوگ کس قدر برا حکم لگاتے ہیں !!

بے شک حد سے بڑھی ہوئی غیرت نے عربوں کو سنگدل، قسی القلب اور شقی بنا دیا تھا۔ لیکن بچیوں کے درگور کرنے کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ وہ بے حد غیرت دار اور باحمیت تھے بلکہ تنگدستی کے خوف اور مفلسی کے خطرے کی وجہ سے بھی وہ ایسا کرتے تھے اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو لڑکیوں پر کچھ خرچ کرنا مال کی بربادی سمجھتے تھے۔ قرآن مجید ان اشقیا کو ان کے اس مجنونانہ فعل سے منع اور رزق کے بارے میں اطمینان بخش وعدہ کرتے ہوئے اس عمل کو سخت ترین گناہ بتاتا ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأ کبیرا۔
(پ ۱۵ - بنی اسرائیل ۴)

مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو (کیونکہ) ان کو اور تم کو (سب کو) ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ بے شک اولاد کا قتل کرنا بڑا سخت گناہ ہے۔

مال کا شیدائی بلکہ پجاری عرب یہ چاہتا تھا کہ ہمارا مال بچیوں پر خرچ نہ ہو کیونکہ بچیاں ایک نہ ایک دن بہرحال دوسروں کے گھر چلی جائیں گی۔ کٹھور عرب پھول سی بچی کو دفن کر کے مال بچا رہا تھا۔

حیدر آباد لطیف آباد یونٹ نمبر ۸ C1

قرآن مجید کا تبصرہ ملاحظہ ہو:۔

قل لو انتم تملکون خزائن رحمة ربی اذا لامسکتم خشیة الانفاق وکان الانسان قتورا۔
(پ ۱۵ - بنی اسرائیل ۱۱)

(اے رسول ان سے) کہو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے بھی تمہارے اختیار میں ہوتے تو بھی تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے (ان کو) بند رکھتے اور آدمی بڑا ہی سنگدل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مالدار اور متمول عرب گھرانوں میں بھی دختر کشی کی منحوس رسم جاری تھی غرض کہ پورا عرب معاشرہ دختر کشی کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا۔ یہ ظلم کوئی غیرت کے دباؤ سے کر رہا تھا کوئی مفلسی کے خوف سے اس ظلم پر عامل تھا اور کوئی جمع مال کی محبت میں اپنے دامن کو معصوم بچیوں کے ناحق خون سے رنگین کر رہا تھا۔

اسلام نے حکیمانہ انداز سے عربی غیرت کو اعتدال کی منزل پر پہونچایا۔ ان کے دلوں سے مفلسی کے خوف کو دُور کیا اور عورت کو باوقار اور محترم بنا کر ان کے مقابلہ میں مال کو حقیر ثابت کیا۔ آخرت کا یقین دے کر جنّت و نار کے وجود کو برحق بنا کر دختر کشی کو "بہت بڑا گناہ" بتایا ــــ پہلے عرب پر اور پھر آہستہ آہستہ تعلیمات اسلامی پوری دُنیا پر چھا گئے۔

عرب جاہلی دَور میں جب بدترین سنگدلی اور شقاوت کا مظاہرہ کر رہا تھا تو کچھ ایسے بھی تھے جو اس جاہلی دَور میں بھی خلیلیؑ تہذیب اور ابراہیمیؑ تمدن کا چراغ روشن کئے تھے اور کچھ ایسے تھے جو اس چراغ سے کسب ضیا کر رہے تھے۔ ہاشمی خاندان کے بزرگ خلیلیؑ و ابراہیمیؑ تہذیب و تمدّن کے ورثہ دار تھے اور خویلد تین پشت اوپر اسی خاندان سے آکر مل جاتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ ابراہیمی ورثہ داروں سے جُدا ہونے کے بعد بھی خویلد خاندان نے اپنی خاندانی شرافت و نجابت اعلیٰ اخلاق صالح کردار اور صحت مند عادات و خصائل کو ہر دَور میں باقی رکھا۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم جناب ابوطالب علیہ السلام کے

پڑھے ہوئے خطبۂ نکاح کے جوابی خطبہ کو دیکھتے ہیں جو جناب خدیجہؑ کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ اور جس کا ثبوت ہمیں پیغمبر اسلام کی زبان فیض ترجمان سے ملتا ہے جب وہ خدیجۂ طاہرہ کو "نجیب ترین عورت" کہتے ہیں ——— ان خاندانوں میں عورت کو زبردست حقوق و مراعات حاصل تھے اور اس کا پاس و لحاظ کیا جاتا تھا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عملاً بھی ان امور کی تعلیم دینی تھی جس کو قرآن مجید نے قانون کی شکل دی ہے تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ اسلام صرف بہترین قوانین و آئین کا مجموعہ ہی نہیں وہ عمل کے میدان کا غازی بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عملی تعلیم کے لئے بھی عرب کی اسی شہزادی ہی کا انتخاب کیا۔ جاہلی دور میں بھی جس کا خاندان عزت و شرافت کا گہوارہ رہا ہے یعنی خدیجۂ طاہرہ کی آغوش میں شہزادیٔ نور معصومۂ عالم تشریف لائیں۔ خدیجہ طاہرہ کی سب سے چھوٹی اور آخری اولاد فاطمہ زہراؑ ماں کی آغوش محبت کی تب زینت بنیں جب ایک ایک کرکے آپ کے سارے بھائی اس دنیا سے اٹھ چکے تھے۔ سیدہ زہراؑ صرف پانچ سال کی ہو پائی تھیں کہ ماں کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئیں۔ اب مرسل اعظمؐ ہی سیدہ زہراؑ کے توجہات کا مرکز رہ گئے تھے انھیں کے سایۂ رحمت میں شہزادیٔ نور کو ماں کی محبتوں کا لطف بھی ملتا تھا، باپ کی شفقتوں کا مزہ بھی ——— دنیا سمجھ رہی تھی کہ نبی کریمؐ کی گود میں ایک بے ماں کی بچی پرورش پا رہی ہے۔ مگر دین آواز دے رہا تھا کہ بانیٔ اسلام کی آغوش میں قرآن کے آئین تربیت پا رہے ہیں اسلام کے قوانین پل رہے ہیں مرسل اعظمؐ سیدہ زہراؑ کی پرورش کے ذریعہ آئین و قوانین کو عملی شکل دے رہے تھے

عورت کی عظمت اور حقوق نسواں کے وقار کو سربلند کر رہے تھے ——
—— نبی کریمؐ اپنی گود میں پیار و محبت سے اپنی بچی کو اٹھاتے، سینہ پر لٹاتے اور پہروں اس کی میٹھی میٹھی باتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے —— باہر سے گھر میں آتے تو سیدہؑ کی باتوں سے جی بہلاتے —— یعنی قولی تبلیغ سے فرصت پاتے تو عملی تبلیغ میں مصروف ہو جاتے —— اس طرح حضورؐ عرب کے سنگدلوں کو دعوت فکر و نظر دیتے کہ دیکھو بچی اس محبت و شفقت کی سزاوار ہے۔ سیدہ زہراؑ سے باپ کو اس لئے بھی بیحد اُنس تھا کہ وہ باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں —— لیکن بیحد انس اور بے پناہ محبت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سیدہ زہراؑ کفار مکہ کے طعنوں کا جواب تھیں، زخم دل پیغمبر کا مرہم، قرآن کی مصدق اور سورۂ کوثر کی جیتی جاگتی تفسیر تھیں —— پیغمبر اسلام سیدہ زہراؑ کے آرام و راحت کا اس طرح خیال کرتے جیسے کہ باشفیق باپ اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے کرتا ہے بلکہ اس سے بھی کئی ہزار درجہ بہتر۔ ساری دنیا کو عموماً اور عرب کو خصوصاً اس بات کی طرف متوجہ کرتا تھا کہ لڑکیوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو ان کی عظمت بہترین سلوک بے پناہ محبت و شفقت اور مروت و احسان کی مستحق ہے۔

مرسل اعظمؐ کی خدمت میں شب و روز ایک سے ایک بڑے آدمی آتے رہتے تھے لیکن آج تک آپ کسی کی تعظیم کو کھڑے نہیں ہوئے لیکن جب سیدہ زہراؑ دربار نبوت میں تشریف لائیں تو حضورؐ تعظیم سیدہ زہراؑ کے لئے کھڑے ہو جاتے ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے ——

گرانی پلۂ عصمت میں اتنی تھی کہ دیکھا ہے
پئے تعظیم اُٹھ جاتا تھا وزنِ مرسلِ اعظمؐ (کاملؔ مرحوم)

کیا کسی مرد کی بھی اس طرح ہادیِ اکبرؐ نے تعظیم کی؟

تبلیغِ اسلام اور مرسلِ اعظمؐ کی پچیس سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ بابصیرت انسان کو ہر ہر قدم پر خدیجہ طاہرہؑ کی یاد دلائے گا۔ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے لئے خدیجہ طاہرہؑ کا انتخاب قدرت نے اسی لئے کیا تھا کیونکہ خدیجہؑ طاہرہؑ کے بغیر اسلامی اصول تو ہوتے مگر گونگے۔ اسلام اپنے آئین مرتب تو کر لیتا لیکن خدیجہؑ طاہرہ کے تعاون کے بغیر ان کی تکمیل ناممکن تھی۔ اسلام اپنے قوانین بھی منظم کر لیتا لیکن خدیجہ طاہرہؑ کے معاونت کے بغیر ان کی تبلیغ مشکل تھی۔ پیغمبر اسلامؐ تبلیغ کے لئے میدانِ عمل میں آ بھی جاتے لیکن ہمدرد و غمگسار اور معین و مددگار کوئی نہ ہوتا۔

خدیجہ طاہرہؑ نے پیغمبر اسلامؐ کو بے اندازہ دولت دے کر فکرِ معاش سے آزادی دلوائی۔ اپنی نصرت و حمایت اور کلمات تسلی و تشفی کے ذریعہ حضورؐ کے عزم و ارادے میں ازدیاد تقویت کا باعث ہوئیں مسلسل پچیس سال تک نبوت و رسالت کی عزیز ترین رفیقۂ حیات رہیں۔ حضورؐ کی مسرت و شادمانی اور دُکھ درد میں برابر کی شریک اور آپ کے رنج و غم میں مددگار و غمخوار رہیں۔ اسلام کی بنیادی تعمیر میں حصہ لیا۔ تبلیغ کے لئے سہولتیں پیدا کیں۔ خدیجہ طاہرہؑ کی محنتوں نے اسلام کو سرسبز و شاداب کیا ان کی ریاضتوں نے اس کو پھولنے پھلنے کا موقع فراہم کیا۔ اسلام و ایمان خدیجہ طاہرہؑ کے ممنونِ کرم

ہیں ان پر خدیجہ طاہرہ کا لطف و احسان ہے ـــــــ شہزادی خدیجہؑ وہ خوش قسمت خاتون ہیں عرب و عجم میں جن کا کوئی ثانی نہیں ۔ اللہ نے ان کو وہ مرتبہ عظیم مرحمت فرمایا جس کی گرد کو پہونچنا بھی نا ممکن بلکہ محال ہے ۔ اللہ نے عرب کی شہزادی ـــــــ خدیجہ طاہرہ ـــــــ کی گود کو شہزادی نور ـــــــ سیدہ طاہرہ ـــــــ سے زینت دی ۔ جو عظمت اسلام اور وقار نسواں کا عنوان قرار پائیں ۔ خدیجہ طاہرہ کو حضرت علی ابن ابی طالبؑ جیسا داماد ملا ـــــــ جنھوں نے اسلام کے گیسوؤں کو سنوارا ، حق کی ڈوبی ہوئی نبضوں کو اُبھارا ـــــــ شہزادۂ صلح ـــــــ حضرت امام حسن علیہ السلام اور ـــــــ شہید اعظم ـــــــ حضرت امام حسین علیہ السلام جیسے نواسے ملے ـــــــ جنھوں نے اسوۂ رسالت اور سیرت نبوت کا تحفظ کیا ـــــــ خدیجہ طاہرہ کو حق نے زینبؑ و ام کلثومؑ سی نواسیاں مرحمت فرمائیں ـــــــ جنھوں نے اپنے جذبۂ ایثار و وفا اور صبر و ضبط سے عرب کی شہزادی کی یاد تازہ کر دی ـــــــ سیدہ خدیجہ نے اسلام کو گیارہ معصوم رہبر دیئے ۔ قرآن کو محافظ دیئے ، کعبہ کو نگراں دیئے ، منبر نبیؐ کو خطیب دیئے ، جنت کو سردار دیئے ۔ اور آج بھی اسلام کی سرسبزی و شادابی خدیجہؑ ہی کے لال کے دم سے قائم ہے ۔

ؔ
سرِ فہرست صداقت ترا نام آج بھی ہے
تیرا فرزند زمانے کا امام آج بھی ہے (پیامؔ اعظمی)

خدیجہ طاہرہ کو اسلام سے وہی ربط اور تعلق ہے جو روح کو بدن سے معانی کو الفاظ سے اور آب کو موتی سے ہوتا ہے ۔ سیدہ خدیجہؑ کو الگ کر کے اسلام

جسد بے روح، لغو الفاظ کا لاطائل مجموعہ اور بے آبرو ہو جائے گا۔ لاریب اسلام خدیجہؑ طاہرہ کے گھر کے عمل اور قرآن اسی شہزادی کے گھر کی زبان کا نام ہے جس کے تذکرے کے بغیر اسلام کی تاریخ ہمیشہ ناقص، نامکمل بلکہ مہمل رہے گی۔ جناب ابوطالب علیہ السلام کی شان میں لکھے ہوئے ایک پورے بند کو میں سیّدہ خدیجہؑ کے لئے بھی بہت موزوں پا رہا ہوں ؎

حشر تک زندہ و پائندہ رہے گا تیرا نام — تیرے اسلاف پیمبر تھے تو اخلاف امام
تیری قربانی کے ہر نقش کو حاصل ہے دوام — جس کا آغاز براہیمؑ تو شبیرؑ انجام

وہ تھے عنوان سفر اور یہ تیری منزل ہے
تیرے ماضی سے بھی روشن ترا مستقبل ہے

(پیام اعظمی)

شہزادی عرب ـــــ ایک مثالی خاتون

عالم کی تاریخ میں ان عورتوں کی اچھی خاصی تعداد ہے جو اپنے عظیم کارناموں سے زندۂ جاوید ہوئیں اور اپنے قومی و ملکی خدمات کی وجہ سے وہ اس بات کی مستحق بھی تھیں کہ ان کے ذکر سے تاریخ کے صفحات کو زینت دی جائے۔
لیکن سب سے عظیم ہے وہ عورت جو اپنے کردار سے روحانیت کو سربلند کرے۔ اپنی گود کے پروردہ بچوں کو اعلیٰ اخلاق سے سنوار کر ایسی نسل تیار کرے جس پر آدمیت کو فخر اور انسانیت کو ناز ہو اور دین و مذہب کی ایسی علمی اور عملی خدمت کرے جس کے اثرات تا دیر اس دُنیا میں باقی رہیں ـــــ
مذہب کی تاریخ میں ایسی عورتوں کی بھی خاصی تعداد موجود ہے ـــــ
جناب ہاجرہؑ والدہ جناب اسمٰعیلؑ ذبیح ـــــ جناب آمنہؑ خاتون والدہ معظمہ جناب مرسلِ اعظمؐ ـــــ جناب فاطمہ بنت اسد والدہ مکرمہ جناب امیرالمومنینؑ ـــــ ام المومنین جناب ام سلمیٰؓ اور ان کے علاوہ بھی اسلام کے دامن میں ایسی خواتین کے تذکرے موجود ہیں جن پر آدمیت و انسانیت ہی کو نہیں خود دین و مذہب کو بھی ناز ہے۔
لیکن پوری دُنیا میں ایسی عورتیں صرف چار ہی گذری ہیں جو اپنے بہترین عادات و خصائل اعلیٰ خدمات اور عظیم قربانیوں کی وجہ سے مرسلِ اعظمؐ کے انتخاب پر پوری اُتریں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر نساء العالمین اربع مریم بنت عمران وابنۃ مزاحم امرأۃ فرعون وخدیجۃ بنت خویلد وفاطمۃ بنت محمدؐ ۔

(استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد۴ ص۳۸۳ طبع اول مصر ۱۳۲۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عالم کی تمام عورتوں میں (سب سے) بہتر چار عورتیں ہیں (۱) مریم بنت عمران (۲) آسیہ بنت مزاحم زن فرعون (۳) خدیجہ بنت خویلد اور (۴) فاطمہ بنت محمدؐ۔

اس حدیث کو دُنیا کے سارے دیانتدار علماء اسلام اور محققین مذہب نے تسلیم کیا اور اپنی کتابوں میں اسے نقل کیا ہے ۔ صاحب استیعاب نے اس حدیث کو استیعاب کے اندر آٹھ طریقوں سے نقل کیا ہے ۔ اگر کسی کو حدیث کے مضمون پر اعتراض ہو تو اس کو آج نہیں محشر میں پیش گاہ نبوت سے جواب ملنے کی توقع رکھنی چاہیئے ۔

ان منتخب عورتوں میں شہزادی عرب خدیجہ طاہرہؑ کے نام کے ساتھ ان کی گود میں پلنے والی شہزادی نور فاطمہ زہراؑ کا بھی نام موجود ہے ۔ پوری نسل انسانی میں جن چار عورتوں کا انتخاب کیا گیا ہے ان میں دو ایک ہی گھر کی ہیں ، ماں بیٹی ہیں ——— اس لحاظ سے خدیجہ طاہرہؑ کا نام اس انتخاب میں بھی بیحد روشن نظر آتا ہے ۔ اگر شہزادی خدیجہؑ اس بات پر فخر کریں تو ان کو حق حاصل ہے اس کا جواب نہ جناب مریمؑ کے پاس ہے اور نہ جناب آسیہؑ کے پاس ۔ خدیجہ طاہرہؑ کے اس شرف کا جواب جب

خود منتخب خواتین کے پاس نہیں ہے تو اب طبقہ اناث میں کون ہے جو فضل و شرف میں خدیجۃ الکبریٰ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے ——— اس کی توقع ازواج رسولؐ ہی سے کی جا سکتی تھی لیکن نبی کریمؐ نے اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کیونکہ منتخب عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ کسی دوسری بیوی کا نام ہی نہیں لیا۔ بزم ازواج میں کوئی دوسری بیوی بھی مثل خدیجہؑ ہوتی تو آنحضرتؐ ضرور اس کا نام لیتے۔ فیصلہ آسان ہے کہ دوسری کوئی بیوی ایسی تھی ہی نہیں۔

جناب خدیجہؑ اس لئے مثالی خاتون ہیں کہ آپ کے اندر وہ تمام محاسن اخلاق موجود تھے جو کسی عظیم و کامل انسان کے لئے ضروری ہوتے ہیں ——— اس کے علاوہ جناب خدیجہؑ اس لئے بھی مثالی خاتون ہیں کہ ان کی شخصیت میں ایک ایسی عورت کا پتہ ملتا ہے جس میں عورتوں کے ان خصوصیات کا ——— جن کی وجہ سے وہ اکثر ذلیل و رسوا ہوتی رہتی ہیں ——— قطعی کوئی اثر بلکہ شائبہ تک نہیں ملتا۔

یقیناً اس کے ذکر کے بغیر جناب خدیجہؑ کی تاریخ کا حق ادا نہیں ہوگا۔ کسی بڑے آدمی کی بیوی بننے سے کوئی عورت محترم نہیں ہوتی۔ احترام کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں تب ہی پیدا ہوتا ہے جب اس کے بلند کردار سے لوگ متاثر ہوں۔ جناب خدیجہؑ کے وقار، بزرگی اور احترام کا راز یہ نہیں ہے کہ آپ دنیا کے سب سے عظیم شوہر کی بیوی تھیں ——— یہ شرف تو تمام ازواج کو نصیب ہوا لیکن کسی کو یہ وقار و احترام نصیب نہیں ———

حقیقت یہ ہے کہ خدیجۃ الکبریٰؑ کا وقار ان کا ذاتی تھا، ان کی عظمت کا راز ان کی بلندی کردار اور عالی حوصلگی میں پوشیدہ تھا۔ جناب خدیجہؑ کی ذات ستودہ صفات ان تمام معائب سے پاک وصاف تھی جو عموماً تمام عورتوں میں کم وبیش پائے جاتے ہیں اور جن ——— معائب ——— کو لوگ نسوانی صفات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شہزادی خدیجہؑ کی زندگی کا یہ بہت روشن پہلو ہے جو آپ کی رفعت شان اور عظمت کا حامل ہے۔

بے جا غیرت وحمیت۔ جذبہ منافست اور رشک وحسد کا مادّہ جو عورتوں میں پایا جاتا ہے ان کا شہزادی خدیجہؑ کی سیرت میں دُور دُور پتہ نہیں ملتا پچیس سال کے عرصہ میں محبوب شوہر سے ایک بھی جا و بے جا فرمائش نہیں کی۔ دولت کا حصول ایک حد تک آسان ہے لیکن دولت کو برمحل خرچ کرنا انتہا سے زیادہ دشوار ہے۔ جناب خدیجہ نے پردہ کی پابندی ——— جس کا اس وقت میں رواج تھا ——— کرتے ہوئے اتنی دولت حاصل کی کہ "ملیکۃ العرب" کہلائیں اور خرچ اس طرح کیا کہ زبان وحی کو قصیدہ پڑھنا پڑا۔ بناؤ سنگھار کے بے جا شوق میں کسی فضول خرچی اور اسراف کی مرتکب نہیں ہوئیں کسی عورت پر آوازہ نہیں کسا، کسی کی پھبتی نہیں اڑائی، کسی کا مذاق اڑایا اور نہ کسی کے ساتھ استہزاء کے ساتھ پیش آئیں ——— خدیجہ طاہرہؑ کی یہ نمایاں خوبیاں آپ کی زندگی میں تب بھی تھیں جب آپ "ملیکۃ العرب" تھیں اور یہ خوبیاں تب بھی تھیں جب آپ "ام المومنین" کہلائیں۔ جناب خدیجہؑ کی پُر وقار شخصیت پر نہ دولت کا کوئی اثر ہوا اور نہ حکومت واقتدار کا یعنی وہ ہر حال میں

یکساں رہیں ان کی زندگی میں کوئی تموج نہیں پیدا ہوا، انھوں نے کبھی کسی کو ذلیل نہیں سمجھا، کسی کو حقارت سے نہیں ٹھکرایا۔ ان خصوصیات کی مالک جناب خدیجہؓ تب بھی تھیں جب "شہزادیت کے تخت" پر متمکن رہیں اور یہ خصوصیات آپ کی زندگی میں تب بھی نمایاں رہے جب آپ "ام المومنین" کا خطاب پاکر زوجیت نبوت کی مقدس مسند پر فائز ہوئیں۔ شہزادی خدیجہؓ نے شروع ہی سے اپنے کو ایک مثالی خاتون بنانے کی کوشش کی تھی جس میں وہ کامیاب ہوئیں انھوں نے اپنے کو بالکل ویسا ہی بنایا تھا جیسا ایک ام المومنین اور زوجۂ رسولؐ کو ہونا چاہیئے۔

اوپر ہم نے جن عیوب کی فہرست پیش کی ہے ان میں ناز و ادا اور بات بات پر موقع بے موقع شوہر سے روٹھ جانا اور بے جا مانگ کا بھی اضافہ فرمالیں ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان عیوب کو کسی اور نظر سے دیکھنے کی وجہ سے محاسن سمجھ کر ان کو عورتوں کے خصوصیات میں شامل کرنے پر زور دیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بھی انسانی کردار کی "بیماریاں" ہیں ——"

بزم ازواج میں بھی ان جراثیم کا پتہ ملتا ہے اور بعض ازواج کا نام تو اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے۔ ازواج ایک دوسرے سے جلتی تھیں، آوازے کستی اور مذاق اڑاتی تھیں۔ ایک دوسرے کا پتہ کاٹنے کی مختلف تدبیریں کرتیں، حضورؐ کو بدظن کرنے اور چھڑانے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف مختلف جائز و ناجائز حیلے کرتیں۔ اپنی باری میں یہ گوارا نہ کرتیں کہ

کسی اور بیوی کے ہاں سے حضورؐ کے کھانے کے لئے کوئی چیز آئے اور اگر کبھی ایسا ہوا تو وہ پیالہ بھی توڑ دیا گیا جس میں وہ چیز آئی تھی۔ ان میں تُو تُو مَیں مَیں سے بڑھ کر بات ہاتھا پائی تک بھی پہونچ جاتی تھی۔ کوئی کسی پر اعتماد نہیں کرتا اور بے اعتمادی کی یہ حد ہو گئی کہ بعض ازواج کو خود حضورؐ پر بھی اعتماد نہیں رہ گیا تھا۔ چھپکے چھپکے جاسوسی کی جاتی اور رات کو حضورؐ کا تعاقب کیا جاتا۔ ان ازواج میں بھی دو باقاعدہ پارٹیاں قائم ہو گئی تھیں۔ ایک کی لیڈر حضرت عائشہؓ تھیں اور دوسری کی ترجمان اُمّ سلمہؓ۔

وہ پارٹی جس کی لیڈر عائشہؓ تھیں اس نے رسول اللہ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے نان و نفقہ میں اضافہ کیا جائے کیونکہ اس سلسلہ میں انھیں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے ضروریات زندگی کے لئے ناکافی ہے آہستہ آہستہ اس مطالبہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ اس کی شکل "ہڑتال" "مرن برت" یا "گھیراؤ" کی ہو گئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ صاحب خلق عظیم نے ایک ماہ کے لئے ان بیویوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس قسم کی باتیں تو عام عورتوں کے لئے بھی نامناسب اور قابل مذمت ہیں پھر وہ عورتیں قرآن نے جنھیں ام المومنین کے مائیہ ناز خطاب سے سرفراز کیا ہے انھیں اس قسم کی باتیں کب زیب دے سکتی ہیں۔ ازواج رسولؐ کے ان تکلیف دہ افعال پر قرآن نے سخت برہمی اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

یا یھا النبیی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن و	اے رسول اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم فقط دنیاوی زندگی اور اس کی آسائش و زینت کی خواہاں ہو تو ادھر آؤ میں تم لوگوں کو

اسرحکن سراحا جمیلا ۔ (پ ۲۱ - احزاب ۱۹)	کچھ سازوسامان دیدوں اور شائستہ عنوان سے رخصت کردوں ۔

لہجہ میں مزید غیظ وغضب پیدا کرتے ہوئے قرآن مجید ازواج رسولؐ سے خطاب کرتا ہے ۔

یانساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین ۔ (پ ۲۱ - احزاب ۱۹)	اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کسی صریحی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہوئی تو اس کا عذاب بھی دگنا بڑھا دیا جائے گا ۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ازواج رسول ، نبوت کے شرف قربت سے قطعی فیضیاب نہیں ہوسکیں ان میں بدستور جاہلی عادات واطوار موجود تھے ۔ قرآن نے ان کے ان حرکات وسکنات کی سخت مخالفت اور ممانعت کرتے ہوئے شدت سے مذمت کی ہے ۔

یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی ۔ (پ ۲۱ - احزاب)	اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی سی تو ہو نہیں (پس) اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو (اجنبی آدمی سے) بات کرنے میں نرم نرم (لگی لپٹی) بات نہ کرو تا کہ جس کے دل میں (شہوت ... کا) مرض ہے وہ (کچھ اور) آرزو (نہ) کرے اور (صاف صاف) شائستہ عنوان سے بات کیا کرو ، اپنے گھروں میں

(پ ۲۱ - احزاب ۱) | تم گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔

قرآن کا یہ بے لاگ بیان اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ اس قسم کی بیویاں ہرگز نبوت کے تعلیمات سے بہرہ یاب نہیں ہوئی تھیں۔ نبوت سے اکتساب نور کے بجائے وہ بھرپور جاہلی دور کی شیدائی اور اسلامی نظام سے متنفر تھیں ——— بعض بیویاں جیسے جناب ام سلمہؓ اور بالخصوص جناب سودہؓ نے وفات مرسل اعظمؐ کے بعد نبوت کے بیت الشرف سے قدم باہر نہیں نکالا بلکہ مرنے کے بعد ان کی لاشیں ہی حجرہ سے باہر نکلیں۔ لیکن افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ بعض بیویوں نے قرآن مجید کے اس واضح حکم اور مرسل اعظمؐ کی مخالفت کی۔

حضرت عائشہ اور ان کی ساتھی بیویوں نے دوسری ازواج کے تقدس کو بھی نقصان پہونچایا ہے اس لئے کہ عام طور سے ان آیات کو پڑھ کر یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ساری بیویاں ایسی ہی ہوں گی حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے اور غالباً مزاج و کردار کے اسی تضاد کی بنا پر ازواج میں دو پارٹیاں قائم ہو گئی تھیں ——— جس پارٹی کی لیڈری حضرت عائشہ فرماتی تھیں یہ "محیر العقول" کارنامے اسی پارٹی کے ہیں۔ ان میں بھی حکومت کی بیٹیوں ——— حضرت عائشہ و حفصہ ——— کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں ——— ان "محترم خواتین" کی جسارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ موقع بموقع مختلف طریقوں سے آنحضرتؐ کو تکلیف دیا کرتی تھیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کا ایک بیان اور ملاحظہ ہو:

واذ اسر النبی الی بعض | اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیوی (حفصہ)

ازواجه حدیثا فلما نبات به واظهره الله علیه عرف بعضه و اعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباك هذا! قال نبانی العلیم الخبیر۔

(پ ۲۸ - تحریم ۱۹)

سے چپکے سے کوئی بات کہی پھر جب اس نے (باوجود ممانعت) اس بات کی (عائشہؓ کو) خبر دیدی اور خدا نے اس امر کو رسول پر ظاہر کر دیا تو رسول نے (عائشہؓ کو) بعض بات (قصہ ماریہ) بتا دی اور بعض بات (قصہ شہد) ٹال دی غرض جب رسول نے اس واقعہ (حفصہ کے افشائے راز) کی اس (عائشہؓ) کو خبر دی تو (حیرت سے) بول اٹھی آپ کو اس بات (افشائے راز) کی کس نے خبر دی رسول نے کہا مجھے بڑے واقف کار و خبردار خدا نے بتا دیا۔"

دنیا کی معمولی عورتیں بھی اپنے شوہروں کی وفادار ہوتی ہیں ان کے ہر اچھے بُرے راز کو پوشیدہ رکھتی ہیں ——— لیکن حضرت عائشہ و حفصہ ——— جنھیں نبوت کی زوجیت کا شرف حاصل تھا ——— نے عام انسانی قدروں کی بھی پروا نہیں کی اور ایک نے دوسرے سے ممانعت کے باوجود حضورؐ کے راز کا تذکرہ کر دیا ——— یہ دونوں بیویاں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا تو ہے نہیں جو اس کی اطلاع حضور کو دے لیکن انھیں غالباً یہ معلوم نہیں تھا کہ خدا بہرحال اپنے نبی کا محافظ و پشت پناہ ہے۔

افشائے راز کے اس واقعہ نے جہاں حضرت عائشہؓ و حفصہ کی قدر و منزلت اور ان کے ایمان و جذبہ اطاعت پر تیز روشنی ڈالی ہے وہیں سب سے بڑا فائدہ

اس واقعہ سے یہ بھی ہوا کہ مرسل اعظمؐ کی بے عیب زندگی کا دنیا کو کامل یقین ہوگیا کیونکہ حضورؐ کے پاس ایسی بیویاں تھیں کہ اگر خدانخواستہ حضورؐ کی زندگی میں کوئی عیب اور خرابی ہوتی تو یہ عورتیں ضرور اس کو الم نشرح کر دیتیں۔

حضرت عائشہ و حفصہ کی اس غلط روش پر قرآن مجید کی شدید برہمی دیدنی ہے:

ان تتوبا الی اللّٰہ فقد صغت قلوبکما و ان تظاھرا علیہ فان اللّٰہ ھو مولاہ و جبرئیل و صالح المومنین والملائکۃ بعد ذٰلک ظھیر۔

(پ ۲۸۔ تحریم ۱۹)

(اے عائشہ و حفصہ) اگر تم دونوں (اس حرکت سے) توبہ کرو تو (خیر کیوں کہ) تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہیں اور اگر تم دونوں رسول کی مخالفت میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) خدا اور جبرئیل اور تمام ایمانداروں میں نیک شخص ان کے مددگار ہیں۔ اور اس کے بعد کل فرشتے بھی ان کے مددگار ہیں۔

مورخین اسلام ان بیماریوں کو نسوانی خصوصیات کہتے ہیں جن سے انسانی قلوب ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ صغت قلوبکما (تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہیں) کی قرآنی یقین دہانی اور قرآن و نبی کے فرمان و ارشاد کے مسلسل حضرت عائشہ کی روگردانی کے باوجود ان کو محبوبہ رسولؐ کہنا انسانی عقل و شعور اور فکر و نظر کو انکار ہے۔

قرآن کے ان مسلسل بیانات سے ان بیویوں کی محبت بھی مشکوک ہوگئی ہے خصوصاً آخری بیان نے ــــــــ جس میں اللہ، جبرئیل، مومن صالح اور

ملائکہ کی امداد کا بھرپور یقین دلایا گیا ہے تاکہ حضورؐ کی ایذا رسانی کے خیال اور اپنے خطرناک عزائم سے یہ لوگ باز آجائیں ——— ان بیویوں کے کردار کو بیحد شک و شبہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر یہ بیان کسی مورخ کا ہوتا تو ہم جھٹلا دیتے یہ بات حدیث کی کتابوں میں ملتی تو احاد، متواتر صحیح، ضعیف اور رواۃ میں معتبر و غیر معتبر کی بحث کر کے اسے بھی لغو ٹھہرا دیتے ——— لیکن قرآن مجید کے ان مسلسل بیانات میں بھلا کون سی تاویل ممکن ہے ——— فاضل معاصر نعیم صدیقی صاحب کے اس بیان پر اب کون یقین کرے گا:-

> "حضور کے اکثر و بیشتر نکاح جنسی داعیہ کے زیر اثر نہیں بلکہ تحریک اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے پیش نظر عمل میں آئے ان کی نوعیت سیاسی ہے حضورؐ کا اپنا ارشاد موجود ہے کہ " مالی فی النساء من حاجة " یعنی میرے اندر عورتوں کے لئے کوئی جنسی طلب موجود نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں شادیاں حضورؐ نے دو ہی کی ہیں ایک حضرت خدیجہ سے دوسری حضرت عائشہ سے بقیہ نکاحوں کے لئے بعض اہم اجتماعی مصالح داعی ہوتے رہے اور ان مصالح کی خاطر حضورؐ نے اپنی مصروف ترین زندگی اور انتہائی عُسرِ معاشرت پر بھاری بوجھ لاد کر انسانیت کے لئے قربانی دی"
>
> (محسن انسانیت صفحہ ۶۲۹)

حضرت عائشہ سے شادی کرنے کے وجوہ و اسباب قرآن مجید کی آیتوں کی تیز روشنی میں "بعض اہم اجتماعی مصالح" کے علاوہ کچھ بھی تو نہیں۔ حضرت عائشہ میں وہ کون سی خوبی تھی جس کی بنا پر ان کو دوسری بیویوں سے الگ کر کے ان کو

شہزادی عرب خدیجہؑ کی فہرست میں شامل کیا گیا جن کے کردار پر قرآن کو اعتراض ہے جن کے عادات و اطوار جاہلی ہوں، جن کے اخلاق ناپسندیدہ ہوں جو رسول کے خلاف منصوبہ بنائیں، سازشوں میں شرکت کریں، حضورؐ کے راز کی حفاظت نہ کر سکیں، دوسروں کا مذاق اڑائیں، پھبتی کسیں، جن کی محبت رسول پر قرآن کو شک اور عداوت رسول کا شبہہ ہے۔ جو دوسری ازواجؓ کو ساتھ میں لے کر حضور سے ناجائز مطالبہ اور مانگ کر کے ان کو اذیت پہونچائیں۔ ان سے شادی کرنے کا فائدہ؟ حضورؐ کو ان سے نہ سکون ملا اور نہ محبت برخلاف اس کے حضورؐ جتنی دیر ساتھ رہے زندگی اجیرن بنی رہی ہاں ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ دوسری بیویوں کی طرح مرسل اعظمؐ نے بعض اہم اجتماعی دینی مصالح کی خاطر اپنی مصروف ترین زندگی اور انتہائی فقیرانہ معاشرت پر حضرت عائشہ کا بھاری بوجھ لاد کر انسانیت کے لئے قربانی دی، یہی حقیقت ہے اگر حضرت عائشہ کے کردار و اخلاق اور ان کی شخصیت کو دیکھ کر قرآن کے بیان کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے تو اس کے علاوہ دوسرا کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا

ہاں جب حضرت عائشہ کو علیؑ و فاطمہؑ کا مخالف اور مدنیہ حکومت کی بیٹی سمجھ کر —— دیکھا جائے گا تو ان کی پوری شخصیت جاذب نظر بن جائیگی ان کے عیوب و نقائص، محاسن و کمال اور ان کے جاہلی حرکات و سکنات عمدہ عادات و خصائل نظر آئیں گے۔

شہزادی عرب حضرت خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی ذات بابرکات اور قدسی شخصیت میں ان معائب و نقائص کا نہ پتہ ملتا جب آپ محض شہزادی تھیں اور

نہ تب ان کا کوئی نشان ملتا جب آپ ام المومنین بنیں۔ مجھے فخر ہے کہ شادی سے قبل بھی شہزادی خدیجہؑ کی زندگی معیاری تھی وہ اس زمانہ میں بھی ایک مثالی خاتون تھیں ان کا اخلاق تب بھی بہت بلند تھا ان کے قریب سے جاہلی دور کو گذرنے کی جرأت نہ ہو سکی وہ غربا پرور ہمیشہ رہیں تب بھی ان کے دل میں بیواؤں، یتیموں کا درد موجود تھا۔ صلہ رحمی کی وہ ہمیشہ سے خوگر رہی ہیں، سدا انسانیت کے اعلیٰ قدروں کی علمبردار بنی رہیں۔ ان کی چوکھٹ پر فقیروں کو کھانا ملتا، مسافروں کو سواری ملتی اور حاجتمندوں کی مرادیں پوری ہوتیں۔ شہزادی عرب کے کمالات وخصوصیات اور عمدہ عادات واخلاق اتنے مشہور ومعروف اور زباں زد خلائق ہوئے کہ پورا عرب یک زبان ہو کر جناب خدیجہؑ کو "طاہرہ" اور "سیدۂ قریش" کے نام سے پکارنے لگا تھا۔

قال زبیر کانت تدعی فی الجاھلیۃ الطاھرۃ۔ (استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد۴ ص۲۷۹)	زبیر کہتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں بھی خدیجۃ الکبریٰ "طاہرہ" کے معزز لقب سے پکاری جاتی تھیں۔

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ

کانت تدعی فی الجاھلیۃ بالطاھرۃ وکان یقال لھا سیدۃ قریش۔ (سیرت حلبیہ جلد ۱ ص۱۴۰ وخاتون جنت ص۳۱)	شہزادی خدیجہؑ جاہلیت کے دور میں طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں اور عوام وخواص انھیں "سیدۂ قریش" کہا کرتے تھے۔

دل کو سکون ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدیجہ طاہرہؑ کے عظیم شوہر کو

جس طرح کفار مکہ نے امین وصادق کا لقب دیا تھا اسی طرح صنادید قریش اور عربی عوام نے عہد جاہلیت میں بھی شہزادی عرب کو "طاہرہ" اور "سیدہ قریش" کا لقب دیا۔ بظاہر تو یہ دو لقب دکھائی دیتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں لقب شہزادی کی پوری شخصیت کے آئینہ دار ہیں یعنی شہزادی عرب حسب ونسب کے اعتبار سے بھی طاہرہ ہے جس پر نبوت کا فقرہ "نجیب ترین" سب سے بڑی دلیل ہے اور عادات واخلاق کے لحاظ سے بھی شہزادی طاہرہ ہے جس پر خود طاہرہ کی زندگی گواہ ہے۔

خدیجۃ الکبریٰ کی فکر ونظر طاہر عقل وشعور، طاہر تہذیب وتمدن، طاہر خیالات وتصورات طاہر۔ خدیجہؓ ابتدا سے انتہا تک طاہر ——— اور شہزادی عرب ہر اعتبار سے سیدہ قریش تھیں۔ طٰہٰ کا لقب پانے والے پیغمبر کے لئے یقیناً ایسی ہی رفیقۂ حیات شایان شان تھی جو خود ہر اعتبار سے طاہرہ ہو۔ مزاج کی یکرنگی، خیالات کی یکجہتی، فکر ونظر اور قول وفعل کی ہم آہنگی کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ پورے پچیس سال میں ایک دن بلکہ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جس سے مرسل اعظمؐ کو شکایت یا خدیجہ کو شکوہ ہوتا۔ جبکہ یہ دور انتہائی مشکلات وشدائد مصائب وآلام اور ذہنی انتشار کا دور تھا لیکن حضور مرسل اعظم اور شہزادی خدیجہ کے درمیان پچیس سال کی مدت میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں آپس میں معمولی سی شکر رنجی ہی پیدا ہو جاتی۔ اگر شہزادی نے مرسل اعظمؐ کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری سے کبھی ناراض نہیں کیا شکوہ شکایت کا موقع نہیں دیا تو خود ہی کبھی اپنے شوہر سے ناراض ہو جاتیں ناز وادا کے لئے ہی روٹھ جاتیں۔ مگر ہزار ہا

درود وسلام ہو شہزادی خدیجہؓ پر جنھوں نے کبھی ایسا بھی نہیں کیا۔

رنج وغم، تعب وتھکان اور فقر وافلاس میں زندگی بسر کرنے والی لڑکیاں بھی شوہروں کے گھر جا کر قیامت ڈھاتی اور اپنی جا و بیجا فرمائشوں کے ذریعہ پہلے تو خاندان کی عزت گروی رکھواتی اور پھر انھیں فرمائشوں کی قبر میں شوہروں کو دفن کر دیتی ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ خود ازواج نبی بھی اس مرض سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکیں اور نان ونفقہ کے لئے ملنے والے گذارہ میں اضافہ کے لئے مرسل اعظمؐ پر چڑھائی کر دی —— لیکن "ملکۃ التجار" شہزادی عرب، جاہ وحشمت کی مالک روزانہ ہزاروں روپے خیرات کر دینے والی خدیجہ طاہرہؑ جب نبیؐ کے ہاں آئیں تو نہ کوئی فرمائش کی اور نہ کوئی تمنا۔ پچیس سال کے طولانی عرصہ میں وہ زمانہ بھی آیا جب فاقے کئے اور وہ زمانہ بھی آیا جب فاقہ سے نڈھال ہونے لگیں تو درخت کی پتیاں کھا کر جان بچائی لیکن لب شکوہ وشکایت سے نا آشنا ہی رہے۔

بے شک بناؤ سنگھار اور عمدہ کپڑوں کے پہننے کا ہر عورت کو حق ہے لہذا ازواج نبی خصوصاً حضرت عائشہ کو مورد طعن نہیں بنایا جا سکتا لیکن بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شریف وغیرت مند عورت بناؤ سنگھار کیسے کرتی ہے اور کس طرح کے کپڑے پہننے کا اس کو شوق ہے ان امور سے کسی اجنبی کو کیا تعلق قرآن مجید نے شدت غیظ وغضب میں ان باتوں پر کیوں ٹوکا۔ کنگھی چوٹی کا ذکر صحابی رسول کہے جانے والے حضرت ابوہریرہ کی زبان تک کیوں اور کیسے آیا —— اسی بیت الشرف میں حضرت عائشہ ہی کے ساتھ

دوسری بیویاں بھی تو رہتی تھیں ——— ام المومنین ام سلمہؓ اور ام المومنین زینب بنت جحشؓ ——— عزت و شرافت میں حضرت عائشہ سے کچھ زیادہ ہی تھیں کم نہیں، یہ بیویاں بڑی ناک والی تھیں بڑے اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ——— یا اسی طرح اور دوسری بیویاں مگر تاریخ میں کسی کی کنگھی چوٹی اور سر سردانی کا عکس نہیں ملتا۔ نئے نئے ملبوسات یا بھڑک دار کپڑوں کی تفصیل بھی ملتی ہے تو حضرت عائشہ ہی کے نام کے ساتھ۔

بہر حال بعض ازواج نبی کریمؐ اپنی تمامتر فضیلتوں کے باوجود شہزادی عرب حضرت خدیجہ طاہرہؑ کے سامنے ایسی ہیں جیسے چاند کے سامنے ستارے ——— بلکہ اس سے بھی کمتر اور ہیچ۔ اور بعض ازواج ایسی ہیں کہ جن کا ذکر بھی سیدہ خدیجہؑ کے ذکر کے ساتھ، شہزادی عرب کی نظافت طبع پر غالباً بار ہوگا۔

ومذهب المحققين انها افضل من عائشة وان فاطمه افضل من الجميع۔

(بہجۃ المحافل جز ۲ صفحہ ۱۳۹ طبع مصر ۱۳۳۰ھ)

محققین اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہؑ، حضرت عائشہ سے افضل، اور جناب فاطمہ زہراؑ سب سے افضل ہیں۔

میں اس موازنہ کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ اس میں جناب خدیجہؑ یا جناب فاطمہؑ کی کوئی مدح نہیں بیان کی گئی ہے جناب خدیجہؑ اور فاطمہ زہراؑ ہر اعتبار سے اتنی بلند اور ان کی شخصیت اتنی عظیم ہے کہ حضرت عائشہ سے تقابل ہی ان کی شان کے خلاف ہے۔

بالدمحبت وعقیدت کی عینک سے ملکہ ست کی بیٹی کو دیکھنے والوں کا یہ

موازنہ اور مقابلہ ہم اس لئے گوارا کر لیتے ہیں کہ معائب و معاصی کو محاسن اخلاق اور عمدہ صفات و عادات بنانے کے باوجود حضرت عائشہ کو فضیلت و کرامت کی اس کرسی نور تک نہ پہونچایا جا سکا جس پر سیدہ خدیجہؑ جلوہ افروز ہیں۔

خدیجہ طاہرہ پر آدمیت و انسانیت کو ناز ہے ——— اس لئے کہ انھوں نے انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی نگہداشت تب کی جب آدمیت ذبح ہو رہی تھی ——— خدیجہ طاہرہ پر اسلام کو ناز ہے ——— اس لئے کہ انھوں نے اس کے احکام کو تب قبول کیا جب دنیا اسلام کو پہچانتی ہی نہ تھی ——— خدیجہ طاہرہ پر دنیا کی ہر شریف بیٹی، اطاعت گذار بیوی اور مقدس ماں کو ناز ہے ——— کیونکہ انھوں نے ہر دور میں عورت کی شرم و حیا، غیرت و خودداری اور پیار و محبت کے جوہر کا تحفظ کیا ہے ——— خدیجہ طاہرہ پر ہر دور کی بچیوں کو ناز ہے کیونکہ ان کی گود میں وہ معصوم بچی پلی ہے جو فخر نسواں کا عنوان بنی ——— خدیجہ طاہرہ پر رشد و ہدایت کو ناز ہے ——— کیونکہ وہ گیارہ معصوم رہبروں کی ماں ہیں ان کے ذریعہ ہادیوں اور رہبروں کی ایک پوری مقدس نسل عالم وجود میں آئی۔ قرآن کو ناز ہے شہزادی آپ نہ ہوتیں تو ہمیں مفسر نہ ملتے۔ کعبہ کو ناز ہے خلیلؑ خدا کی بہو جو آپ نہ ہوتیں تو ہمارے تقدس کو محافظ نہ ملتے۔ آغوش نبیؐ کو ناز ہے ——— شہزادیٔ عرب جو آپ نہ ہوتیں تو مجھے زینت نہ ملتی ——— اور خدیجہ طاہرہ پر شیخ بطحا جناب ابوطالب علیہ السلام کو بھی ناز ہے ——— کیونکہ شہزادی نے ان کی خواہش کے مطابق زندگی بسر کر کے ان کے اعتماد کو بحال رکھا بلکہ اس میں اضافہ کیا۔ اور اپنی پوری زندگی کو اللہ کی مرضی کا

آئینہ بنا دیا۔

جن واقعات سے ازواج رسولؐ بالخصوص حضرت عائشہ و حفصہ کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے ان میں شہد کا واقعہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے، اس واقعہ سے صاحبان نظر بخوبی ان خواتین کی شخصیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور ان کے ذہن کو پڑھ کر ان کے کردار کی بلندی یا پستی کے متعلق کوئی آخری فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس واقعہ کو عباس محمود العقاد کی کتاب "عائشہ" کے مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی کی زبانی ملاحظہ کیجئے:۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بیوی زینب بنت جحش آپ کے لئے شہد کا انتظام کیا کرتی تھیں اور حضورؐ بہت شوق سے اسے نوش فرمایا کرتے تھے چونکہ زینب تمام امہات المومنین میں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں اور حضورؐ ان کا خیال بھی بہت رکھتے تھے اس لئے حضرت عائشہ کو فکر پیدا ہوا (ہوئی) کہ کہیں حضور کی کامل توجہ انہی کی طرف مبذول نہ ہو جائے انھوں نے حفصہ بنت عمر کے ساتھ مل کر ایک اسکیم تیار کی جس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کو اس شہد کی طرف سے پھیر دیا جائے جو زینب آپ کے لئے مہیا کرتی ہیں اس اسکیم کا حال حضرت عائشہ خود اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتی ہیں۔

"میں نے اور حفصہ نے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں تو وہ آپ سے کہے یا رسول اللہ

آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے "مغافیر ایک شیریں لیکن بدبودار چیز ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے حفصہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضور کے بیٹھتے ہی انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا! میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینب بنت جحش کے پاس شہد ضرور پیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں مغافیر کی بدبو ہو آئندہ میں وہ شہد نہیں پیوں گا"۔

(عائشہ ص ۳۷ طبع لاہور)

محترم بیویوں کے خیالات، کردار اور اخلاق کی اس سے بہتر مثال اور کہاں مل سکتی ہے۔ اسکیم بنائی جا رہی ہے ایک دوسری بیوی کے خلاف جن کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ شریف النسل اور غیرت دار حضور علیہ السلام کے لئے شہد کا انتظام کرتی تھیں ان کا نام ہے زینب بنت جحش جو بیحد خوبصورت اور ناک والی ہاشمی خاتون تھیں رشتہ میں حضور کی پھوپھی زاد بہن بھی لگتی تھیں زید بن حارثہ جو جناب خدیجۃ الکبریٰ کے غلام تھے شہزادی نے اپنی ساری دولت کے ساتھ ان کو بھی مرسل اعظمؐ کے حوالہ کر دیا تھا آنحضرت نے ان کو آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کر کے غلامی کے سر پر حریت کا تاج رکھ دیا لیکن بہر حال یہ رشتہ دیر تک باقی نہیں رہ سکا اور طلاق کی نوبت آئی۔ طلاق کے بعد آنحضرتؐ نے زینب کو اپنی زوجیت کے شرف سے نوازا۔ وہ رسولؐ سے واقعی محبت کرتی تھیں اور حضور علیہ السلام بھی ان کا بیحد خیال کرتے ——— لیکن یہ بات بھی مولانا شبلی صاحب کے "مہر و ماہ" کی چہیتی بیٹیوں کو گوارا

نہ ہوئی اور اپنی اسکیم کے ذریعہ تیم وعدی کے خاندان کی نمائندہ بیٹیاں مرسل اعظمؐ کی خدمت کے شرف سے نیک سیرت ہاشمی خاتون کو محروم کرنا چاہتی تھیں۔

اس اسکیم نے ان خواتین کے "مضبوط ایمان" پر بھی اپنی زبان بے زبانی میں شاندار تبصرہ کیا ہے کاش عصبیت وجود سے بلند ہو کر کوئی اس تبصرہ کو دیکھنے کی زحمت گوارہ کرتا۔ صاف سی بات ہے کہ ان بیویوں کو عدالت مآب نبیؐ کی عدالت پر بالکل اعتماد نہیں تھا ورنہ ایسی غیر ایماندارانہ اسکیم کی ضرورت محسوس نہ کرتیں ——— صاحب خلق عظیم نے اسکیم بنانے والی عورتوں سے کہا کہ "آئندہ میں وہ شہد نہیں پیوں گا" اندھے کو کیا چاہیئے؟ ——— آنکھیں ——— چنانچہ اس وعدہ سے حضرت عائشہ و حفصہ کو بیحد مسرت ہوئی اپنی اسکیم کی کامیابی پر خوب قہقہے بلند کئے گئے۔ تنہائی میں ایک نے دوسرے کو مبارکباد دی اور آئندہ کے لئے ان کی جسارت میں کئی ہزار اضافہ ہو گیا مگر واحسرت و دردا کہ یہ مسرتیں پائدار اور قہقہے دیرپا ثابت نہ ہو سکے۔ قرآن نے ان کی ساری تمناؤں کو خاک میں ملا دیا۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم۔ (پ ۲۸۔ تحریم ۱۹)	اے رسول جو چیز خدا نے تمھارے لئے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے کیوں اسے حرام کرو۔

اللہ کے اس حکم پر عمل کر کے حضور علیہ السلام نے ان بیویوں کی ناجائز فرمائشوں

اور تمناؤں کو برباد کر دیا ——— میں ایک چھوٹی سی فرمائش شہزادی عرب جناب خدیجہؑ کی بھی یاد دلانا چاہتا ہوں تاکہ ان ازواج نبی اور محبوبہ رسول خدا حضرت خدیجہؑ طاہرہ کے مزاج کے زمین و آسمان کے سمجھنے میں کسی حد تک آسانی ہو جائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت عائشہ صرف موجودہ بیویوں سے ہی نہیں جلتی تھیں بلکہ گوشۂ لحد میں آرام کرنے والی شہزادی کے ذکر سے بھی ان کے بدن میں آگ لگ جاتی تھی وہ موجودہ بیویوں سے کہیں زیادہ شہزادی خدیجہؑ سے جلتی تھیں اس سلسلہ میں عباس محمود العقاد کے خیالات کے ساتھ چند فقروں کی وہ فرمائش بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"رشک کا جو جذبہ حضرت عائشہ کے دل میں حضرت خدیجہؑ کی طرف سے پایا جاتا تھا وہ دوسری زندہ بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی موجود نہیں تھا اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایسی جگہ قائم کر لی تھی کہ ان کی وفات کے بعد بھی حضور کے دل سے ان کا خیال کبھی محو نہ ہو سکا اور جس خلوص و وفاداری کے ساتھ انھوں نے زندگی گذاری تھی، اس کا تذکرہ شب و روز حضور کی زبان پر جاری رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض غرباء اور محتاجوں کی تواتر سے امداد فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے اس کی وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا ——— "خدیجہ نے مجھے ان لوگوں سے حسن سلوک کرتے رہنے کی وصیت کی تھی" (عائشہ مترجمہ محمد احمد پانی پتی ص۳۰)

ان دونوں فرمائشوں میں جتنا فاصلہ اور فرق ہے حضرت عائشہ اور شہزادی خدیجہ طاہرہؓ کی شخصیت، کردار، مزاج اور اخلاق میں زمین و آسمان کا وہی فرق موجود ہے ——— فکر و نظر کی طاقت اللہ نے سوچنے اور سمجھنے ہی کے لئے عنایت فرمائی ہے تو کیوں نہ ہم اس امر پر غور کریں کہ ایک بیوی شہزادی خدیجہ طاہرہ ہیں حیات ظاہری کے بعد بھی جن کا چشمۂ فیض جاری اور ابر نیساں کرم جھوم جھوم کر غرباء اور فقراء کے جھونپڑوں پر برس رہا ہے اور ایک بیوی حضرت عائشہ ہیں جو مختار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتی ہیں کہ "آپ ایسا کیوں کرتے ہیں" یعنی آپ ان کے ساتھ سلوک کیوں کرتے ہیں اس امداد کو بند کر دیجئے ——— روایت کا تتمہ بھی ملاحظہ کیجئے:۔

"یہ سنتے ہی حضرت عائشہ غصے میں آکر کہنے لگیں —" خدیجہ خدیجہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک روئے زمین پر سوائے خدیجہ کے اور کوئی عورت ہی نہیں" ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حلیم الطبع تھے لیکن حضرت عائشہ کی یہ بات سن کر آپ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا"

(عائشہ ص ۱۳)

اگر یہ روایت بھی فکر کی بے راہ روی بلکہ کجروی کو نہ سمجھا سکے تو حضرت عائشہ کی اقبال مندی کے علاوہ اس کو اور کیا کہا جا سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ "معظمہ" اپنے ذہن کی ساری جودت اور فکر کی ساری قوت اسی بات پر صرف کر رہی تھیں کہ جس جس کو رسولؐ دوست رکھیں گے ان سے ہم حسد کریں گے جلیں گے تپیں گے۔ رسولِ اعظمؐ کو اذیت پہونچانے کا یہ بالکل نیا طریقہ تھا جو غالباً "معظمہ" ہی کی ایجاد تھا۔

انداذہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں حضرت خدیجہ طاہرہؑ کے لئے کتنی جگہ تھی اور خدا کے محبوب کو مرحومہ شہزادی کا کتنا پاس و لحاظ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی فرمائش اور وصیت پر مخالفتوں کے باوجود شدت سے عمل کر رہے ہیں ـــــ کیا حضورؐ کو نہیں معلوم تھا کہ خدیجہ طاہرہؑ کے ذکر سے حضرت عائشہ کو تکلیف ہو جاتی ہے ؟ ـــــ یقیناً معلوم تھا اس لئے مناسب یہ تھا کہ جب معظمہ نے غرباء کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور فقراء کے امداد کی وجہ پوچھی تھی باحسن وجوہ اس کا کوئی اور معقول جواب دے دیتے اور اس امر کو ظاہر نہ کرتے کہ سیدہ خدیجہؑ کی فرمائش پوری کر رہا ہوں ـــــ مگر حضورؐ نے ایسا نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انسب و بہتر وہی جواب تھا جو آپ نے معظمہ کو دیا ۔

لطف کی بات تو یہ ہے کہ اب خداوند عالم بھی حضورؐ کو منع نہیں فرماتا کہ میرے نبی تم کیا کر رہے ہو میں نے تم کو خدیجہؑ کی فرمائش اور وصیت پوری کرنے کے لئے بھیجا ہے یا اسلام کی تبلیغ کے لئے ـــــ مگر نہیں، خدیجہ طاہرہؑ نے اس کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی فرمائش ایسے امر کے لئے کی ہے جس میں فرمائش بھی پوری ہوتی رہے اور اسلام کی تبلیغ بھی ہوتی جائے ۔ ایسی فرمائش جس میں غرباء و مساکین آسودہ حال ہو جائیں نبی مسرور اور خدا راضی ہو جائے ۔

مجھے خدیجہ طاہرہؑ سے ـــــ ان کی عظمت و وقار کی بنا پر ـــــ کبھی ایسی امید اور توقع بھی نہیں کرنی چاہئے کہ وہ کوئی ایسی فرمائش کریں گی جس سے زوجیت کو شرم اور انسانیت کو حیا آئے ان کے اقوال نبی کی خواہش کے مطابق

اور ان کے افعال خدا کی مرضی کے پابند ہوتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ خداوند عالم کی رحمت کاملہ نے اور خود خدیجہ طاہرہ کی نبوت شناسی نے انھیں سوت سے محفوظ رکھا اس لئے اندازہ نہیں ہو سکتا کہ خدیجہ طاہرہ کا رویہ کسی سوت کے ساتھ کیسا ہوتا۔ ہم کو فخر ہے کہ شہزادی خدیجہ سوت سے محفوظ رکھی گئیں لیکن ہمیں اس کی تشویش نہیں ہے کہ آپ کا رویہ کسی سوت کے ساتھ کیسا ہوتا کیونکہ سیدہ خدیجہ کی سیرت کے نقش و نگار ہمارے سامنے ہیں۔ سوت بہرحال آدمی ہوتی، انسان ہوتی جب شہزادی نے جانوروں کو نہیں ستایا تو کسی سوت کو کیا ستاتیں۔ آپ کی پاکیزہ زبان جب اپنے اور اپنے محترم شوہر کے دشمنوں کی برائی و بدگوئی سے آشنا نہ ہوئی تو کسی سوت کو کس طرح برا بھلا کہتیں اور آپ نے جب اپنے دشمنوں کے لئے کوئی اسکیم نہیں بنائی تو کسی سوت کے لئے کوئی اسکیم کیا بناتیں۔ شہزادی عرب کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپ نے کسی پاس پڑوس کی عورت بلکہ اپنی کسی کنیز و غلام کو بھی نہیں ستایا یا ان کے خلاف آپ نے کبھی انسانیت سوز منصوبہ نہیں بنایا، کوئی اسکیم نہیں تیار کی اور ساری زندگی کسی کو خدیجہ طاہرہ سے کوئی شکوہ و شکایت نہیں پیدا ہوئی ——— شہزادی نور فاطمہ زہرا کی ماں کو اسی عظیم اخلاق و کردار کا مالک ہونا چاہئے تھا۔

مجھے اس سلسلہ میں اتنا اور یاد دلانا ہے کہ ایک وہ فرمائش تھی جو نبی اکرمؐ سے ان کی بیویں ——— حضرت عائشہ و حفصہ ——— نے کی تھی جس کو خداوند عالم نے مردود کر کے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان عورتوں کی وجہ سے خواہ مخواہ اپنے کو زحمت نہ دیجئے اور شوق سے شہد نوش فرمائیے۔ بظاہر بیویوں سے ان کی خاطر کئے ہوئے وعدہ نبوت

_____ شہد نہیں پیوں گا _____ کا اثر عہدۂ نبوت پر نہیں ہوتا نہ اس وعدہ سے منصب کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ تبلیغ اسلام پر اس کا کوئی برا اثر پڑتا دکھائی دیتا ہے ۔ یہ سیدھی سادی میاں بیوی کی گفتگو ہے _____ مگر جیسے عہدۂ نبوت کی نزاکت اور منصب رسالت کی لطافت پر حرف آ رہا ہے قدرت کو اس گفتگو میں مداخلت کرنی پڑی اور مرسل اعظمؐ نے شہد نوش فرمایا _____

لیکن خدیجہ طاہرہؑ کی آغوش محبت کی پروردہ یادگار خدیجہؑ حضرت فاطمہ زہرا فرمائش نہیں کرتیں بلکہ بچوں کو بہلانے کے لئے فرماتی ہیں کہ "تمہارے کپڑے درزی کے ہاں ہیں" لیکن صدیقۂ طاہرہؑ کی زبان پر آئے ہوئے فقرہ کی آبرو خود خداوند عالم بچاتا ہے ، صبح تڑکے ہی دروازے پر آواز بلند ہوئی " انا خیاط الحسنین " میں حسن و حسین علیہما السلام کا درزی ہوں جبکہ یہ جنت کا رضوان تھا ۔ یہ نبی کریمؐ نہیں خدا ہے جو سیدہ زہراؑ کی زبان سے نکلے ہوئے فقرے کی صداقت کو ظاہر اور شہزادوں کی فرمائش کو پوری کرتا ہے ۔

اور پھر صبح اسی الٰہی منصب دار اور خدائی عہدیدار سے شہزادی عرب خدیجہؑ کے پیارے نواسے سواری کی فرمائش کرتے ہیں ۔ آسان تھا نبیؐ کے لئے کہ مدینہ کے کسی انصار یا مہاجر کے ہاں سے ایک اونٹ لے لیتے لیکن ایسا کرنے کے بجائے خود اونٹ بنے ۔ اور حضرت عائشہ و حفصہ کی فرمائشوں کو ٹھکرانے کا حکم دینے والا خدا اب کسی مداخلت کی ضرورت نہیں محسوس کرتا _____ مجھے سوچنا ہے کہ یہ سب کچھ محبت و مروت اور عظمت آل محمدؐ کے اظہار کے لئے کیا جا رہا ہے یا کسی کو رشک و حسد کے انگاروں پر تڑپانے کیلئے!

——— یا ممکن ہے کہ دونوں ہی پہلو پیش نظر ہوں۔

مصر و اسکندریہ کے فرمانروا مقوقس نے حضور مرسل اعظمؐ کی خدمت میں ایک کنیز ماریہ قبطیہ نامی روانہ کی تھی ماریہ قبطیہ بہت جلد حسن خدمت کے ذریعہ حضور کی توجہ خاص کی مستحق بن گئیں مشربہ ام ابراہیم آپ ہی کے گھر کا نام ہے اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضورؐ کے پینے کا پانی ماریہ قبطیہ ہی کے ہاں رہا کرتا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ماریہ قبطیہ حضورؐ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ آپ کے بطن سے ایک صاجزادے ——— ابراہیمؑ ——— پیدا ہوئے جن کا انتقال صغر سنی ہی میں ہوگیا۔

حضرت عائشہ ماریہ قبطیہ سے بہت جلتی اور کڑھتی تھیں یہی نہیں کہ صرف ماریہ سے نفرت کرتی تھیں بلکہ ابراہیم بن رسول اللہؐ بھی معظمہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ حضرت عائشہ کو ذرا خیال نہ ہوا کہ میرے بطن سے نہ سہی دوسرے ہی کے بطن سے میرے محترم شوہر کی اولاد نرینہ میں بس یہی ایک ہے لاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہی رکھنے کے لئے ابراہیمؑ کو پیار کریں اور اگر پیار نہ کروں تو کوسنے تو نہ دوں جیسا کہ عموماً دنیا میں ہوتا رہتا ہے تعجب ہے کہ حضرت عائشہ میں عورتوں کے وہ صفات بدرجہ اتم پائے جاتے تھے جن کی بنا پر عورتیں عموماً بدنام ہیں اور عورتوں کے ان خصوصیات کا ان میں کوئی پتہ نہیں ملتا جو بہر حال عورت کا زیور ہوتے ہیں۔ مثلاً عموماً عورتیں نرم دل ہوتی ہیں لیکن اس کے برخلاف ہم کو حضرت عائشہ کے دل میں رحم و کرم کا کوئی گوشہ نظر نہیں آتا۔ عورت کے لئے سنگدل ہونا اس کے نسوانی وقار و عظمت کی

پیشانی پر بدنما داغ ہے خصوصاً بچوں کے معاملہ میں کٹھور عورت کا دل بھی پسیج جاتا ہے چاہے وہ بچہ اس کا نہ ہو لیکن صد ہزار افسوس کہ جناب عائشہ اس جوہر نسوانی سے بھی فارغ البال واقع ہوئی تھیں جب ہی تو نہ ان کو رسول خدا کا مطلق خیال رہا اور نہ اپنے محترم شوہر کے نور نظر کو چمکارا نہ پیار کیا اُلٹے جلی کٹی باتیں سُناتی رہیں ـــــ ہم نے حضرت عائشہ سے اس امر کی توقع کرکے غلطی بھی اُن کی ہے جو عورت صاحب اولاد نہ ہو ظاہر ہے اس کے اور مرد کے دل میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیئے ـــــ افسوس کہ ابراہیمؑ نے بہت جلد انتقال کیا اور زمانہ کی نظریں نبوت کے نور نظر کو کھا گئیں۔

جناب ماریہ قبطیہ کی شان بہت بلند ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ چند شر پسند اور مفسد لوگوں نے جناب ماریہ قبطیہ کو بدنام کرنے کی سعی ناکام کی تھی بہت جلد شر پسندوں کا کذب واضح ہو گیا اور تحقیق میں یہ ثابت ہو گیا کہ جس شخص کے ساتھ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی وہ عنین تھا لیکن اس ثبوت و تحقیق کے باوجود قرآن مجید نے بھی ماریہ قبطیہ کی گواہی دی:۔

ان الذین جاؤ و بالافک عصبۃ منکم لاتحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم۔

(پ ۱۸ - نور ۸)

بے شک جن لوگوں نے جھوٹی تہمت لگائی وہ تمھیں میں سے ایک گروہ ہے تم اپنے حق میں اس تہمت کو بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے ان میں سے جس شخص نے جتنا گناہ سمیٹا وہ (اس کی سزا کو) خود بھگتے گا۔

لیکن خدا بھلا کرے علماء اہلسنت کا جنھوں نے اس آیت کو حضرت عائشہ کے واقعہ افک سے متعلق کر دیا جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے ــــــــ

حضرت عائشہ میں اتنی خرابی ضرور ہے کہ ام المومنین ہونے کے لحاظ سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں یا ان کا جو شرف تھا خدا نے جو بزرگی مرحمت فرمائی تھی انھوں نے ان میں سے کسی کا خیال نہ کیا ــــــــ لیکن مسطح و حسان جیسے بدری صحابہ، حضرت عائشہ کو جس گناہ سے ملوث بتاتے ہیں وہ سرے سے غلط لغو اور مہمل بات ہے جس کو دُنیا کا کوئی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا۔ ہم تمام شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کی بیوی کافرہ، منافقہ، بداعمال و بداخلاق ہو سکتی ہے جیسا کہ جناب نوح و لوط علیہما السلام کی بیویوں کے لئے خود قرآن مجید کا بیان موجود ہے لیکن اس قسم کا گناہ دنیا کے کسی نبی کی بیوی سے نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ مرسل اعظمؐ کی بیوی۔ یقیناً حضرت عائشہ پاکدامن تھیں اور واقعہ افک شرپسندوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔

واقعہ نہایت معمولی تھا اور بس ایسا تھا کہ کسی کو خبر ہوتی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوتی لیکن وہ جو کہا گیا ہے کہ "بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے" تو ہر داستان میں کچھ بڑھاتے ہیں لیکن اس میں بہت کچھ کا اضافہ کیا گیا ہے محققین اہلسنت نے خود اس دانہ کو پھوڑا اور معمولی سی بدگمانی کو فوجداری کے مقدمہ کی شکل دے دی اور ایسے ایسے حاشیے تراشے گئے جو جرح و تعدیل بار بھی برداشت نہیں کر سکتے اس میں دکھایا گیا کہ مرسل اعظمؐ ایک ماہ تک بے حد مغموم رہے حضرت عائشہ اور ان کے والدین کافی پریشان اور مسلمان سوگوار رہے

گواہ طلب کئے گئے، شاہد بلائے گئے، بیانات قلمبند ہوئے، مسلیں تیار ہوئیں گویا پورا مدینہ اس واقعہ سے لرز رہا تھا اور خداوند تعالیٰ ایک مہینہ تک اس ہنگامۂ دار و گیر، شور و غوغا اور برپا شدہ قیامت کو دیکھتا رہا اور ٹھیک ایک مہینے بعد حضرت عائشہ کو اس مقدمہ کی قباحت و رسوائی سے بے داغ با عزت بری کر دیا ——— اور یہ سب کچھ صرف اس لئے کیا گیا تا کہ آیت افک کو ——— جو جناب ماریہ قبطیہ کے لئے ہے ——— کسی صورت سے حضرت عائشہ کے لئے ثابت کر دیا جائے

حضرت عائشہ و حفصہ یوں تو ان تمام بیویوں سے جلتی تھیں جو ان کی ہاں میں ہاں ملانے سے انکار کرتیں اور اللہ و رسول کے حکم پر چلنے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار جانتی تھیں لیکن ان دونوں بیویوں کو خصوصیت کے ساتھ ان عورتوں سے حسد ہوتا جن کی طرف مرسل اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رجحان کا انھیں اندیشہ ہوتا اس لئے زینب بنت جحش اور ماریہ قبطیہ بھی ان کی آتش حسد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

فیصلہ بجد آسان ہے کہ جب ان بیویوں کو زینب و ماریہ قبطیہ ناپسند تھیں اور ان کے بلند مراتب کی بنا پر حضرت عائشہ و حفصہ جب ان سے جلتی تھیں تو شہزادی عرب حضرت خدیجۃ الکبریٰ جیسی مثالی خاتون کے ذکر جمیل کو یہ بیویاں بالخصوص حضرت عائشہ کس دل سے برداشت کر لیتیں۔

ام المومنین ــــــ خدیجۃ الکبریٰ

عرب کی مایۂ ناز شہزادی، مسلمانوں کی قابلِ احترام و اکرام ماں اور سادات کرام کی لائقِ صد افتخار جدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام عرب کے مشہور شہر مکہ کے ایک معزز، باوقار اور علمی خانوادہ میں پیدا ہوئیں۔

قول مشہور کی بنا پر سیدہ خدیجہؑ مرسلِ اعظمؐ سے پندرہ برس بڑی تھیں کیونکہ رسول اللہؐ سے عقد کے موقع پر شہزادی خدیجہؑ کی عمر چالیس سال اور مرسلِ اعظمؐ کی عمر پچیس سال بتائی جاتی ہے۔ اس حساب سے شہزادی خدیجہؑ کی ولادت عام الفیل سے پندرہ سال پہلے ہوئی کیونکہ [1] عام الفیل مرسلِ اعظمؐ کی ولادت کا سال ہے ــــــ مگر تحقیقی اور صحیح قول یہی ہے کہ شہزادی کی عمر عقد کے وقت صرف اٹھائیس سال تھی اور مرسلِ اعظمؐ کی عمر پچیس سال۔ یعنی سیدہ خدیجہؑ رسول خداؐ سے صرف تین سال بڑی تھیں اس حساب سے شہزادی کی ولادت عام الفیل سے تین سال پہلے ہوئی ــــــ

[1] عام الفیل میں عیسوی سال ۵۷۰ء اور نوشیروانی سال ۴۲ تھا۔ اس لحاظ سے شہزادی خدیجہؑ کا سال ولادت ۵۶۷ء اور ۳۹ نوشیروانی ہوتا ہے۔

ابن سعد واقدی کے بیان کے مطابق سیدہ خدیجہؑ کا شجرۂ نسب یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تھے ــــــ یعنی خدیجہ طاہرہؑ باپ کی طرف سے قصی تک پہونچ کر چوتھی پشت میں مرسلِ اعظمؐ کی

شریک نسب ہو جاتی ہیں ——— اسی طرح سیدہ خدیجہؓ کی والدہ معظمہ فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر ابن لوئی تھیں ——— آپ ماں کی طرف سے لوئی تک پہونچ کر پاکیزہ نسب کی آٹھویں پشت میں پھر مرسل اعظمؐ کی شریک ہو جاتی ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ ص۸۴ و ۸۵)

گویا مرسل اعظمؐ اور خدیجہ طاہرہؓ کا خاندان ایک ہی تھا ———

ظہور اسلام سے پہلے بھی خویلد کا خاندان اسی لئے عزت و شرافت اور حسب و نسب میں ہمیشہ احترام کے سچے جذبات اور محبت کی عقیدت مند نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اپنی فطری شرافت و غیرت ہی کی وجہ سے جناب خدیجہ طاہرہؓ کے والد ماجد حضرت خویلد ہمیشہ ہر محاذ پر مرسل اعظمؐ کے اجداد کا ساتھ دیتے رہے۔ حضرت خویلد کی اعانت ہمیشہ بنو عبد مناف کے حق میں کافی سودمند ثابت ہوئی۔ اور یہی ہونا بھی چاہیے کیونکہ شرفا ہمیشہ شریفوں ہی کے ساتھ رہتے ہیں حضرت خویلد چونکہ اپنے قبیلہ کے ممتاز سردار اور نمایاں خصوصیات کے حامل تھے اس لئے ان سے مخالفین خصوصاً بنو عبدالدار ہمیشہ مرعوب رہے۔ ہر قبیلہ حضرت خویلد کی سیادت سے متاثر تھا۔ اور اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ خویلد کے دو بھائی ——— نوفل و عمرو ——— بھی سردار تھے جن کی سرداری پر قبیلہ بنی اسد کو ناز تھا ——— ان دونوں رئیس و سردار بھائیوں کی وجہ سے حضرت خویلد کے دونوں بازو بیحد مضبوط ہو گئے۔ ان تین سرداروں کی موجودگی میں کس کی مجال تھی جو بنو عبد مناف ———

اجداد مرسل اعظم ــــــ کو آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ لیتا۔ اور جس نے کبھی ایسا کیا اس کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ــــــ ام المومنین خدیجہ طاہرہ کا خاندان ایسا ذی وقار و ذی شرف نہ ہوتا تو صاحب ما ینطق عن الھوٰی سیدہ خدیجہؓ کو "نجیب ترین" نہ فرماتے۔ ظہٰ لقب پیغمبر خدیجہ طاہرہؓ کے دادیہال و نانی ہال ــــــ دونوں پہلوؤں میں پائے جانے والے موروثی صفات، پاکیزگی و عالی حوصلگی، بلند کرداری و عقلمندی عظمت و سیادت، غیرت و حمیت اور فضیلت و طہارت کے عطر کو اپنے ایک فقرہ "نجیب ترین" میں پیش کر رہے ہیں۔

صد ہزار افسوس کہ سیدہ خدیجہؓ سے بہت جلد ــــ یعنی کمسنی ہی میں ماں کی ممتا اور باپ کا پیار روٹھ گیا، ایسا لگتا ہے کہ قضا و قدر کو یہی منظور تھا کہ ساری دنیا کے یتیموں کی خبر گیری کرنے والے اور یتیم بچوں کو ممتا اور پیار کی مٹھاس دینے والے ــــ سیدہ خدیجہؓ و محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ــــــ دونوں ہی کو یتیم بنا دیا جائے اور ان کے پاکیزہ سروں پر ماں باپ کے سایہ کے بجائے اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا ابدی سایہ رہے۔

تاریخ اتنی گونگی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ بنت زائدہ ــــــ والدہ معظمہ حضرت خدیجہ طاہرہؓ ــــــ کے انتقال کے سلسلہ میں کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں۔ حضرت خویلد کے لئے اتنا معلوم ہو سکا کہ آپ کا انتقال سیدہ خدیجہؓ کی کمسنی ہی میں ہو گیا۔ مگر ابن سعد کہتے ہیں کہ

ان اباھا مات یوم الفجار۔	خدیجہ طاہرہؓ کے والد ماجد کا انتقال

(طبقات جلد ۸ ص۹) | فجار (کی لڑائی کے) دن ہو گیا۔

ماں باپ کے سایہ کے اُٹھ جانے کے باوجود جناب خدیجہ طاہرہؑ خاندانی شرافت کے ماحول اور فطری و خلقی غیرت کے گہوارہ میں تربیت پاکر اس طرح پروان چڑھیں کہ آپ کے اندر وہ تمام عمدہ عادات خصوصیات اور کمالات موجود تھے جو کسی شریف ترین عورت کے لئے ضروری ہو سکتے ہیں آپ محاسن کردار اور مکارم اخلاق کے ان تمام زیورات سے سر سے پیر تک آراستہ تھیں جو خاتم النبیینؐ کی رفیقۂ حیات اور ام المومنین کے لئے بیحد اہم ہو سکتے ہیں۔ اپنے گھر اٹھائیس۲۸ سال تک رہیں لیکن ماں باپ بھائی بہن چچا یا کسی رشتہ دار سے آپ کے لڑنے کا ذکر تو کہاں ملتا ڈھونڈھیں میں کا بھی کوئی پتہ نہیں۔ اسی طرح جب شوہر کے گھر آئیں تو پوری پچیس۲۵ سال کی زندگی نہایت شرافت، متانت، سنجیدگی، بُردباری، صبر و شکر، ضبط و تحمل اور اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی۔ دوسری بیویوں کی طرح مرسل اعظمؐ کو دکھ پہونچانے، صدمہ دینے، غم کھلانے، رنج و الم میں مبتلا کرنے اور نت نئے انداز سے تکلیف و اذیت پہونچانے کے بجائے خدیجہ طاہرہؑ نے اپنے عظیم تر شوہر کو شکوہ اچین کی زندگی دی، راحت و آرام پہونچایا، مسرور و مطمئن کیا اور کفار مکہ کی پہونچائی ہوئی تکلیفوں اور اذیتوں کو فرحت و مسرت میں تبدیل کر دینا سیدہ خدیجہؑ کا روزمرہ کا معمول اور زندگی کا دستور تھا۔

کھیل کود سے نبوت کا عہد طفلی پاک و پاکیزہ رہا اور لہو و لعب سے آپ کو تنفر تھا اس لئے قدرت نے اپنے نبیؐ کے لئے اس رفیقۂ حیات کا

انتخاب کیا جس کا بچپن ڈھول ڈھپے، آنکھ مچولی اور گڑیوں گڈوں کے قابلِ نفرت اور لائقِ صد ملامت کھیل کود اور لہو ولعب سے ایک دم پاک صاف رہا اور جب ام المومنین بن کر مرسلِ اعظمؐ کے بیت الشرف کی زینت بنیں تو ان کی اطاعت و عبادت اور تعلیم و تبلیغ میں شریک ہو گئیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے لگیں اور نبی اکرمؐ کی بہترین معاون و مددگار بن گئیں ——— نہ اس بات کی فرمائش کی کہ مجھے کھیل کود، حبشیوں کا ناچ یا گدا کا پھری دکھا دیجئے اور نہ اس بات کی جسارت کی کہ آیئے ذرا میدان میں دوڑ کر دیکھیں آپ آگے نکل جاتے ہیں یا میں۔ یقیناً شہزادی خدیجہؓ اس قسم کی سوقیانہ حرکتوں و عامیانہ ذہنیتوں اور ذلیل و رکیک افعال و امور سے ارفع و اعلیٰ تھیں وہ شروع سے آخر تک آدمیت کے راستے پر چلنے کی عادی رہیں، وہ ہمیشہ انسانیت کی شاہراہ پر گامزن رہیں یعنی ظہورِ اسلام سے پہلے بھی وہ صراطِ مستقیم پر قائم تھیں۔ ان کے لئے ان چیزوں کا تصور بھی گناہ تھا۔

ماں باپ کے ترکہ سے جو کچھ ملا تھا سیدہ خدیجہؓ نے اسے تجارت کی راہ پر لگا دیا پہلے تو آپ کا سامانِ تجارت مکہ کے بازار سے آگے ذوالمجنہ، ذوالمجاز اور عکاظ کے بازاروں اور میلوں تک جاتا تھا جو مکہ کے اطراف و جوانب میں لگتے تھے پھر آہستہ آہستہ تجارت کے کاروبار میں وسعت پیدا ہوتی گئی یہاں تک کہ جناب خدیجہ طاہرہؓ کا مال اس وقت کی جو عظیم تجارتی منڈیاں تھیں ان میں بھی جانے لگا۔ اپنی عالی دماغی، خوش فکری، عقلمندی، خداداد فہم و فراست، حزم و احتیاط اور تدبر و تفکر سے جناب خدیجہ طاہرہؓ مکہ کی امیر ترین خاتون بن گئیں

اور پھر مکہ کا کوئی شخص مال و دولت میں بھی اسی طرح ان کا مقابل نہیں رہا جس طرح فضل و شرف میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ شہزادیٔ عرب نے ——— اس وقت کے شرفاء میں عموماً جس پردہ کا رواج تھا ——— اس کی سختی سے پابندی کرتے ہوئے اتنے بڑے کاروبار تجارت کی نگراں رہیں اور ہر حیثیت سے اس تجارت کو روز بروز ترقی دیتی رہیں۔ یہ تجارت بھی ایک مثالی تجارت تھی۔ عرب بچیوں کو دفن ہی اس لئے کرتا تھا کہ وہ عورت کے مستقبل سے واقف تھا، وہ اس کی معاشی بے نوائی ہی کی بنا پر اس کو حقیر و ذلیل بھی سمجھتا رہا۔ جناب خدیجہ طاہرہؑ نے اپنی خداداد صلاحیت و استعداد سے اتنی بڑی تجارت قائم کر دی جس کی نظیر نہیں مل سکتی ——— یہ مثالی تجارت مردوں کے لئے لمحۂ فکریہ بن گئی اور عورتوں کے دامن سے نا اہلی کے داغ کو دھو دیا ——— جناب خدیجہ طاہرہؑ کے فضل و شرف، مکرمت و بزرگی اور امیر ترین ہونے کا سارے مورخین نے کلمہ پڑھا ہے واقدی لکھتا ہے :—

کانت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی امرأۃ حازمۃ جلدۃ شریفۃ مع ما اراد اللہ بہا من الکرامۃ والخیر وھی یومئذ اوسط [افضلھم] قریش نسبا و اعظمھم شرفا و اکثرھم مالا و کل قومھا

خدیجہؑ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی ایک عقلمند اور شریف بی بی تھیں ——— اس خوبی، بزرگی اور مکرمت کے علاوہ جو اللہ نے ان کے لئے پسند کر لیا تھا ——— آپ اپنے زمانہ میں سب سے بہتر نسب اور شرف کے اعتبار سے عظیم تر اور مالی اعتبار سے

كان حريصا على نكاحها۔
(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۳)

امیر ترین خاتون تھیں۔ آپ کی قوم (روساء و شرفاء عرب) آپ سے نکاح کی بیحد خواہشمند اور حریص تھی۔

اسلام کا یہی قدیم ترین مورخ اپنی اسی شہرۂ آفاق کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:

كانت خديجه ذات شرف ومال كثير وتجارة تبعث الى الشام فيكون عيرها كعامة قريش وكانت تستاجر الرجال وتدفع المال مضاربة۔
(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹ طبع لیدن)

جناب خدیجہؓ بیحد صاحب شرافت اور بے پناہ مال کی مالک تھیں وہ ایک تاجرہ خاتون تھیں جن کا مال ملک شام (کی منڈیوں میں) جایا کرتا تھا پورے روساء قریش کا جتنا مال تجارت ہوا کرتا تھا اتنا مال تجارت تنہا جناب خدیجہؓ کا ہوا کرتا تھا۔ آپ لوگوں سے اجرت پر تجارت کا کام لیا کرتی تھیں اور (منافع) کی شرکت پر مال دیا کرتی تھیں۔

بعینہ یہی عبارتیں تاریخ خمیس اور تذکرہ خواص الامۃ کے اندر بھی موجود ہیں۔ ابن ہشام، طبری، صاحب اصابہ اور فصول المہمہ کا بیان بھی یہی ہے اور دوسرے تمام مورخین اسلام نے بھی اسی طرح جناب خدیجہ طاہرہ کی شرافت وطہارت اور عزت ووقار، کی گواہی دی ہے اور ان کی نسبی پاکیزگی، شعور کی پختگی اور عقل کے کمال کا سب نے بیک زبان اقرار کیا ہے ——— اور سب کو تسلیم ہے کہ خدیجہ طاہرہ صائب الرائے، صحیح الفکر، عالی ظرف، وسیع النظر، بلند کردار، پُروقار،

ذی عزت و ذی شرف عظیم دولت مند، بے انتہا متمول اور امیر ترین با مروت و باحمیت، سخی اور رحمدل خاتون تھیں ——— لاریب ام المومنین خدیجہؑ تاریخ انسانیت کا ایک معجزہ ہیں۔ وہ مالدار بھی تھیں اور سخی بھی۔ وہ شہزادی بھی تھیں اور منکسر المزاج بھی، وہ عورت بھی تھیں اور صائب الرّائے اور صحیح الفکر انسان بھی۔ وہ عرب کی غیرت دار اور باحمیت امیر ترین خاتون بھی تھیں اور فقیر و غریب، مفلس و نادار کی ہمدرد بھی۔ وہ پردہ دار ملکہ بھی تھیں اور بے اندازہ بکھری ہوئی دولت اور پھیلی ہوئی تجارت کی نگران بھی۔ وہ عرب کے ماحول میں بھی رحمدل تھیں وہ جاہلی دور میں بھی بلند کردار و باوقار رہیں۔ عظیم ملکۂ عرب بھی تھیں اور عظیم تر شوہر کی اطاعت گذار و فرمانبردار بیوی بھی۔

تاریخ خدیجہ طاہرہؑ کے لئے جب تک عاقلہ، شریفہ، حازمہ، لبیبہ، افضل نسب اور اعظم شرف ہونے کے اقرار کے ساتھ ہی ساتھ اکثرھم اموالا (بیحد دولت مند) ہونے کا اعلان کرتی رہے گی آدمیت و انسانیت عرب کی اس شہزادی پر ناز اور وقار نسواں فخر کرتا رہے گا۔

عربوں کی گزر بسر کا ذریعہ تجارت کا کاروبار تھا یہی ان کا خاندانی اور محبوب پیشہ تھا عرب اپنا سامان تجارت حجاز کے مشہور بازاروں اور میلوں ——— ذوالمجنہ، ذوالمجاز و عکاظ ——— سے لے کر اس وقت کی عالمی منڈیوں ——— مصر و حبش اور شام وغیرہ ——— میں پہونچاتے چنانچہ جناب خدیجہ طاہرہؑ بھی اپنا سامان تجارت ان مذکورہ بازاروں اور منڈیوں میں

بھیجنے لگیں شہزادی کے حسن لیاقت، ہنرمندی اور خوش سلیقگی سے بہت جلد ترقی کرکے یہ تجارت اس دور کی عظیم تجارت ثابت ہوئی۔ لیکن پردہ دار شہزادی کو اتنی بڑی تجارت کے لئے ایک ایسے آدمی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جو صرف ایماندارانہ طور سے سامان تجارت کی خرید و فروخت ہی نہ کرے بلکہ اس بڑے کاروبار میں شہزادی کا ہاتھ بٹانے والا بھی ہو ابھی تک اس ڈھنگ کا کوئی آدمی نہیں مل سکا تھا جس پر کلیۃً اعتبار کرکے سامان تجارت کو اس کے حوالہ کر دیا جاتا۔

ادھر مرسل اعظمؐ نے بھی عمر کے اس حصہ میں قدم رکھا عموماً عرب نوجوان جس عمر میں خود کفیل ہو جاتا ہے

ممکن ہے کہ مقامی طور پر مرسل اعظمؐ نے چھوٹے پیمانے پر تجارت شروع کی ہو لیکن وہ بہر حال اطمینان بخش نہیں کہی جا سکتی اس لئے شفیق چچا کو فکر دامنگیر ہوئی کہ وہ اپنے بھتیجے کو عرب کے خاندانی اور شریف پیشہ تجارت میں لگا لیں لیکن بڑی تجارت کے لئے ضرورت تھی کسی سرمایہ کی جو بہر حال اس وقت شیخ بطحا کے پاس نہیں تھا ——— یکایک جناب ابوطالب علیہ السلام کی نظر انتخاب شہزادی عرب، ملکۃ التجار عظیم سردار خویلد کی بیٹی حضرت خدیجۃ الکبریٰ پر جا پڑی۔ عزیز بھتیجے کی رائے معلوم کی اور پھر خدیجہؓ سے مل کر گفتگو کی۔ خدیجہؓ ——— جو پہلے ہی سے مرسل اعظمؐ کی صداقت و امانت، حق پسندی و راستبازی کو جانتی تھیں ——— خدیجہؓ ——— جو پہلے ہی سے مرسل اعظمؐ کی محنت و ریاضت جد و جہد، لگن اور کوشش کی تعریفیں سن چکی تھیں ——— خدیجہؓ ——— جو پہلے ہی سے مرسل اعظمؐ کی

صاف گوئی، سچائی، پرہیزگاری و دیانتداری کے بہتیرے واقعات کا علم رکھتی تھیں ——— فوراً جناب ابوطالب علیہ السلام کی اس پیشکش پر راضی ہو گئیں بلکہ اس کو بسر وچشم قبول کیا اور دل ہی دل میں جناب ابوطالب کا شکریہ ادا کیا ہو گا کہ آپ نے "امین" کو میرے سامانِ تجارت کا نگراں بنا دیا۔ لیکن اس کی حیثیت خدانخواستہ کسی نوکری یا ملازمت کی نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد خودی اور خودداری اور عزت و شرافت کے عمومی نقطۂ نظر کے اصولوں پر تھی ——— قدیم سیرت نگار ابنِ ہشام و طبری وغیرہ کا بیان یہ ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام نے خدیجۂ طاہرہ سے گفتگو نہیں کی تھی بلکہ از خود خدیجہ طاہرہ ہی نے اس امر کی خواہش کی تھی کہ مرسلِ اعظمؐ ان کا سامانِ تجارت لے جائیں ۔

فلما بلغها عن رسول اللہؐ ما بلغها من صدق حدیثہ وعظم امانتہ وکرم اخلاقہ بعث الیہ فوضت الیہ ان یخرج فی مال لها الی الشام تاجرا و تعطیہ افضل ما کانت تعطی غیرہ من التجار مع غلام لها یقال لها میسرة نقبلہ رسول اللہؐ منها ۔

(ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۸۸ و طبری جلد ۲ ص ۱۹۶)

جب مرسلِ اعظمؐ کی راست گوئی، شدت امانتداری اور بہترین عادات و اطوار کی دھوم خدیجہ طاہرہؑ نے سنی تو اپنے فرستادہ کو بھیج کر اس امر کی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ میرے غلام میسرہ کو اپنے ہمراہ لے کر میرا سامانِ تجارت ملک شام لے جائیے اور میں آپ کو اس سے زیادہ (منفعت) دوں گی جو (اب تک) دوسرے تاجروں کو دیتی رہی ہوں رسول اللہؐ نے خدیجہ طاہرہ کی اس پیشکش کو قبول فرما لیا ۔

اگر ہم اس بیان کو درست تسلیم کرلیں جب بھی یہ نہیں مان سکتے کہ اس عملی اشتراک کا معاہدہ رسول اللہؐ نے کرلیا اور شفیق چچا جناب ابو طالب علیہ السلام کو خبر نہیں دی۔ یہ تسلیم کر لینے میں ہمیں کوئی عذر نہیں ہے کہ تجارت کے عملی اشتراک کے لئے جناب خدیجہ طاہرہؑ کی طرف سے پیغام آیا تھا لیکن جناب ابو طالب علیہ السلام کے مشورہ بغیر مرسل اعظمؐ نے ہرگز اس کو قبول نہیں فرمایا۔

جناب خدیجہ طاہرہ نے رسول اللہؐ کے ہمراہ اپنے غلام میسرہ کو کردیا اور یہ تاکید بھی کردی کہ آنحضرتؐ کی حیثیت مالک وحاکم اور تمہاری حیثیت مملوک و محکوم کی رہے گی اگر مال فروخت کرنا چاہیں تو تم حارج نہ ہونا اور اگر فروخت کرنا ناپسند فرمائیں تو تم بیچنے پر زور نہ دینا بہرحال ان کا خیال رکھنا تمھارا فرض ہوگا ——— اور آخر میں شفیق چچا نے بڑی تمناؤں اور ہزاروں دعاؤں کے ساتھ اپنے لخت جگر کو روانہ کیا۔ اس سفر میں بے پناہ کرامتوں اور بیحد معجزات کا ظہور ہوا ——— سامان تجارت لے کر جب مرسل اعظمؐ شامی منڈی میں پہونچے تو حجاز و یثرب کے تجار کافی فائدہ کے ساتھ اپنا اپنا سامان فروخت کر رہے تھے۔ جب سب کا سامان فروخت ہوگیا اور خدیجہ طاہرہؑ کا مال ویسا ہی دھرا رہا تو حاسدوں کو خوش ہونے کا موقع ملا خصوصاً ابوجہل نے تو باقاعدہ مذاق اڑایا اور تمسخرانہ انداز میں یہ بھی کہا کہ "اس سے پہلے شاید خدیجہؑ کو کسی ایسے سفر کا تجربہ نہ ہوا ہوگا جس میں ان کا سارا سامان یوں ہی دھرا رہ گیا ہو" لیکن تھوڑے ہی وقفہ کے بعد اس طرح لوگ سامان خریدنے کے لئے ٹوٹ کر تو بھلی۔ صاف بات ہے کہ دوسرے لوگ اپنا اپنا مال فروخت کرچکے ہیں

اب تو صرف چند بنی ہاشم اور خدیجہؓ کا مال بازار میں باقی رہ گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ خدیجہؓ کو اس سفر میں اتنا فائدہ ہوا کہ آج تک اتنا فائدہ کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔

جب یہ قافلۂ تجارت منزل بہ منزل آنحضرتؐ کی قیادت میں شام کی طرف بڑھ رہا تھا تو ایک منزل آئی جہاں قافلہ نے پڑاؤ ڈالا اور آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔

فقال نسطورا الراهب ما نزل تحت هذه الشجرة قط الا نبی ثم قال لميسرة افی عینیه حمرة قال نعم لا تفارقه قال هو نبی و هو آخر الانبیاء۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ ص۸۲)

نسطورا راہب نے (قدیم پیشگوئیوں کی روشنی میں کہا) اس درخت کے نیچے تو صرف نبی ہی نزول اجلال فرما سکتا ہے اور (معرفت کے لئے پوچھا) کیا ان کی آنکھوں میں سُرخی (ہمیشہ رہتی) ہے تو میسرہ (غلام) نے اس کی تصدیق کی کہ ہاں وہ نہیں دُور ہوتی نسطورا راہب نے فیصلہ سُنایا کہ یہ نبی اکرم اور خاتم النبیین ہیں۔

اس طرح مال تجارت فروخت کر کے جب وطن واپس آئے تو اتفاق تھا یا قدرت کا انتظام کہ اس وقت شہزادی عرب اپنے بالاخانہ پر تشریف رکھتی تھیں دیکھا کہ ایک شخص چلا آرہا ہے اس کے سر پر ابر کے ٹکڑے نے سایہ کر رکھا ہے اس کے علاوہ دو مَلک اور بھی ہیں جو الگ سے آنے والے پر سایہ کئے ہیں جناب خدیجہؓ نے ساتھ کی تمام عورتوں کو دکھایا جس پر سب نے بیحد تعجب اور

حیرت کا اظہار کیا ـــــــ جب آپ آئے تو جناب خدیجہؓ نے دریافت کیا کہ "میسرہ کہاں ہے" آپ نے فرمایا کہ وہ پیچھے آتا ہے ساتھ ہی آپ نے شہزادی کو نوید مسرت سنائی کہ مال بہت فائدے کے ساتھ فروخت ہوا جس کو سن کر خدیجہؓ مسرور ہوئیں ـــــــ تھوڑی ہی دیر بعد میسرہ غلام آیا اس سے حالات سفر دریافت کئے اس نے اوّل سے آخر تک تمام حالات سفر اور سرگذشت کو بلا کم و کاست کہہ سنایا بالخصوص ان واقعات کا تذکرہ کیا جو عجیب اور حیرتناک تھے مثلاً کھانے کے بعد کھانے کا بچ رہنا جس کی جناب خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کی دعوت کر کے تصدیق کر لی۔ یا آنحضرتؐ کو گذرتے دیکھ کر شجر و حجر کا سلام کرنا۔ نسطور راہب نے جو پیشگوئیاں کی تھیں اس کا تذکرہ حاسدوں اور دشمنوں کی رسوائی اور اپنی سرخروئی کے واقعات کا ذکر کیا اور یہ بھی میسرہ نے کہا کہ دو ملک آفتاب کی حرارت سے آنحضرتؐ کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے سر پہ سایہ کئے رہتے تھے جس کا علم خدیجہؓ طاہرہ کو اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا ـــــــ میسرہ کی زبانی آنحضرتؐ کے واقعات و حالات کو سن کر جناب خدیجہ طاہرہؓ اتنی مسرور ہوئیں کہ میسرہ کو آزادی کا پروانہ دے دیا اور ساتھ ہی ساتھ بہت سی دولت بھی دی تاکہ مجھ سے جدا ہو کر غریب تکلیف نہ اٹھائے۔

یہ موقع سرعت سے آگے بڑھ جانے کا نہیں ہے ٹھہر کر سوچئے کہ جناب خدیجہؓ کیوں مسرور ہوئیں۔ اور مسرت بھی اتنی زیادہ کہ خبر دینے والے لائق غلام کو آزاد کر دیتی ہیں۔ میرے خیال سے جناب خدیجہ طاہرہؓ کے جذبات دل کے سمجھنے

کے لئے صرف یہ واقعہ ہی کافی ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ جناب خدیجہؑ کے خاندان کو صرف سیادت و سرداری ہی کا فخر نہیں حاصل تھا اس خاندان میں زمانہ قدیم سے علم بھی خیمہ زن تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ ورقہ بن نوفل جو ——— حضرت خدیجہؑ کے چچازاد بھائی ——— آسمانی کتابوں کے ایک جید عالم تھے یقیناً گھر کے اندر علمی مذاکرات آسمانی کتابوں کے تذکرے اور صحف انبیاء کے چرچے ہوتے رہتے تھے اور ان باتوں سے خدیجہ طاہرہؑ کے کان بھی آشنا تھے۔ اپنی خداداد ذہنیت وصلاحیت و استعداد علمی اور عقل وشعور کے ذریعہ شہزادی اس امر سے بخوبی واقف ہو گئی تھیں کہ اس دور میں ایک نبیؐ پیدا ہونے والے ہیں۔ چنانچہ اپنے غلام میسرہ کی زبانی ان باتوں کو سن کر شاداں وفرحاں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے ہاں تشریف لے گئیں اور سارے واقعات کو من وعن ان کے سامنے دہرایا ——— بیان سن لینے کے بعد وہ عالم علوم ربانی گویا ہوا:

لئن کان هذا حقا یا خدیجة ان محمدا نبی هذه الامة وقد عرفت انه کائن هذه الامة نبی منتظر هذا زمانه۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۱۹۱)

اگر یہ درست ہے تو خدیجہ یقیناً محمدؐ اس امت کے نبی ہیں۔ بے شک میں پہچانتا ہوں کہ زمانہ کو جس نبی کا انتظار ہے اس امت کے ہونے والے نبی یہی ہیں۔

خدیجہ طاہرہؑ کی تلاش وجستجو حقیقت کی دریافت کا شوق اور مسلسل تگ و دو اور غور وفکر کی نورانی ترتیب کو بڑی آسانی سے تاریخ کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے

اور تاریخ اپنی زبان میں جو کچھ کہہ رہی ہے اس کو سنا اور سمجھا بھی جا سکتا ہے۔ سیدہ خدیجہؓ کی بے پایاں مسرتوں کی وجہ کسی قدر اس انسان کو معلوم ہو سکتی ہے جو کسی نقشہ کی رہبری میں پہاڑوں کے دامن میں خزانہ تلاش کر رہا ہو۔ خزانہ کے آثار کے دریافت ہونے پر اس کو کتنی خوشی اور مسرت ہوتی ہے خزانہ کا ڈھونڈھنے والا ہی بتا سکتا ہے۔

میسرہ کی زبانی جب وہ واقعات سننے میں آئے آسمانی کتابوں کی روشنی میں جو کسی نبی ہی کے اندر پائے جا سکتے ہیں اور اس پر مستزاد نسطورا راہب کی پیشگوئی خدیجہؓ کے گوش گذار ہوئی تو خدیجہؓ کی روح فرط مسرت سے جھوم اٹھی اور شہزادی عرب اپنے معین کردہ شعوری، وجدانی اور روحانی خطوط کی روشنی میں خود کو غور و فکر پر مجبور پانے لگی۔ اس غور و فکر کو آخری فیصلہ کی شکل میں تبدیل کرنے کے لئے آپ نے گذشتہ آسمانی کتابوں کے عالم ورقہ بن نوفل سے تصدیق چاہی انھوں نے اپنے علم و یقین کے ساتھ وہی کہا جس کی گواہی خدیجہ طاہرہؓ کا دل پہلے ہی دے رہا تھا۔

آخری نبیؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے کی خبر کچھ ڈھکی چھپی بات نہیں تھی صاحبان کتب سماوی اور عالمان صحف انبیاء نے آخری نبیؐ کے سلسلہ میں کامیاب اور پُر اثر تبلیغ کی تھی۔ یہاں تک کہ مدینہ کے یہودی بھی آنے والے نبیؐ کے سلسلہ میں آئے دن اس کا تذکرہ کرتے رہتے تھے چنانچہ انصار مدینہ ایک حد تک انھیں یہودی علماء کی پیشینگوئیوں سے متاثر ہوئے تھے عقبۂ اولیٰ و عقبۂ ثانیہ کی بیعتیں اسی تاثر کا نتیجہ تھیں۔ پورا عرب ان پیشینگوئیوں سے گونج رہا تھا۔

اور جاہلیت کی شب دیجور اپنی تاریکی میں اس انتہا کو پہونچ چکی تھی جس میں صالح قلب و دماغ گھٹن محسوس کر رہے تھے اور رہ رہ کر اس تاریکی میں روشنی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے انھیں کامل یقین تھا کہ گمرہی، ضلالت اور جہالت کی شب تار اپنی انتہا کو پہونچ چکی ہے عنقریب ہدایت کے افق سے صدق و حق کی نورانی سحر طالع ہونے والی ہے۔ جناب ابوذر غفاری اور ان کے بھائی انیس یا اسی قسم کے روشن نام تاریخ اسلام کے صفحات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

شہزادی عرب جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی ذات ستودہ صفات بھی ان تمام صالح دل و دماغ اور صاحبانِ فکر و نظر کی فہرست میں خاصی اہمیت کی حامل ہے ـــــــ مبدا فیاض سے انھیں جو عقل سلیم اور فہم مستقیم کی دولت ملی تھی اور قدرت نے ان کے لئے اس سلسلہ میں جو آسانیاں فراہم کی تھیں شہزادی عرب نے ان سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔

مشیّتِ الٰہی بھی قدم قدم پر جناب خدیجہ طاہرہؑ کی تلاش و جستجو اور ذوقِ تحقیق کو سہارا دیتی رہی چنانچہ اس سلسلہ میں مورخین کا یہ بیان قابل لحاظ ہے کہ عید کے موقع پر جناب خدیجہ طاہرہؑ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک مقام پر تشریف فرما تھیں یکایک ادھر سے ایک شخص یہ کہتا ہوا گذرا کہ "مکّہ کی عورتو! تمھارے شہر میں ایک نبی مبعوث بہ رسالت ہونے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا تم میں سے جس کی قسمت یاوری کرے اس کو چاہئے کہ وہ اس کی رفیقۂ حیات بن جائے" اس منادی کے بعد کچھ لڑکیاں زیر لب مُسکرا کر رہ گئیں، کچھ نے اسے بُرا بھلا کہا

اور کچھ نے اس پر کنکریاں بھی پھینکیں لیکن شہزادی عرب کی سنجیدگی و متانت میں تہہ در تہہ اضافہ ہو گیا اور وہ غور و فکر کے دریا میں غرق ہو گئیں ۔ (طبقات واقدی جلد ۸)

ان بہت سارے حالات و واقعات کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اوائل عمر ہی سے جناب خدیجہؓ کی متجسس نگاہیں اپنے تابناک اور روشن مستقبل کو دیکھ رہی تھیں ۔ آفتاب رسالت کے طلوع کا انھیں شدت سے انتظار تھا ۔ اُن کے نورانی قلب ، ہدایت یافتہ دل ، ایمانی بصیرت ، روحانی قوت اور بیدار شعور نے جیسے انھیں اطمینان دلا دیا تھا کہ وہی اس خاص شرف اور مخصوص فضیلت کی مستحق ہیں ۔

شہزادی خدیجہؓ نے ایک دن خواب دیکھا کہ میرے گھر میں سورج اُتر پڑا ہے اور اس کی روشنی سے مکہ کے تمام گھر اور در و دیوار جگمگا اُٹھے حسب دستور وہ اُٹھیں اور مسرت و عقیدت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ وہ سیدھی ورقہ بن نوفل کے پاس پہونچیں اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھی ، ورقہ بن نوفل نے خواب کی سچی تعبیر بتائی کہ تمہاری شادی ایسے شخص سے ہوگی جس کو اللہ نبوت و رسالت کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز فرمائے گا ——————

خواب کی اس تعبیر نے شہزادی کے عزم و ارادے کو مزید تقویت بخشی ، طاہرہ کو یقین واثق ہو گیا کہ خاتم النبیینؐ کی زوجیت کا شرف انھیں کا مقدر ہے اور اسی یقین کی بنا پر وہ شرفاء و روساء عرب کے آئے ہوئے تمام پیغامات عقد کو پائے حقارت سے ٹھکراتی رہیں ۔

عرب کی عظیم شہزادی نے دولتمندوں کے پیغامات کو ٹھکرا کر ثابت کر دیا

کہ ان کی نگاہیں مادیات سے ماوراء روحانیت کی بلندیوں کی جویا تھیں —— دوسری طرف قضاء و قدرِ الٰہی اور مشیّتِ خداوندی کا بھی یہی تقاضہ تھا کہ اسی طاہرہ و سیّدہ، عقیلہ و لبیبہ، شریفہ و رئیسہ خاتون ہی کو نبوت کے بیت الشرف کی زینت بنایا جائے اور شہزادیِ عرب —— خدیجہ طاہرہ —— ہی کی پاک و پاکیزہ گود میں "شہزادیِ نور" —— سیّدہ زہرا —— کی پرورش ہو۔ تاکہ اسلامی تحریک اور محمدی تبلیغ پائدار اور مضبوط ہو سکے۔

میں اپنے اس خیال میں حق بجانب ہوں کہ اس شادی میں قطعی طور پر قدرت کو دخل تھا صادق و امین پیغمبر کے لئے اس سے بہتر رشتہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میرے اس خیال کی تائید عباس محمود العقاد بھی کرتے ہیں —— چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص منشاء اور تصرف کے ماتحت خدیجہ جیسی پاکباز اور غمگسار خاتون کو آپ کے لئے چُنا۔"

(عائشہ مترجمہ محمد احمد پانی پتی ص۳۰)

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مرسلِ اعظمؐ کی شادی تو بس ایک ہوئی —— شہزادیِ عرب خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ۔ چھوٹے بڑے، سُنّی شیعہ اور مسلم و غیر مسلم تمام مورخین کا بیان ہے کہ عرب رؤساء، امراء، شرفاء اور تجار یہی چاہتے تھے کہ ان کی شادی عرب کی شہزادی سے ہو جائے اس کے لئے وہ لوگ بڑی سے بڑی قربانی بھی دینے کے لئے تیار تھے۔ لیکن سیّدہ خدیجہؑ نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور تمام درخواستہائے عقد کو یکسر مسترد اور

پیغامات عقد کو ٹھکرا دیا۔ عمر کے ستائیس سال گذار دیئے لیکن رئیسانِ عرب سے شادی کا تصور بھی نہیں کیا ——— سیدہ خدیجہؑ کی عمر شادی کی حدوں کو تجاوز کرنے کے قریب پہونچ گئی مسلسل عقد کے لئے عرب کے شریفوں اور امیروں کی درخواستیں آتی رہیں، شہزادوں اور امیروں کے پیغام پر پیغام موصول ہوتے رہے اور عظیم شہزادی ہر ایک کو پائے حقارت سے ٹھکراتی رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ باوقار شہزادی ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنا کفو نہیں سمجھتی تھی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی شہزادی کے فضل و شرف میں ہم پلہ نہیں تھا ——— پیغام دینے والے رئیس و امیر تھے لیکن ان کا تمول شہزادی عرب کو ہرگز مرعوب نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اگر وہ امیر تھے تو شہزادی امیر ترین خاتون تھیں ——— باقی فضائل و محامد اور محاسن عادات و مکارم اخلاق میں عرب کا کوئی آدمی سیدہ خدیجہؑ کی خاک پا کا بھی مقابل نہیں تھا اس لئے کسی کو سیدہ خدیجہؑ کی پاکیزہ نظروں میں کھپنا بھی نہیں چاہیئے تھا، وہ عظمتوں کی جس بلندی پر فائز تھیں وہاں سے درخواست دہندگان عقد ہر لحاظ سے بونے معلوم ہوتے تھے

خدیجہ طاہرہ کو ابھی تک ایک انسان بھی ایسا نظر نہیں آیا تھا جان کے معیار پر پورا اترتا اور جس کو وہ اپنا شریک زندگی بناتیں ——— لوگوں کا خیال تھا کہ خدیجہ طاہرہ بے حد مالدار اور متمول خاتون ہیں اس لئے شریک زندگی کے لئے اسی کا انتخاب کریں گی جو بہت زیادہ مالدار امیر کبیر ہوگا لیکن انھیں اس کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ سیدہ خدیجہؑ عزت و حمیت کا پیکر زہد و تقوی کا مجسمہ

عظمت و جلالت کا فخر، صبر و شکر کی تصویر، عظمت و سیادت کی نشانی، آدمیت کی قدرداں اور اقدار انسانیت کی نگراں و محافظ بھی ہیں۔ وہ طاہرہ ہیں، سیدہ ہیں، عمدہ عادات اور اچھے اخلاق کی مالک ہیں، وہ کسی امیر سے شادی کرکے اپنی دولت میں وہ چند اضافہ تو کر سکتی تھیں لیکن ان کی روح کو سکون دل کو قرار اور قلب کو اطمینان نصیب نہ ہوتا۔ اپنی بے انتہا عظمتوں کی بلندیوں سے گر کر سیدہ قریش اور عقیلہ عرب کسی کو اپنا شریک زندگی کیسے بنا سکتی تھیں ——— بہت ممکن ہے کہ پیغام دینے والے رئیسوں کو درخواست کے نامنظور اور پیغام عقد کے مسترد ہونے پر افسوس ہوا ہو ——— لیکن شہزادی خدیجہؑ ایسا کرنے پر مجبور تھیں۔ کسی عقلمند سے زندہ مکھی نگلنے کی توقع کہاں کی دانشمندی ہے۔ خدیجہ طاہرہؑ کا معیار نظر بتاتا ہے کہ اگر مرسل اعظمؐ نہ ہوتے تو وہ ساری عمر ناکتخدا رہنا گوارا کر لیتیں لیکن کسی پست و مفضول کو اپنا شریک زندگی نہیں بنا سکتی تھیں ——— نبی کریمؐ نے شہزادی نور جناب معصومۂ عالمؑ کے لئے فرمایا تھا کہ "اگر علیؑ نہ ہوتے تو کوئی فاطمہؑ کا کفو نہ ہوتا" ——— اس نور کی شہزادی کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہؑ کے لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر مرسل اعظمؐ نہ ہوتے تو شہزادی عرب کا بھی کوئی کفو نہ ہوتا۔"

افسانہائے عقد

زر و سیم اور تخت و تاج کی چمک دمک اور مخصوص نظریات و مقاصد کے تحت لکھی جانے والی تاریخ اسلام میں بہت سارے اول فول ، قصے ، کہانیوں اور افسانوں کو جگہ دیدی گئی جن کی کوئی حقیقت اور اصلیت سرے سے نہیں —— اور حقائق و معارف سچے واقعات ، اصل حالات اور واقعی امور کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ۔ اس سازش میں محراب کے پیش نماز ، منبر کے خطیب ، مکاتب کے مدرسین ، عدالتوں کے قاضی ، مسند افتا پر بیٹھنے والے مفتی ، بادشاہ اور درباری علما سب ہی شریک ہیں ۔ غریب مورخ بھی کیا کرتا —— کیا وہ جان بوجھ کر موت کے دریا میں چھلانگ لگاتا اپنی بیوی کو بیوگی اور بچوں کو یتیمی کے سپرد کرتا لہذا اس نے بھی مورخانہ دیانتداری کو پامال کر کے وہی لکھتا گیا جو تخت و تاج کا مزاج چاہتا تھا اور جس کے لکھنے پر اس کو بیش بہا خلعت جاگیریں اور انعام ملتا تھا ۔

حضرت عائشہ کو صدیقہ ، محبوبۂ رسول اور حضورؐ کی تمام بیویوں میں انھیں عذرا ثابت کرنے کے لئے پوری دنیائے اسلام —— جس کا مذہبی رشتہ مدینہ سرکار سے قائم تھا —— حرکت میں آگئی ، مفسرین و محدثین اور مورخین کی توجہیں تمامتر اسی کام میں منہمک ہو گئیں ، حق کو باطل اور دن کو رات ثابت کرنے کی جو ذمہ داری لی تھی وہ ان لوگوں نے پوری کر دی ۔

بڑی خوبصورتی سے حضرت عائشہ کی آسمانی تصویر ——— جو تاریخ کے کیمرہ سے کھینچ کر جبرئیلؑ کے ہاتھوں پینٹ کرائی گئی تھی ——— جبرئیلؑ ہی کے مقدس ہاتھوں سے پارچۂ حریر میں تہہ در تہہ لپیٹ کر کئی بار حضورؐ کے سامنے پیش کی گئی۔ خواب میں ہونے والی بیوی کو دکھایا گیا۔ نہایت عجلت سے کے ساتھ کل چھ یا سات برس میں شادی کر دی گئی ——— لطف یہ ہے کہ مورخین نے روایتوں کو حضرت عائشہ ہی کی زبانی بیان بھی کیا ہے۔

شہزادی عرب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے لئے مورخین نے بیان دیا کہ ام المومنین ہونے سے قبل ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ بن نباش بن عدی تیمی سے ہوئی اور ایک لڑکا "ہند" پیدا ہوا جو جنگ صفین یا جمل میں جناب امیرؑ کی ہمراہی میں درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے اور دوسری شادی عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمر مخزومی سے ہوئی جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ——— اس جھوٹ کا اس طرح پروپیگنڈہ کیا گیا کہ بعض علماء شیعہ نے بھی اس کو سچ ہی سمجھ لیا ——— سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے والی طاقت کو پہچانے بغیر ہم اس مسئلہ پر غور کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ لہذا میں اس طاقت کو پیش کرنا چاہتا ہوں جس نے یہ سب گل کھلائے ہیں۔

چونکہ جماعت حکومت ——— مدینہ سرکار ——— اہلبیتؑ کے مقابلے پر قائم کی گئی تھی جن کا مرسل اعظمؐ سے قوی ربط ظاہر تھا لہذا مقابل جماعت حکومت مجبور تھی کہ حضورؐ سے اپنے خصوصی ربط کا اسی پیمانے پر

مظاہرہ کرے لہٰذا اصحاب وازواج کو اہلبیتِ کرامؑ کا مقابل قرار دیا گیا ـــــــ جبکہ جماعت اور ان کی پشت پناہی کرنے والے بھی خیر سے اصحاب وازواج میں داخل تھے حالانکہ اصحاب وازواج میں وہ بھی تھے جو اہلبیت کرامؑ کی حمایت کر رہے تھے مگر پروپیگنڈہ کی زیادتی بلکہ تشدد نے ان حضرات کو قطعاً نظر انداز کیا اور عوام کی نظروں سے انھیں پوشیدہ کر دیا ورنہ اصحاب وازواج دونوں گروہ متفق نہ تھے بلکہ دونوں طرف بٹے ہوئے تھے مگر اکثریت کا نام چلتا ہے اور پروپیگنڈہ اسے اہم بنا دے تو دوسرا غیر اہم ہو کر مٹ جاتا ہے قوت وشدت کا دستور یہی ہے۔ ورنہ امتِ پیغمبرؐ سے قبل اصحاب وازواج کی اس اہمیت کا مسئلہ کبھی نہیں اُٹھا تھا جس اہمیت سے اس کا تذکرہ آج کیا جا رہا ہے۔

انبیاء ماسبق اور حضورؐ کی امت کی تاریخوں کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ مسائل جن کو امتِ پیغمبرؐ میں بے حد اہمیت حاصل ہوئی وہ مسائل انبیاء ماسبق کی امتوں میں موجود ہی نہ تھے ـــــــ سوچنا پڑتا ہے کہ اگر یہ مسائل دینی تھے تو پچھلی امتوں میں زیرِ بحث کیوں نہ آئے وجہ صاف ظاہر ہے کہ پچھلے انبیاء میں سوائے جناب داؤدؑ وسلیمانؑ اور جناب یوسف علیہم السلام کسی نبی کو بھی حکومت حاصل نہیں ہوئی بلکہ یہ تمام حضرات دینی ریاست کے سربراہ تھے اس کے برخلاف مرسلِ اعظمؐ کو دینی اور دُنیاوی دونوں اقتدار حاصل ہوئے مگر جناب داؤد وسلیمان ویوسف علیہم السلام کے بعد مسئلہ خلافت اس لئے نہیں پیدا ہوا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی تھی نبی کے بعد

اس کا جانشین دوسرا منصب دار نبی ہی ہوتا تھا لہٰذا امت کو حصول حکومت کی تمنا اور لالچ نہیں پیدا ہو سکی اس کے برخلاف آنحضرت پر نبوت ختم تھی، آپ کے بعد جسے جانشین ہونا تھا اسے صرف روحانی امارت کی ذمہ داریاں سنبھالنا تھیں —— ورنہ امت کوئی دلچسپی نہ لیتی —— بلکہ حضورؐ کا جانشین امارت روحانی کے ماسوا حکومت کا بھی سربراہ ہونے والا تھا لہٰذا صاحبانِ ہوس نے پیش قدمی کی اور حکومت پر قبضہ کرلیا —— جبکہ حضورؐ کا اصل منصب روحانی پیشوا ہونا ہے حکومت ضمناً آپ کے مقاصد میں —— تبلیغ اسلام کی تکمیل کے لئے —— شامل ہوئی۔ چنانچہ آپ تب بھی نبی تھے جب حکومتی اقتدار آپ کو حاصل نہ تھا پوری مکی زندگی اس بات کی گواہ ہے ۔ صرف مدنی زندگی اور اس کے بھی آخری دَور میں آپ کو اقتدار حکومت حاصل ہوا ۔

حکومت میں پیش قدمی کرکے اقتدار حاصل کرنے والے افراد کے قبضہ حکومت کے باوجود اصل منصب نبوت کی روحانی پیشوائی اہلبیت کرامؑ ہی کو حاصل رہا ۔ اس میں نہ نزاع کی گئی نہ نزاع کرنا ممکن تھا اس لئے کہ سورج کی حرارت و روشنی پر قبضہ کرکے اس سے فوائد حاصل کرنا ممکن ہے مگر سورج بننا کسی کے بس کی بات نہیں ہے ۔

غرض کہ حرص حکومت نے حضورؐ کے بعد ایک نئی تاریخ کی بنیاد ڈالی جس میں حریص افراد کارواں در کارواں شامل ہوتے رہے لیکن حکومت کے قبضہ کے بعد ناجائز قبضہ کو جائز ثابت کرنے کے لئے اور جابرانہ قبضہ کو

دل و دماغ میں جگہ دلانے کے لئے ضرورت تھی کچھ نظریوں کی ، کچھ فلسفوں کی اور کچھ نئے مسائل کی اسی ضرورت سے وہ مسائل امت پیغمبر آخرالزماں میں پیدا کئے جن کا سابقہ امتوں میں ذکر بھی نہیں ملتا ۔

آج بھی کوئی صاحب کتاب مذہب کتاب کے کافی ناکافی کی بحث میں نہیں الجھتا مگر مسلمانوں نے واقعہ قرطاس کے بعد سے اس بحث پر عمریں برباد کی ہیں اور لاکھوں ٹن کاغذ ، ہزاروں من سیاہی سے کالا کیا جا چکا ہے حالانکہ اس نظریہ کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھنا اس عہد کے مسلمان کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے قرآن اگر کافی ہوتا تو نہ مباہلہ ہوتا نہ مباہلہ میں آلِ محمدؐ کو لانے کی ضرورت ہوتی ۔ قرآن اگر کافی ہوتا تو سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت قرآن سے طے ہوتی نہ کہ حدیث سے ۔ قرآن اگر کافی ہوتا تو مجلس شوریٰ میں قرآن کے بعد سنتِ نبوی اور سیرتِ شیخین کی شرطیں نہ لگائی جاتیں ۔ قرآن اگر کافی ہوتا تو خلفاء کو علیؑ سے مسائل پوچھنا نہ پڑتے اور تاریخ میں کسی کا یہ بیکسانہ فقرہ نقل نہ کیا جاتا کہ " اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا " ــــــ قرآن اگر کافی ہوتا تو مقدمہ فدک کا فیصلہ قرآن سے ہوتا لا وارث حدیث کا سہارا نہ لیا جاتا ۔

اسی طرح ایک مسئلہ خطاء اجتہادی ہے باطل کی نقاب پوشی کے لئے یہ ایک نئی تدبیر ہے جس کی ایجاد کا فخر صرف امت خاتم النبیینؐ کو حاصل ہے اور یہ وہ عظیم ذہانت ہے جو شیطان کو بھی نہ سوجھی کہ سیدھا دربارِ الوہیت سے نکل گیا اور یہ نہ کہہ سکا کہ میں رجیم نہیں ہوں بلکہ نیک نیتی سے اختلاف رائے کر رہا ہوں زیادہ سے زیادہ میرے اجتہاد کو خطا کہا جا سکتا ہے ۔

اس کے برخلاف جو علی بن ابی طالبؑ سے لڑے وہ تمام لوگ اس لئے جنتی ہیں کہ ان کی نیت بخیر تھی سمجھنے میں انھوں نے غلطی کی تھی ــــ اسی طرح جو حضرت علیؑ کی مدد سے گھر بیٹھ رہے وہ بھی قابل معافی ہیں اس لئے کہ جو کچھ غلطی ہے وہ صرف اجتہادی خطا ہے۔

اگر خطاء اجتہادی واقعی درست بات ہے تو قاتلانِ عثمان کیوں قابل گردن زدنی قرار دیئے جائیں، انھوں نے قتل کیا یہ ان کی خطاء اجتہادی ہے۔ اس کو تسلیم کرنے میں مسلمانوں کو کیا عذر ہے؟

اسی طرح کبھی انبیاء ماسبق میں انتخاب امت سے کوئی منتخب ہی نہیں ہوا مگر اس امت کو یہ عارضہ بھی لاحق ہوا ــــ انتخاب امت وہ لفظ ہے جو کبھی شرمندۂ معنیٰ نہ ہوا اور وہ خواب ہے جس کی تعبیر کبھی دیکھنے میں نہ آئی اور وہ اصول ہے جس پر کبھی عمل نہیں ہوا۔

شہزادی عرب جناب خدیجۃ الکبریٰ ــــ شہزادی نور فاطمہ زہراؑ کی والدہ، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خوشدامن اور حضرات حسنین علیہما السلام کی جدہ ماجدہ تھیں اس لئے ان فلسفوں کے پایوں پر قائم شدہ حکومت کا اشارہ پاتے ہی محدثین کی زبانیں اور مورخین کے قلم گردش میں آگئے ــــ

اگر خدیجہ طاہرہؑ کو صدیقہ اور محبوبہ رسولؐ لکھ دیا جاتا تو جماعت حکومت کی عظیم نمائندہ حضرت عائشہ کو کیا کہا جاتا اور اگر ام المومنین خدیجہؑ کو عذرا لکھ دیتے تو حضرت عائشہ کو فخر کرنے کا یہ موقع کہاں ملتا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔"

(عائشہ از عباس محمود العقاد مترجم محمد احمد پانی پتی ص۵۵)

حضرت عائشہ کو اپنے کنواری ہونے پر کتنا ناز تھا صاحبان غیرت اس بات کو عصر جدید کے نامور عربی مورخ عباس محمود العقاد ہی کی زبانی سماعت فرمائیں:۔

"تمام بیویوں میں حضرت ام سلمہ حضرت عائشہ کا کھلم کھلا مقابلہ کیا کرتی تھیں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طبیعت اور سرشت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے ان سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے حضرت عائشہ کو یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی تھی چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں نے کہا "آپ سارا دن کہاں رہے؟" حضور نے جواب دیا حمیرا، میں ام سلمہ کے پاس تھا۔" میں نے کہا "نہ معلوم ام سلمہ کے پاس بیٹھ کر آپ کو کیا ملتا ہے؟" حضور یہ سن کر مسکرا دیئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے کہا "یارسول اللہ یہ تو بتائیے دو گھاٹیاں ہوں ایک گھاٹی بنجر ہو جس کا سبزہ جانوروں نے کھا کر ختم کر دیا ہو اور ایک گھاٹی سرسبز شاداب ہو اور جانوروں سے بالکل محفوظ تو آپ کس گھاٹی میں سیر کرنا پسند کریں گے؟" حضور نے جواب دیا "سرسبز شاداب گھاٹی میں" میں نے کہا تب میرا رتبہ دوسری تمام بیویوں سے بلند تر ہے کیونکہ میرے سوا اور کوئی کنواری عورت آپ کے عقد میں نہیں آئی۔"

(عائشہ ترجمہ محمد احمد پانی پتی ص۵۸)

اپنے کنواری ہونے پر حضرت عائشہ کو کس قدر ناز ہے ــــــ "میرا رتبہ تمام بیویوں سے بلند تر ہے" کیوں صرف اس لئے کہ وہ کنواری ہیں یعنی خداوند عالم کے بیان کردہ معیارِ عزت

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (پ ۲۶ - حجرات ۱۴)	خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہے۔

کو حضرت عائشہ بدلنے کی کوشش فرما رہی ہیں انھوں نے غالباً مرسلِ اعظم کو دُنیا کے ان شوہروں جیسا سمجھ لیا تھا جو حُسن و شباب کے فریفتہ اور گرویدہ ہوتے ہیں۔ اس روایت کو دیکھ کر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو نبوت کی قطعی کوئی معرفت ہی نہیں تھی۔

حضرت عائشہ خلاف حکم قرآن رسول کبریا کا تعاقب کرتیں اور ان کی ٹوہ میں لگی رہتی ہیں قرآن کا ارشاد ہے:

ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ (پ ۲-حجرات ۱۴)	بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے۔

حکم قرآن کی حضرت عائشہ کو کبھی پروا نہیں ہوئی انھوں نے ہمیشہ وہی کیا جو ان کا جی چاہتا تھا۔ اپنی بدگمانی کی بنا پر حضرت عائشہ راتوں کو مرسلِ اعظم کا دبے قدموں تعاقب کیا کرتی تھیں ان کو اس بات کا شک رہا کرتا تھا کہ مبادا حضورؐ میری باری میں کسی اور بیوی کے ہاں جاتے ہوں ــــــ

اگر حضرت عائشہ حضورؐ کی محبوبہ ہوتیں تو ایسی روش کی ضرورت پیش نہ آتی اور

حضرت عائشہ کبھی اپنے کو اتنا گرا کر حضورؐ کے سامنے نہ پیش کرتیں ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی اوپر جو روایت نقل کی گئی ہے وہ دُنیا کی کسی غیرت دار اور شریف عورت کی زبان پر نہیں آسکتی۔

شہزادی عرب حضرت خدیجہ طاہرہؑ کے سلسلہ میں مجھے جو کچھ کہنا ہے اسے بعد میں عرض کروں گا پہلے اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ حضرت عائشہ کنواری تھیں یا نہیں۔ اس سلسلہ میں خود حضرت عائشہ کی زبانی جو روایتیں ہم تک پہونچی ہیں ان کے دیکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معظمہ کی عمر شادی کے وقت بہت ہی کم تھی اس حساب سے زفاف کے وقت آپ کی عمر مشکل سے مورخین نو سال تک پہونچا پائے ہیں خوش عقیدہ مسلمانوں کے لئے تو یہ بیحد ناز و افتخار کی بات ہے لیکن اس بات پر زمانہ بغلیں بجاتا اور غیر مسلم مورخین بانی اسلام پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ کے سلسلہ میں میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا اس لئے ثبوت کے لئے خوش عقیدہ مسلمانوں کی تحریروں کو پیش کروں گا۔ پہلے آپ عصر حاضر کے نامور مورخ عباس محمود العقاد کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

"یہ امر محقق نہیں ہو سکا کہ حضرت عائشہ کس سنہ میں پیدا ہوئیں تاہم اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ سال قبل ہوئی اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آنے کے وقت ان کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔" (ص۵۲)

مورخ مذکور دوسرے مقام پر پھر لکھتے ہیں کہ

"ہمارے نزدیک قرین قیاس امر یہ ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ

کی عمر بارہ سے کسی طرح کم اور پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی ۔"

(عائشہ مترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی ص۱۲)

زمانہ اسی بات کو تسلیم بھی کرے گا جسے عقل قبول کرے۔ یقیناً عقل وخرد کی دُنیا حیران تھی یہ سُن کر کہ جس سال مرسلِ اعظمؐ کے دو عظیم محسن اور چاہنے والوں نے رحلت کی جس سال کو غم والم سے متاثر ہو کر آپ نے عام الحزن کے نام سے یاد کیا اور گھر سے باہر نکلنا بالکل کم کر دیا اس سنہ ۱۰ بعثت میں آپ نے دوسرا عقد بھی کیا۔

سیدہ خدیجہؑ جیسی رفیقۂ حیات کے اُٹھ جانے کے بعد یہ عقد ہوا۔ عقد کی وجہ مورخین یہ بتاتے ہیں کہ حضرت خدیجہ طاہرہ کے بعد مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی مغموم و محزون رہتے تھے۔ ہمدردوں نے حضورؐ کو رائے دی کہ آپ دوسرا عقد فرمالیں تاکہ غم غلط ہو سکے ـــــ اگر حضرت عائشہ کی عمر چھ سات برس فرض کی جائے جیسا کہ عموماً مورخین اسلام بیان کرتے ہیں تو کوئی عقل وخرد کی دُنیا کو مطمئن کیسے کر سکتا ہے۔ اس سن وسال کی لڑکی عورت کہلاتی ہے یا بچی؟ کیا حضرت عائشہ کے ساتھ عقد کرنے سے حضورؐ کا غم غلط ہو سکتا ہے۔ آپ کے گھر کی مسرتیں لوٹ سکتی ہیں اور شادی کے جو فوائد ہیں وہ حاصل ہو سکتے ہیں؟ ان امور پر غور کرنا مورخین اسلام کے لئے حرام ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ نامی گرامی مورخین کو حضرت عائشہ ہی کی روایت دستیاب ہوئی باقی معلومات کے سارے دروازے ان کے لئے بند تھے ظاہر ہے کہ عورت اپنی عمر کم نہ بتلائے گی تو کیا یہ کہے گی کہ میں شادی کے وقت بڑھیا تھی۔ دُنیا کی

ہر عورت اپنی عمر ہمیشہ کم بتاتی ہے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت عائشہ عورتوں کی اس خصوصیت سے بلند ہو کر اپنی واقعی اور اصل عمر کا پتہ بتائیں اس میں اس فطری کمزوری کو بھی دخل ہے کہ جو عورتوں میں ہوتی ہے پھر حضرت عائشہ کے حافظہ کی کمزوری کو بھی دخل ہے کیونکہ ان کے ہاں تاریخ ولادت لکھی نہیں جاتی اس لئے جو ان کی سمجھ میں آیا بیان کرتی رہیں اور سونے پر سہاگہ کا کام مدینہ سرکار کے فلسفہ تاریخ اور آل محمدؐ سے تقابل کے نظریہ نے کیا اس لئے قلم کا سارا زور اس بات پر صرف کر دیا گیا کہ حضرت عائشہ ہی ساری بیویوں میں کمسن اور کنواری تھیں اور انھیں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کمسنی میں بھی مرسل اعظمؐ نے ان سے شادی کی ۔

نظریات کے ان باطل گھروندوں کی مسماری کی پرواکئے بغیر ڈرتے ڈرتے عباس محمود العقاد نے حضرت عائشہ کی عمر کے لئے ایک ایسی بات کہی جسے عقل برداشت کر سکتی ہے ——— عباس محمود العقاد ایک اور اچھی بات لکھتے ہیں جس سے ہمارے نظریہ کو مزید تقویت پہونچتی ہے۔

"ابھی تک کسی شخص کو پورا یقین نہیں تھا کہ عائشہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آجائیں گی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے ہی سے جبیر بن مطعم بن عدی سے جو ہنوز حالت کفر پر قائم تھا منسوب ہو چکی تھیں اور حضرت ابوبکر صدیق وعدے کی خلاف ورزی برداشت نہ کر سکتے تھے چنانچہ پہلے انھوں نے جبیر کی طرف سے معاملہ صاف کرنا چاہا وہ اس کے والدین سے ملے اور نسبت کے متعلق دریافت کیا .... مطعم نے اپنی بیوی سے کہا تمہارا کیا خیال ہے وہ حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی اگر ہم نے اپنے لڑکے کا نکاح

تمھاری لڑکی سے کر دیا تو تم ہمارے لڑکے کو صابی تو نہیں بناؤ گے اور اپنے دین میں تو اسے شامل نہیں کرو گے ؟" حضرت ابوبکر صدیق نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ مطعم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے تم کیا کہتے ہو ؟" مطعم نے اس کے سوا اور کچھ نہ کہا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا ہے وہ تم نے سُن ہی لیا ہے اب تمھارے جواب پر ہمارے آئندہ رویّہ کا انحصار ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو جبیر سے نسبت توڑنے میں کوئی امر مانع نہ تھا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا پیغام قبول کر لیا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال سنہ نبوی میں حضرت عائشہ کا نکاح چار سو درہم حق مہر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہو گیا۔"

(عائشہ ص۱۹ ترجمہ پانی پتی)

اس روایت کو ذرا اور ہوشیاری سے تیار کیا گیا ہوتا تو جو نقائص رہ گئے ہیں وہ شاید دُور ہو جاتے اور پھر عقل اس کو آسانی سے مان لیتی۔ جس اندیشہ کا اظہار مطعم کی بیوی نے کیا اس کو حضرت ابوبکر کے دل میں پیدا ہونا چاہیئے تھا کیونکہ یہ لڑکی والے تھے لڑکے کو صابی بنانے کا کیا سوال پیدا ہوتا۔ وہ آتا اور لڑکی (دلہن) کو لے کر اپنے گھر روانہ ہو جاتا اس کے گھر پہنچ کر حضرت عائشہ کے لئے گمراہی و ضلالت کا شدید اندیشہ تھا لیکن جبیر (حضرت ابوبکر کے ہونے والے داماد) کو ہرگز کسی قسم کے بہکنے یا صابی ہونے کا خطرہ سرے سے نہیں تھا۔ وجہ کی بات کے آگے مطعم بھی سر سجدہ کر دیئے گئے۔ روایت کے وضع کرنے والے نے یہ نہ سوچا کہ جس ذہن میں پہلا ہول سیل دوڑ کا اندیشہ اُبھر سکتا ہے کہ کہیں یہ میرے بیٹے کو صابی نہ بنا لیں وہ حضرت ابوبکر کے اطمینان دلانے پر مطمئن

کیسے ہوسکتا تھا ــــــــ حضرت عائشہ کی اس نسبت کو آسانی سے رفع دفع کرنے کے لئے تاریخ میں اتنا پچڑ لگایا گیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت عائشہ بہت پہلے سے مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر کے ساتھ منسوب ہوچکی تھیں یعنی بات صرف رشتہ اور منگنی کی حد تک نہیں رہ گئی تھی بلکہ جیسا کہ خود عباس محمود العقاد نے اقرار کیا ہے کہ بات رشتہ اور منگنی کی حدوں کو تجاوز کرگئی تھی اور "وہ (عائشہ) پہلے ہی سے جبیر بن مطعم بن عدی سے جو ہنوز حالت کفر پر قائم تھا منسوب ہوچکی تھیں"۔ پورے واقعہ کو ہم قدیم ترین مورخ ابن سعد واقدی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

خطب رسول الله صلعم عائشه الى ابى بكر صديق فقال يا رسول الله انى كنت اعطيتها مطعما لابنه جبير فدعنى حتى اسلها منهم فاستسلها منهم فطلقها فتزوجها رسول الله صلعم۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۴۰ طبع لیدن بریل ۱۳۲۲ھ)

عائشہ کے لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو پیغام عقد دیا۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ اس کو تو میں جبیر بن مطعم کے حوالہ کرچکا مجھے ذرا مہلت دیجئے تاکہ میں عائشہ کو دوبارہ ان لوگوں سے حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کو خاموشی سے وہاں سے لے کر اپنے گھر چلے آئے جبیر نے حضرت عائشہ کو طلاق دی اور پھر وہ رسول اللہ کے ساتھ بیاہی گئیں۔

یہ تھی وہ حقیقت جس کو چھپانے کی غرض سے تاریخ میں پچڑ لگانے کی ناکام سعی کی گئی ــــــ الحاصل حضرت عائشہ کا یہ فخر یا ان کے لئے یہ ناز

قطعاً مہمل اور لغو ہے کہ ازواج نبی کریم میں وہ کنواری تھیں۔ یہ سچ ہے کہ
حضرت عائشہ بیوہ نہیں تھیں لیکن ان کے مطلقہ ہونے میں دو رائے نہیں۔
کوشش کے باوجود ہمیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ حضرت عائشہ جبیر کے ساتھ
کب بیاہی گئی تھیں اور کتنے عرصہ تک وہ جبیر کے گھر رہیں۔ اوپر کی
روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شادی ہی نہیں بلکہ حضرت عائشہ
کی رخصتی کی رسم بھی انجام پا گئی تھی اپنے پہلے شوہر —— جبیر بن مطعم
بن عدی —— کے ہاں عظمہ کا قیام کتنے عرصہ تک رہا نہیں معلوم چونکہ
تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے ہم یہ یقین کرنے میں حق بجانب ہیں کہ
حضرت عائشہ کے ہاں پہلے شوہر سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ——
جبیر کے ساتھ شادی کے بعد رخصتی اور پھر مستقل اپنی سسرال میں حضرت عائشہ کا
قیام اور پھر باپ کا اشارہ پاتے ہی برضا و رغبت اپنے پہلے شوہر جبیر بن مطعم
بن عدی کے ہاں سے چلا آنا اور طلاق پر راضی ہونا حضرت عائشہ کی سوجھ بوجھ
پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور اس سوجھ بوجھ سے ہی ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق
کے وقت حضرت عائشہ کی عمر پندرہ ، سولہ برس سے کم نہیں رہی ہوگی ——
مورخین کہتے ہیں کہ ۱۰ نبوی میں حضرت عائشہ کی شادی رسول اللہؐ کے
ساتھ ہوئی۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ۱۰ نبوی —— آنحضرت کے لئے رنج و
غم اور مصیبت و الم کا سال تھا۔ دنیا کا کوئی حساس انسان ایسے وقت میں
کسی عقد کے لئے سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہاں ۱۳ نبوی یعنی جناب خدیجہؓ کے
انتقال کے تین سال بعد ہجرت سے کچھ پہلے آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ سے

عقد کیا اور پھر سنہ میں مدینہ آکر حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آئی۔ اس حساب سے حضرت عائشہ کی عمر لگ بھگ بیس سال بنتی ہے ——

اس کے علاوہ ساری باتیں عقل و منطق پر بار ہیں جنھیں کسی قیمت پر قبول نہیں کیا جا سکتا —— حضرت عائشہ کے مطلقہ ثابت ہو جانے کے بعد دنیا کا کوئی عقلمند نہ ان کو کنواری کہنے کی جرارت کرے گا اور نہ کسی قسم کا فخر کر سکے گا۔

فسوں گر مورخین نے چاہا تھا کہ حضرت عائشہ کو کنواری ثابت کر کے ان کو ازواج نبی پر فضیلت دیدی جائے۔ دوسری کوئی بیوی تو نہیں لیکن حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی جلالت قدر اور عظمت کردار سے بہر حال مورخین خوفزدہ تھے انھیں فکر تھی کہ حضرت عائشہ کو ام المومنین خدیجہ طاہرہؓ پر کس طرح فوقیت دی جائے۔ اس سلسلہ میں پہلی کارروائی تو یہ کی گئی کہ خدیجہ طاہرہؓ کو بیوہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی اور پھر حضرت عائشہ کو کنواری، کمسن اور خوبصورت ثابت کیا گیا۔

حضرت عائشہ کنواری نہیں بلکہ جبیر بن مطعم کی مطلقہ تھیں ابن سعد جیسے قابل اعتماد مورخ اسلام کا یہ بیان ہزار تدبیروں کے باوجود تاریخ میں رہ گیا —— تاکہ شہزادی عرب خدیجۃ الکبریٰ پر برائے نام بھی کسی اور کو فوقیت یا فضیلت نہ حاصل ہو سکے —— اس روایت نے کمسنی کے اس نقشہ کو بھی مٹا ڈالا جسے مورخین نے حضرت عائشہ کی زبانی تیار کیا تھا —— کمسنی اور خوبصورتی کا وہ گھناؤنا ذکر جو مورخین کی سیرت بن چکا ہے وہ بھی اب ناقابل برداشت ہے یہاں لینے

میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن و جمال کی دولت ملی تھی۔ لیکن غلط انداز سے بے سروپا بات کا اشتہار ہرگز مستحسن نہیں کہا جا سکتا ہے۔

یقیناً اس قسم کے تذکروں سے مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کو صدمہ ہوتا ہوگا اور پھر غیر مسلموں کو مذاق و استہزاء کا بھرپور موقع ملتا ہے۔ بے حیا انسان اللہ کے محبوب نبیؐ پر ہوس پرستی کا الزام عائد کرتا ہے اس لئے بدرجہ مجبوری ہم اس امر کی تحقیق پر بھی مجبور ہو گئے تاکہ آئندہ سے لغو باتوں کا تذکرہ بند کر دیا جائے۔ ہم کو یقین ہے کہ حضرت عائشہ کا رنگ بہت صاف تھا ہم اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو "حمیرا" کے نام سے یاد کیا۔ لیکن خوبصورتی صرف رنگ سے تو نہیں پیدا ہوتی محض گورے چٹے ہونے سے کوئی آدمی حسین و جمیل نہیں کہا جا سکتا ——— عباس محمود العقاد کی تحریروں سے ہم حضرت عائشہ سے متعلق مورخین اسلام کی داستانِ حسن و جمال کے تار و پود کو بکھیرتے ہیں ——— مورخ موصوف لکھتے ہیں:

"حضرت عائشہ کا بچپن بیماریوں میں گزرا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس برس کی عمر میں انھیں بخار آیا جس سے ان کے تمام بال جھڑ گئے۔ بعد میں ان کی صحت ٹھیک نہیں رہی اور وہ اکثر بیمار رہا کرتی تھیں۔" (عائشہ ص۱۱۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے

وہاں کی آب وہوا بیحد خراب اور گندی تھی (عائشہ صلا ۱۲) اس وبا کا اثر حضرت عائشہ پر بھی ہوا اور وہ بھی ملیریا میں مبتلا ہوگئیں بعد میں بھی اس کا اثر بالکل زائل نہ ہو سکا اور بیماری کے حملے بار بار ہوتے رہے" (عائشہ صلا ۱۲۴)

یہی عربی مورخ دوسری بات بالکل چونکا دینے کے سے انداز میں کہتا ہے:

"حضرت عائشہ کی بیان کردہ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شدید بخار کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے چنانچہ منجملہ دیگر روایات کے ایک روایت یہ بھی ہے ایک مرتبہ انہوں نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "تم میں سے جس عورت کے بال ہوں وہ انھیں سنوار کر رکھے"

ایک سطر بعد مورخ مذکور حیرت ناک بات کہہ کر ہماری معلومات میں مزید اضافہ کرتا ہے۔

"جن کے واقعات پڑھ کر یہ علم بھی ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ جہیر الصوت تھیں" (عائشہ مترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی ص۵۵)

ان تحریروں کو اگر متشکل کیا جائے تو ایک ایسی تصویر کی شکل نظروں کے سامنے موجود ہوگی جس کے سر پر بال نام کو بھی نہیں جو مستقل بیمار رہتی ہے اور جس کی آواز بہت موٹی (گونج دار) ہے کیا زنانہ حسن وجمال کے لئے گنجا ہونا، دائم المرض ہونا یا جہیر الصوت ہونا کمال ہے کیا ایسی عورت خوبصورت کہی جائے گی؟ ہم ان چیزوں کے لکھنے پر مجبور تھے کیونکہ غیر مسلم مورخین بالخصوص مغربی مستشرقین حضور علیہ السلام پر گندے اور ناپاک الزامات عائد کرتے ہیں جسے کوئی غیرت دار مسلمان بہرحال برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے

حضرت مرسل اعظمؐ کی طرف سے بحیثیت ایک مسلمان کے مجھے بتانا ضروری تھا کہ ہادیٔ اکبرؐ نے حضرت عائشہ سے ان کے حسن وجمال کی وجہ سے شادی نہیں کی تھی ——— سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ نے شادی کیوں کی۔ تو ہم اس سے پہلے حضورؐ کی شادیوں کے وجوہ پر روشنی ڈال چکے ہیں یہاں بھی ذکر آگیا تو پھر عباس محمود العقاد کی زبانی بھی سن لیجئے انھوں نے فلسفہ عقد رسولؐ کو آئینہ بنا دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس کا سبب جہاں تک ہماری سمجھ میں آسکا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی خاطر اپنی ازواج سے نکاح نہیں کئے حضورؐ کے نکاح بالعموم دو اغراض کے تحت ہوتے تھے (۱) بعض عورتیں اپنے خاوند کی وفات کے بعد بالکل بے سہارا ہو جاتی تھیں حضور ان کی بیکسی اور بے بسی کا مداوا کرنے کے لئے ان سے نکاح کر لیتے تھے (۲) بعض ازواج سے نکاح کرنے میں یہ غرض پنہاں تھی کہ حضور ان کے قبیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ حضور کی بیشتر ازواج آپ کے عقد میں آنے سے قبل مصائب اور خطرات کے طوفانوں میں سے گذر چکی تھیں" (عائشہ ص۱۱۸)

شہزادیٔ عرب جناب خدیجہ طاہرہؑ مورخ کے اس بیان کردہ اغراض سے بلند وبرتر ہیں۔ سیدہ خدیجہؑ کے علاوہ دیگر ازواج بشمول حضرت عائشہ اغراض عقد کی انھیں مذکورہ دونوں قسموں میں سے کسی ایک میں آتی ہیں اسی لئے ہم نے ابتدا ہی میں یہ بات کہہ دی تھی کہ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی ایک شادی ہوئی جوان مذکورہ اغراض عقد سے پاک صاف اور بلند وبرتر تھی ـــــــ ہادیٔ اکبرؐ کی یہ شادی خداوند عالم کی مرضی، مشیت، حکمت، ارادے اور اسی کے اہتمام وانصرام اور تصرف ونگرانی میں ہزاروں لازوال خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ بحسن وخوبی شہزادیٔ عرب سیدہ خدیجہؑ کے ساتھ ہوئی۔ حضورؐ کی اس پہلی شادی نے عقد کے جملہ مقاصد و اغراض کو کما حقہ پورا کر دیا۔ اس لئے اس کے بعد کے دوسرے سارے نکاح اور پیمان کئے ہوئے دو اغراض میں سے کسی ایک کے تحت ہوئے تھے حضرت عائشہ کے ساتھ کس غرض سے شادی کی گئی تھی؟ ــ اگرچہ اس کا بیان کرنا ہمارے فرائض سے نہیں ہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ام المومنین عائشہ کو یہ فخر حاصل رہا ہے کہ آپ سے شادی کرنے میں غرض کی دونوں قسمیں پیش نظر تھیں اس لئے کہ معظمہ کے دادا بھائی اور دوسرے اعزہ اس وقت تک کافر تھے اور جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کو بھی اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام کی صداقت پر ابھی یقین نہیں ہوا تھا ـــــــ معظمہ حضرت عائشہ کی پہلی شادی جہاں ہوئی تھی وہاں ان کو بیحد تکلیف تھی۔

تاریخ کے بیان سے قطع نظر عقل بھی اس تکلیف واذیت کو محسوس کرتی ہے جس کا سامنا حضرت عائشہ کو اپنے پہلے شوہر جبیر کے ہاں ہوا۔ اگر تکالیف ومصائب کا انھیں سامنا نہ ہوتا تو ہرگز ایک اشارہ پر وہ شوہر کو چھوڑ کر دوسرے عقد کے لئے تیار نہیں ہو سکتی تھیں ـــــــ ان حالات نے حضرت ابوبکر کو کافی فکرمند اور پریشان کر دیا تھا اس لئے مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کو اس عظیم قربانی کے لئے پیش کر دیا تاکہ تبلیغ کے لئے مزید سہولتیں فراہم ہو سکیں۔

راہِ حق و تحقیق

تاریخ کی روشن حقیقت پر بد دیانت مورخین نے کچھ اس طرح مجاز کا دبیز پردہ ڈال رکھا ہے جس سے اچھے اچھے سمجھ دار بھی فریب میں مبتلا ہو گئے۔ مورخین کی متفقہ یلغار نے صاحبان عقل و شعور کو بھی بے دست و پا کر دیا۔ اور پوری ملت اسلامیہ نے باور کر لیا کہ محسنۂ اسلام خدیجہ طاہرہؑ مرسل اعظمؐ کے عقد میں آنے سے پہلے دو بار بیوہ ہو چکی تھیں اور یہ کہ ان کے پہلے شوہروں سے اولادیں بھی تھیں۔ مسلسل سلاطین اور شاہان زمانہ کے متشددانہ طرز عمل اور بربریت نوازیوں نے اور بھی غضب کیا۔ کسی محقق اور مبصر کو اس امر کی آزادی ہی نہ تھی کہ وہ حق بات کا اعلان کر سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخی کذب و افترا کے پلندوں کو حقائق و معارف کا ذخیرہ سمجھا جانے لگا۔

اس کے باوجود تاریخ کی اس روشن حقیقت کی چمک دمک کچھ اتنی جاذب نظر تھی کہ ذرا تامل اور غور و فکر کے بعد مجاز کا پردہ تار تار ہو جاتا اور حقیقت نظروں کے سامنے آجاتی ہے ــــ ساون کی تاریک راتوں میں جیسے کبھی کبھی کہیں کہیں بادلوں کے ہزاروں من بوجھ کے نیچے دبے ہوئے مسکراتے ستارے نظر آجاتے ہیں اسی طرح کذب و افترا کی خاک کے نیچے دبی ہوئی یہ حقیقت بھی کبھی کبھی اور کہیں کہیں چمک چمک کر جویائے حقائق کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور غالباً حقیقت کی اسی مدھم روشنی نے پوری ایک جماعت کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ

اعلان کر دیں کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؑ کی دوسری کوئی شادی نہیں ہوئی تھی مرسلِ اعظمؐ کے ساتھ ان کا پہلا عقد تھا۔ شہزادی عرب خدیجہ طاہرہؑ کا مرسلِ اعظمؐ سے جب رشتہ طے ہوگیا تو عقد سے پہلے خانہ کعبہ میں خدیجہ طاہرہؑ کے عقد کے منتظم اعلیٰ جناب ورقہ بن نوفل نے روساء عرب شرفاء مکہ اور بزرگانِ قریش کو مدعو کیا جن میں صلت بن ابی یہاب، ولید بن الحجاج، ہشام بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عثمان بن مبارک عمیری، اسد بن غولیب الدارمی، عقبہ بن ابی محیط، امیہ بن خلف ابوسفیان بن حرب اور دوسرے سارے سربرآوردہ مشہور و معروف لوگ موجود تھے۔ ان تمام صنادید قریش امراء مکہ اور چوٹی کے لیڈروں کو خطاب کرتے ہوئے عالم کتب سماوی ورقہ بن نوفل نے فرمایا:۔

یا معشر قریش یا جمیع من حضرنی انی اسئلکم ما تقولون فی خدیجہ بنت خویلد؟۔ فنطق العرب باجمعھم فقالوا بخ بخ لقد ذکرت واللہ اشرف الاوف و النسب الاعلیٰ والرای الازکیٰ ومن لا یوجد لھا نظیر فی نساء العرب

اے (محترم) گروہ قریش اور اے (معزز) حاضرینِ بزم! میں آپ حضرات سے ایک سوال کرتا ہوں (پوری آزادی سے آپ اس کا جواب دیں) فرمائیے آپ حضرات خدیجہؑ بنت خویلد کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ ——
ان تمام عربی سرداروں، امیروں اور رئیسوں نے یک زبان آواز دی: واہ واہ، سبحان اللہ آپ نے تو ایسی خاتون کا ذکر کیا ہے جو فضل و شرف کے اعتبار سے بہترین اور حسب و نسب کے اعتبار سے

والعجم ـــــــ فقال اتحمدون ان تكون بلا بعل فقالوا ليس بواجب وقد وجدنا الخطاب لها كثيرا وهي تابي ۔

(بحار الانوار جلد ۷ ص۱۱)

بلند و برتر ہے وہ صاحب الرائے اور عمدہ فکر و شعور کی مالک ہے عرب وعجم کی عورتوں میں کوئی بھی اس کا جواب و نظیر نہیں وہ بے مثل و بے عدیل ہے ـــــ" (ورقہ نے پھر پوچھا) کیا تم پسند کرتے ہو کہ وہ (اسی طرح) بغیر شوہر کے زندگی بسر کر دیں؟ ـــــ ان لوگوں نے کہا نہیں ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے ان سے رشتہ کے خواہشمند افراد بہتیرے ہیں لیکن وہ تو خود ہی کسی کو پسند نہیں کرتیں اور سب کو نفی میں جواب دیتی ہیں۔"

جہاں عرب سرداروں کے جواب سے شہزادی اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے فضائل و مناقب اور ان کے مراتب و محامد پر بھرپور روشنی پڑتی ہے کہ یقیناً اس دور میں عرب و عجم ـــــ جہاں تک ان سرداروں کی نظر تھی ـــــ کی عورتوں میں جناب خدیجہؑ کا کوئی جواب نہ تھا۔ ہمہ جہت عرب کی شہزادی بے مثل و بے نظیر تھی ـــــ وہاں یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اب تک جناب خدیجہ طاہرہؑ عذراء کنواری اور بن بیاہی تھیں۔ اگر عرب کی یہ شہزادی دو دفعہ کی بیاہی اور بیوہ ہوتی تو کسی قیمت پر جناب ورقہ بن نوفل اتنے بڑے مجمع کے سامنے یہ نہ کہتے کہ "کیا تمھاری مرضی یہی ہے اور تم یہی چاہتے ہو کہ خدیجہ بنت خویلد بغیر شوہر کے

زندگی بسر کر دیں" ——— اتحمد ون ان تکون بلا بعل ———
یہ فقرہ خود بتاتا ہے کہ اب تک جناب خدیجہؑ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اگر جناب خدیجہ طاہرہؑ دو دفعہ کی بیاہی اور بیوہ ہوتیں اور ورقہ بن نوفل ایسا کہتے تو عرب سرداران کو کچھ اور ہی جواب دیتے ——— کسی ایسی عورت کے لئے جس کی دو دفعہ شادی ہو چکی ہو اور وہ دو دفعہ بیوہ ہو چکی ہو صاحب اولاد بھی ہو۔ اس کے لئے اس طرح کا اعلان کیا جائے عقل اس امر کو تسلیم نہیں کرتی۔ دو شوہروں کے ساتھ زندگی بسر کر چکنے کے بعد اس طرح ایک تیسرے رشتہ کا اعلان کوئی عورت خود اس کو اپنے لئے پسند نہیں کرے گی چہ جائیکہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی نجیب ترین عورت ———
یہ تقریر دراصل اس بات کے اعلان کے لئے تھی کہ وہ شہزادی جس نے اب تک ہزاروں رشتوں کو ٹھکرایا ہے اس نے اپنے لئے کائنات کے بہترین انسان کو منتخب کر لیا ہے۔

جناب خدیجہ طاہرہؑ نے جب خود براہ راست مرسل اعظمؐ سے اس مبارک رشتہ کی پیش کش کی تو اپنی تقریر کے دوران اس حقیقت کا تذکرہ بھی کیا کہ اگر آپ نے مجھ سے شادی کر لی تو

یحسدك علیها جمیع الملوك والعرب۔ (بحار الانوار جلد ۶ ص۱)	آپ پر سلاطین و رؤساء عرب حسد کریں گے۔

سمجھ میں بات نہیں آتی کہ ایسی عورت جو دو دفعہ کی بیوہ ہو جب وہ تیسری شادی کرے تو اس کے تیسرے شوہر کو زمانہ کے مالدار، دولتمند، رؤساء اور

شرفا و سلاطین رشک و حسد کی نظروں سے کیوں دیکھیں آخر اس کی وجہ؟ اور جب آج یہ تیسرا شوہر رشک و حسد سے دیکھا جا سکتا ہے تو دوسرا اور پہلا شوہر؟ اور پھر بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسری بار شادی کے لئے پورا عرب ہی نہیں بلکہ یمن و طائف تک کے صاحبان دول خواہشمند ہیں تو دوسرے اور پہلے شوہر تو اس وقت کی دنیا کے سب سے بڑے لوگ رہے ہوں گے جن کا مقابلہ اس دور کے روسا و امرا نہیں کر سکتے تھے۔ اور خدیجہؑ سے شادی کے بعد ان دونوں شوہروں کو یکے بعد دیگرے پورے عرب معاشرہ اور سماج میں رشک و حسد سے دیکھا گیا ہوگا۔ گلی کوچوں میں بس انھیں کا ذکر ہوگا ہر گھر میں انھیں خوش قسمت انسانوں کے تذکرے ہوتے ہوں گے؟

لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ شادی سے پہلے اور پھر شادی کے بعد ان دونوں خیالی شوہروں کا تاریخ میں کوئی تذکرہ بھی نہیں ملتا نہ مورخین اسلام کے ان دونوں شوہروں کا تذکرہ سلاطین کے باب میں ہے نہ روسا و امرا کی فہرست میں۔ نہ بزرگان قریش کے ذیل میں ان کا کہیں ذکر آتا نہ شرفاء کے ساتھ تاریخ ان کا نام لیتی۔ نہ یہ بہادروں میں ملتے نہ شہسواروں میں ان کا شمار نہ علما کے ساتھ کیا گیا اور نہ خطباء کے ساتھ نہ ہی ان کی ولادت کا تذکرہ کیا گیا اور نہ ان کی وفات کا اول و آخر اگر ان کا نام کہیں ملتا ہے تو صرف اس اعتبار سے کہ یہ خدیجہؑ کے شوہر تھے اور بس۔

سخت تعجب ہے کہ عرب کی شہزادی نے اپنی دو شادیوں میں نہ اپنی پسند کا اعلان کیا اور نہ اپنے معیار کا نہ کفو ہونا دیکھا نہ ہم پلہ ہونا نہ شرافت و نجابت پر

من الخاص والعام من اهل
الآثار و نقلت الاخبار
ذكروا على انه لم يبق من اشراف
قريش و من ساداتها ورؤ
الجدة منهم الا من خطب
خديجة و رام تزويجها
فامتنعت على جميعهم من
ذلك فلما تزوجها رسول الله
غضب عليه نساء قريش
وهجرنها وقلن لها خطبك
اشراف قريش وامراؤهم
فلم تتزوجي واحدا منهم
و تزوجت يتيم ابي طالب
فقيرا لا مال له فكيف يجوز
في نظر ذوي الفهم ان تكون
خديجة يتزوجها اعرابي
من تميم ثم تمتنع على سادات
قريش واشرافها على ما وصفناه
ان يعلم ذوي التمييز والنظر ان

خاص وعام وہ اہل آثار ہوں یا ناقلین اخبار
سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ اشراف و
سرداران قریش میں سے ہر ایک نے خدیجہؓ سے
خطبہ کیا اور سب کی دلی خواہش تھی کہ اس کی
شادی خدیجہؓ سے ہو جائے لیکن خدیجہؓ نے
سب کی خواہشوں کو رد کیا اور بڑی سختی سے
پیغام ہائے عقد کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ جب
خدیجہؓ نے رسول اللہ سے عقد کیا تو قریش کی
عورتیں بہت برہم ہوئیں اور سب نے ترکِ تعلق کر
دیا اور کہنے لگیں کہ اشراف قریش اور متمول
لوگ منگنیاں لے لے کر آئے اور تم نے کسی
ایک سے شادی نہیں کی اور کی بھی تو یتیم
ابوطالبؑ جو تنگدست ہے جس کے پاس مال
نہیں ہے ۔۔۔ (اس حقیقت کے بعد)
صاحبان فہم کی نظر میں یہ بات کب درست ہو سکتی
ہے کہ (انھیں خدیجہؓ نے) ایک قبیلۂ تمیمی بدوی
سے شادی کر لی اور بڑے سادات قریش سے
انکار کر دیا جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا صاحبانِ فکر
و تمیز سمجھ لیں کہ یہ امر کہ جناب خدیجہؓ کی دوسری

هذا من ابين المحال و اقطع المقال ولما وجب هذا عند ذوی التحصیل وثبت ان خدیجة لم تتزوج غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم"۔
(قلمی ص۱۰۱ در ذکر عثمان)

کوئی شادی نہیں ہوئی تھی) حال دمقال کے طور پر بہت واضح ہے۔ اور صاحبان حق وتحقیق کے نزدیک واجب ہے کہ وہ اسی کو تسلیم کریں کیونکہ (اس سے) یہ ثابت ہوگیا ہے کہ خدیجہؓ نے سوائے رسول خداؐ کے کسی اور سے کوئی عقد نہیں فرمایا"۔

اس کے بعد دنیا کو اختیار ہے کہ وہ ایک شادی جو رسول اللہؐ سے ہوئی اس کا اقرار کرے یا اس کے علاوہ شادیوں کا بھی لیکن علامہ علی بن احمد ابوالقاسم الکوفی نے جو دلیل پیش کی ہے وہ ہر اعتبار سے مضبوط اور مستحکم ہے۔ اپنے اس بیان میں علامہ موصوف نے اپنے نظریہ کے تسلیم کئے جانے کے سلسلہ میں "صاحب نظر و تمیز" ہونے کی قید بہت عمدہ لگا دی ہے۔ آنکھ بند کر کے تاریخ کے ہر خشک و تر کو حقائق و معارف کا درجہ دینے والوں سے ہمیں کوئی شکوہ نہیں ہے۔

آج بھی بعض ارباب علم کا خیال ہے کہ اگر خدیجہ طاہرہؑ کی عمر چالیس سال اور رسول اللہؐ کے عقد میں آنے سے پہلے ان کی دو اور شادیوں کا اقرار کر لیا جائے تو کون سی قباحت پیدا ہوتی ہے؟ ـــــــ سوال کسی قباحت کے پیدا ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے۔ اصل مسئلہ حق و صداقت کا ہے ـــ یقیناً خدیجہ طاہرہؑ کی عمر کو چالیس سال اور مرسل اعظمؐ سے پہلے ان کی دو اور شادیوں کے ماننے سے شہزادی اسلام کے فضل و شرف میں کوئی کمی ذرہ برابر نہیں پیدا ہوتی لیکن علامہ ابوالقاسم کوفی کی پیش کردہ دلیل سے چشم پوشی کرنا عقل و

فہم پر بار ہے۔

فکرِ مستقیم اور وجدان سلیم کا ناطق فیصلہ یہی ہے کہ ایسی عظیم ملکہ کے لئے دو افسانوی شادیوں کا تصور بھی گناہ ہے۔ ایسے واہی خیالات سے بالغ نظری اور تمیز خصوصی کا خون ہوتا ہے۔

ناصر الملّۃ کا تحقیقی فیصلہ!

قول فیصل کے طور پر اس مسئلہ میں اب میں ایک تاریخی دستاویز پیش کرنے جا رہا ہوں میرے لئے یہ بات قابل فخر بھی ہے اور مناسب بھی ——— اس موضوع پر ابو الفضل اسحاق شمس العلماء سرکار ناصر الملت والدین محقق اعظم جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ سے سوالات کئے گئے تھے جن کے نہایت معقول مدلل و مبرہن جواب سرکار مرحوم نے تحریر فرمائے تھے۔ ملاحظہ ہوں:-

السوال — "جناب رسالتمآبؐ کی زوجہ یعنی خدیجہؑ جو اپنے ہمراہ اپنے شوہر اول کی دو صاحبزادیاں لائی تھیں ان کا کیا نام تھا اور وہ کتنی بڑی کی گئیں تو کس نے ان کا عقد کیا اور کس کے ساتھ کیا گیا اور وہ شخص کافر تھے یا مسلمان تھے اور وہ مسلمان کئے گئے تھے یا نہیں اور کس نے مسلمان کیا تھا یہ کس حدیث میں وارد ہے اور اس کتاب کا کیا نام ہے"؟

الجواب — "قول صحیح یہ ہے کہ جناب خدیجہؑ نے حضرت جناب رسالتمآبؐ سے

عقد کیا اور قبل ان جناب کے کوئی شوہران معظمہ کا نہ تھا۔ اور زینب و رقیہ و ام کلثوم جناب خدیجہؑ کی اصلی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ پروردہ تھیں اور زینب کا نکاح ابوالعاص سے ہوا جو اولاً کافر تھا بعد میں اس نے اسلام ظاہری قبول کیا۔ اور رقیہ و ام کلثوم کا عقد عتبہ ابن ابی لہب اور عتیبہ بن ابی لہب سے ہوا جو دونوں پہلے کافر تھے بعد میں عتبہ نے بنا بر ایک قول کے اسلام اختیار کیا زمان فتح مکہ میں اور بنا بر ایک قول کے وہ حالت کفر میں مر گیا۔

اور عتیبہ کے متعلق کوئی قول اسلام کا میری نظر سے نہیں گزرا اور یہ امور مختلف کتابوں کی روایات بطور تنقید و تحقیق جمع کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے مسائل سرویہ شیخ مفیدؒ و مناقب ابن شہر آشوب و کتاب المعارف ابن قتیبہ و ذیل المذیل طبری و اصابہ ابن حجر عسقلانی وغیرہم۔ واللہ اعلم۔

السوال: "جناب سید مرتضیٰ و جناب شیخ طوسی علیہما الرحمہ جناب خدیجہؑ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جناب خدیجہؑ نے کسی سے کوئی عقد نہیں کیا تھا بجز جناب رسالت مآبؐ کے اور وہ جناب باکرہ تھیں۔ دو صاحبزادے جن کا نام عبداللہ و قاسم تھا اور چار صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم اور زینب اور جناب فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا ان سے پیدا ہوئیں الی آخرہ۔ یہ روایت جناب سرکار کے نزدیک معتبر ہے یا نہیں اگر یہ روایت معتبر ہے تو کس سن میں جناب خدیجہؑ کا عقد ہوا اور تین صاحبزادیوں کا ان کا کہاں عقد ہوا۔ آیا وہی جو مشہور ہے یا اس میں بھی سید مرتضیٰ و شیخ طوسی علیہما الرحمہ

ام کلثوم کا عقد ہونا مختلف فیہ ہے۔ اور اس امر میں بہت اختلاف ہے جیسا کہ ابن شہر آشوبؒ کتاب المناقب میں تحریر فرماتے ہیں واما عثمان ففی تزواجہ خلاف کثیر (عثمان کی شادی کے سلسلہ میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں)

اور شیخ طبرسی علیہ الرحمہ نے جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہؑ کا عقد پہلے عتیق ابن عائذ مخزومی سے ہوا اور اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر دوسرا عقد ابو ہالہ اسدی سے ہوا اور اُس سے ایک لڑکا ہند بن ابی ہالہ پیدا ہوا اور تیسرا عقد جناب رسالت مآبؐ سے ہوا اور یہ قول درحقیقت واقدی کا ہے جو مورخین عامہ سے ہے اور ہشام ابن محمد ابن السائب الکلبی کا قول یہ ہے کہ پہلے عقد حضرت خدیجہؑ کا ابو ہالہ سے ہوا اور اس سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک ہند۔ دوسرا ہالہ اور بعد ابو ہالہ کے دوسرا عقد عتیق سے ہوا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ اور ہشام کلبی بھی مورخین عامہ سے ہے اور یہ دونوں قول باہم متناقض و متہافت ہیں۔ اور یہ قول کہ پہلے شوہر سے دو لڑکیاں ہوئیں اور دوسرے شوہر سے ایک لڑکی میری نظر سے کسی کتاب میں نہیں گزرا لیکن ممکن ہے کہ کسی نے ازراہ کثرت خلط وقلت ضبط ایسا لکھا ہو اس لئے کہ مورخین عامہ کے اقوال اس باب خاص میں بہت مختلف ہیں اور ناقلین کو اقوال مذکورہ کی نقل میں اکثر اوہام واقع ہوتے ہیں۔ کما لا یخفی علی ناظر الاستیعاب واسد الغابہ والاصابہ وغیرہا (جیسا کہ استیعاب

فی معرفۃ الاصحاب اسد الغابہ اور اصابہ فی تمیز الصحابۃ وغیرہا کو دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں) ۔

بالجملہ وہ اقوال عامہ جن سے حضرت خدیجہؑ کا قبل جناب رسالتمآبؐ کے اور دو شخصوں سے عقد کرنا اور ان دونوں سے اولاد کا ہونا ظاہر ہوتا ہے بالکل غیر معتبر ہیں اور قول صحیح یہی ہے کہ حضرت خدیجہؑ نے صرف جناب رسالتمآبؐ سے عقد کیا ۔ اور جب وہ عقد آنحضرتؐ میں آئیں تو عذرا تھیں جیسا کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے مسائل سرویہ میں ذکر فرمایا ہے اور یہی قول علامہ ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ نے احمد بلاذری اور ابوالقاسم کوفی اور جناب سید مرتضیٰ طاب ثراہ اور جناب شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے ۔ وقد سمعت لفظہ الشریف آنفا ۔

اور مخفی نہ رہے کہ احمد بلاذری جس کا نام سب سے پہلے ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا ہے اجلۂ حفاظ و مورخین متقدمین اہل خلاف سے اور یہ شخص صاحب تصانیف عدیدہ تاریخیہ ہے اور مخالفین کے نزدیک بہت معتبر و معتمد ہے اور اس کا ترجمہ فہرست ابن الندیم و تاریخ دمشق ابن عساکر و معجم الادباء یاقوت حموی و تاریخ حلب ابن العدیم وغیرہ میں مذکور ہے پس قول اس کا بلا ارتیاب و اشتباہ قول واقدی و قول کلبی پر مقدم ہوگا ۔ واللہ الہادی

ناصر حسین عفی عنہ

(جریدہ "الشہید" آگرہ جلد ۳ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ شمارہ ۳)

یقین ہوتا ہے کہ اگر شہزادی عرب سیدہ خدیجہؑ دو بار کی بیوہ ہوتیں تو پھر تیسری بار مرسل اعظمؐ کے ساتھ ان کا عقد نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس رشتہ کا مدار حتمی طور پر جناب ابوطالب علیہ السلام کی "ہاں" اور "نہیں" پر تھا۔ کیسے باور کر لیا جائے کہ اولاد سے زیادہ محمد مصطفیٰؐ کو چاہنے والے عربی سردار جناب ابوطالب اپنے ناز و نعم سے پالے ہوئے عزیز بھتیجے کو ایک ایسی خاتون کے ساتھ بیاہ دیں گے جو دو بار کی بیوہ اور صاحب اولاد ہو۔ جناب ابوطالبؑ کو مرسل اعظمؐ سے جو والہانہ محبت تھی اس کے پیش نظر ان سے اس امر کی توقع محال معلوم ہوتی ہے۔

اگر صورت واقعہ وہی تسلیم کر لی جائے جسے عموماً مورخین اسلام بیان کرتے ہیں تو جناب خدیجہؑ کی صحت و تندرستی اور حسن و جمال سے متعلق مورخین کا بیان قطعاً غلط ماننا پڑے گا۔ دو بار بیوگی کی شدید اور سخت دھوپ میں زندگی بسر کرنے والی خاتون اور متعدد اولادوں کی ماں ہرگز ویسی نہیں ہو سکتی جیسی جناب خدیجہؑ تھیں۔

غرض کہ عقل و نقل دونوں اس امر کے شاہد ہیں کہ جناب سیدہ خدیجہؑ جب رسول اللہؐ سے بیاہی گئیں تو آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیس سال کی تھی اور آپ کی یہ پہلی اور آخری شادی تھی ـــ اس کے بعد بھی اگر زمانہ اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے تصورات و نظریات کی تبلیغ پر سفید کا خذ کو سیاہ کرتا رہے۔ لیکن ان تاریخی مزخرفات سے جناب خدیجۃ الکبریٰ کی بلند و بالا شخصیت متاثر نہیں ہو سکتی

بے شک یہ موضوع کچھ اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا کہ اس سلسلہ میں گفتگو کو اس قدر طول دیا جاتا نہ اس موضوع پر کسی عقیدہ کا مدار ہے اور نہ ہی اس کے متعلق قبر یا محشر میں سوال وجواب کی نوبت آئے گی لیکن تاریخ نویسی کی دیانت اور عظمت سے قطع نظر خود ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کا مسلمانوں اور اسلام کی گردن پر جو عظیم احسان ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس کا احترام کریں۔ تقاضائے محبت یہی ہے کہ صحیح اور سچے حالات سے دنیا کو روشناس کرایا جائے اور اگر اس کے خلاف کچھ کہا جائے تو شدت سے اس کی مخالفت کی جائے۔ اور کہا جائے کہ عرب کی عظیم ملکہ کے عقد کے افسانوں کو ہرگز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں بلقیس یا زلیخا کے ناموں کو پیش کرنے کی دہائی بھی سودمند نہیں ہو سکتی۔ بے شک بلقیس و زلیخا جناب سلیمانؑ و جناب یوسفؑ کی زوجیت میں آنے سے پہلے دوسرے شوہروں کی زوجیت میں تھیں بلکہ ازواج مرسل اعظمؐ خود آنحضرتؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے دوسرے شوہروں کی زوجیت میں تھیں لیکن اس ضد میں کہ چونکہ یہ سب ازواج ایسی ہی تھیں لہذا جناب خدیجہؑ کو بھی ایسا ہی ثابت کیا جائے قابل ملامت حرکت ہے۔

شادی خانہ آبادی

خاتم النبیینؐ کے آنے کی دھوم عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تھی انبیاء ماسبق کی پیشینگوئیاں، عالمانِ دین، صاحبان بصیرت اور راہبانِ وقت کے ذریعہ ہر قوم وملت اور مرد و زن کے گوش گذار ہوتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے پورا عرب خاتم النبیینؐ کا ہمہ تن منتظر تھا ــــ شہزادی عرب کا نام صاحبانِ تحقیق وبصیرت کی فہرست میں سرفہرست آتا ہے۔ خدیجہؑ طاہرہ کا خاندان زمانۂ قدیم سے علم وعمل اور حکمت وادب کا گہوارہ رہا ہے اور اس وقت بھی کافی علمی چہل پہل موجود تھی ورقہ بن نوفل جیسے عالم ربانی اور محقق لاثانی کا وجود اس بات کا ضامن ہے کہ شہزادی خدیجہ دینی علوم کی حامل کتب سماوی اور صحف انبیاء کی پیشینگوئیوں سے آگاہ تھیں۔ عہدۂ نبوت اور منصب رسالت کی عظمتوں سے بھرپور واقف تھیں۔ آنے والے نبی کے لئے بطور پیشگوئی انھوں نے ابتک جو کچھ سُنا تھا اس سنے نبی سے ملنے کا خدیجہؑ طاہرہ کو مشتاق بنا دیا اور جب مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر پائے جانے والے صفات کا ذکر شہزادی تک پہونچا تو عاقلانہ جستجو کی تڑپ بڑھ گئی جو سُنا تھا اس کا تجربہ چاہتی تھیں۔ شام کے سفر سے واپسی پر میسرہ نے سیدہ خدیجہؑ کے سُنے ہوئے واقعات کی تصدیق کی کچھ معجزات وکرامات بھی ــــ جو اس کے مشاہدے میں آچکے تھے ــــ بیان کئے حیرت انگیز صداقت وامانت کا

تذکرہ کیا۔ حکیمانہ طرز اور عادلانہ مزاج کی مدح و ثنا کی ——— شہزادی نے ان حالات کو انبیاء ماسبق کی سیرتوں سے ملا ملا کر دیکھا اور پھر چشم دید حالات اور سُنے ہوئے واقعات کو جب ترتیب دیا تو سیدہ خدیجہؓ فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھیں جس کے لئے دُعا کرتی تھیں اس کو دیکھ لیا۔ انبیاء ماسبق جس کے لئے پیشینگوئیاں کر گئے تھے اور عالمانِ وقت ان پیشینگوئیوں کی روشنی میں جسے ڈھونڈھ رہے تھے وہ نبی اعظمؐ اس وقت خدیجہ طاہرہ کی کوٹھی میں بیٹھا تھا، مدت دراز سے جس نبیؐ سے ملنے کا شوق تھا خدیجہ طاہرہؓ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں، شہزادی جس خاتم النبیینؐ کی منتظر تھیں وہ نبیؐ منتظر اور وہ مرسلِ اعظمؐ حالات و واقعات کی روشنی میں قطعی یہی تھا۔ شہزادی کا دل گواہی دے رہا تھا خدیجہؓ جس کے لئے تم نے رؤساء عرب کو ٹکا سا جواب دیدیا، جس کے لئے تم نے امراءِ عرب کو ٹھکرا دیا اور جس کے اشتیاق میں تم نے شرفاءِ عرب کی درخواستوں کو رد کر دیا اے شہزادی یہ وہی نبی برحقؐ ہے، یہ وہی ہادیٔ اکبرؐ ہے، اسی لئے اپنے غلام میسرہ کو آزاد کر دیا کیونکہ اس نے اپنے بیان سے خدیجہ طاہرہؓ کے دل کو خنکی پہونچائی تھی اس کے بیان سے خدیجہ طاہرہؓ کے خیالات کی تصدیق ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ جگر کی پھانس بھی نکل گئی تھی ——— لیکن حکیمانہ بصیرت کی مالک شہزادی تمام تر علم و اطمینان و ایقان کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتیں۔ اس سلسلہ میں اپنے خیالات کو یکسو کرنے کے لئے عالمِ ربانی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، سارے حالات ان سے بیان کئے۔ حالات کو سُن کر ورقہ نے خدیجہؓ کو وہ بتایا، ان کا دل

جو پہلے سے بول رہا تھا۔ شہزادی وہاں سے ایک آہنی عزم اور پختہ ارادہ کے ساتھ اُٹھی۔ لیکن اپنے عزم و ارادہ کے اظہار کے لئے شہزادی عرب قوتِ اظہار کہاں سے لائے ———— ورقہ نے خدیجہ طاہرہ کو ایک دن ان کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ تمھاری شادی کسی نبی سے ہوگی۔ بس اس تعبیر نے طاہرہ کے عزم و ارادہ کو جلا بخشی اور انھوں نے قطعی اور حتمی فیصلہ کر لیا کہ میری بقیہ زندگی اب محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی خدمت میں بسر ہوگی۔

کون ہے جو شہزادی عرب کی نگاہ انتخاب کی داد دے سکے۔ ان کے اس آخری فیصلہ پر ان کو مبارکباد پیش کر سکے تاریخ خالی ہے کسی ایسی عورت کے ذکر سے جس نے کسی کی مدد و نصرت کے بغیر اپنے مستقبل کے لئے ایسا عاقلانہ فیصلہ کیا ہو۔ شہزادی نے حالات و واقعات سے نبوت کے کردار اور اپنی عقل خداداد سے یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ میرا رفیقِ حیات ختم نبوت کے عہدہ پر فائز ہونے والا" ہادیٔ اکبرؐ اور مرسلِ اعظمؐ" ہوگا وہی میرا حاکم بھی ہوگا اور وہی میری زندگی کا مالک بھی ———— مگر اپنے ارادے کے اظہار کا اچھا موقع تلاش کرتی رہیں۔

ادھر آمنہ کا لعل عمر کے پچیسویں سال میں قدم رکھ چکا تھا شفیق چچا ———— ابوطالبؑ ———— کی دلی تمنا ہے کہ میرے عزیز بھتیجے ———— محمد مصطفٰےؐ ———— کا گھر آباد ہو جائے۔ جہاندیدہ سردار بطحا کی ایمانی نظریں زکیہ طاہرہ سیدہ ملیکۃ العرب خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کرتیں۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق خود خدیجہ طاہرہ نے براہ راست پیغام عقد آنحضرتؐ کو دیا جسے حضورؐ نے تھوڑے پس و پیش کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی منظوری کی شرط کے ساتھ قبول فرمایا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خدیجہ طاہرہؑ کی ایک عزیزی سہیلی نفیسہ بنت منیہ — جن سے جناب خدیجہؑ کے دوستانہ تعلقات اور بے تکلفانہ مراسم تھے — انھوں نے دیکھا کہ عقد کے جتنے پیغام اور درخواستیں شہزادی کے پاس آتی ہیں وہ ان سب کو بنظر اہانت اور بپاسِ حقارت ٹھکراتی چلی جاتی ہیں کیا یہ عقد ہی نہیں کریں گی؟ یا ان کے معیار پر کوئی پورا ہی نہیں اُترتا آہستہ آہستہ ان پر یہ راز منکشف ہوا کہ شہزادی کسی نیک دل، اعلیٰ کردار، بلند اخلاق اور خدا پرست کو چاہتی ہیں ان کی نظروں میں مال و دولت، تخت و تاج اور جاہ و حشمت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ نفیسہ نے اس کا تذکرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ وہ نوجوان جو معاشی، اقتصادی اور مالی اعتبار سے بظاہر پریشان حال ہو جو اپنی شریفانہ زندگی کے بسر کرنے کے لئے تجارت کے جیسے شریف پیشہ میں ابھی ابھی آیا ہو قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک دم سے شادی کے مسئلہ پر ہاں کر دے گا۔ چنانچہ توقع کے مطابق نفیسہ کو آپ نے جواب دیا کہ وہ بہت مالدار شہزادی ہیں انھوں نے امراء و روساء کے پیغامات رد کر دیئے تو وہ مجھ سے شادی کرنے پر کیسے آمادہ ہو جائیں گی لیکن جناب نفیسہ نے امید دلائی اور کہا کہ وہ آپ کی مداح اور دل سے قدرداں ہیں تو آپ نے ان سے کہہ دیا کہ اگر تم کوشش کرنا چاہتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے لیکن یہ اجازت بھی حضورؐ نے اپنے شفیق چچا ابوطالبؑ کی رضامندی کے بعد دی تھی۔

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ شادی کے سلسلہ میں ابتداء جناب ابوطالبؑ نے کی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ

• حضرت ابو طالب نے اول صفیہ کو بھیج کر خدیجہؑ کا امتزاج لیا اور اس کی منظوری و خواہش کا اطمینان کر کے ابو طالب نے حضرت عباس و حمزہ وغیرہ چند اہل خاندان کے ساتھ خدیجہؑ کے باپ خویلد کے پاس بروایتے عمرو بن اسد خدیجہ کے چچا سے جا کر خواستگاری کی جس نے اول تامل و انکار کیا یہ لوگ غصہ میں چلے آئے خدیجہ کو یہ معلوم ہوا تو اس کو از حد ملال ہوا اور اس نے اپنے رشتہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل و بروایتے خزیمہ کو بلا کر ان سے اپنی خواہش اور منظوری درخواست حضرت کی ظاہر کی۔

(مرقع اسلام ص۲۳: سنہ ۱۳۴۶ھ)

ان روایتوں کو یکجا کر کے ان پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر جناب خدیجہ طاہرہؑ نے اپنے لئے یہ طے کر لیا تھا کہ میرے مستقبل کے مالک محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ادھر جناب ابوطالب علیہ السلام خدیجہ طاہرہؑ کو اپنے عزیز بھتیجے کے لئے پسند کر چکے تھے نفیسہ کے ذریعہ یہ بات ابوطالبؑ تک پہونچی کہ خدیجہ طاہرہؑ عادات و اطوار اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے رشتہ پسند کر رہی ہیں ان کو مال و دولت کی قطعی کوئی فکر نہیں ہے تو جناب ابوطالب علیہ السلام نے مزید اطمینان کے لئے صفیہ کو بھیجا تاکہ وہ خدیجہ کا امتزاج لے کر معاملہ کو یکسو کر لیں۔ صفیہ کی زبانی جناب ابوطالب علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ شہزادی عرب سلطان انبیاءؐ کے ساتھ رشتہ پسند کرتی ہیں تو باقاعدہ پیغام دینے کے لئے بنی ہاشم کے نامور اور باعزت اشخاص تشریف لے گئے ——— یہ سادات بنی ہاشم خدیجہ طاہرہ کے لئے پیغام عقد نہیں لے جا رہے تھے بلکہ وقار نسواں کے نگاہ

تاج میں شرافت و عظمت کا لعل شب تاب ٹانکنے جا رہے تھے۔ روایت میں جناب خدیجہؑ کے والد ماجد حضرت خویلد کا نام بھی لیا گیا جس سے مورخین کی مورخانہ دیانتداری کا بھرم جاتا رہتا ہے کیونکہ عموماً مورخین اسلام کا تقریباً اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جناب خدیجہؑ کے والد کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ چند مورخین ہیں جو اپنی بوالہوسی سرشت نہیں بدل سکتے۔ اس روایت میں دوحصہ قطعی ناقابل اعتنا و التفات ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عمرو بن اسد نے اوّل تامل اور انکار کیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شہزادی خدیجہؑ سے استمزاج کے بغیر وہ انکار کر دیتے جبکہ عمرو بن اسد ہاشمی شرافت و وقار سے بخوبی واقف تھے جن کے خاندان سے ہاشمی خاندان کے گہرے پرانے تعلقات اور میل مراسم اور دوستانہ تعلقات رہے ہیں وہ کبھی اس قسم کی اوچھی اور ذلیل حرکت کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔ اگر عمرو بن اسد کے بجائے کسی دوسرے کے ذریعہ پردہ نشین خاتون سیدہ خدیجہؑ نے اس رشتہ کو منظور کیا ہوتا اور عمرو بن اسد مخالف ہوتے تو نکاح میں شرکت کرتے اور نہ خطبہ نکاح پڑھتے۔

جناب خدیجہ طاہرہ کے والد ماجد حضرت خویلد کا بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا اور خطبہ نکاح جناب خدیجہؑ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے پڑھا اس تقریب سعیا میں عم خدیجہؑ عمرو بن اسد بھی مسرت و شادمانی کے ساتھ شریک رہے۔

ابو طالب با ورقہ گفت الناس من آنست کہ عم خدیجہ عمرو بن اسد با تو دریں خطبہ شریک باشد عمرو نیز دریں امر با ورقہ	جناب ابو طالب علیہ السلام نے ورقہ بن نوفل سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ خدیجہؑ کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے

ہوئی تو ان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ شادی کے وقت جناب خدیجہؓ چالیس سال کی تھیں ؟

اسی لئے ہم عام مورخین کا ساتھ دینے سے اپنے کو معذور پاتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں سکوت ہی بہتر ہے لیکن اگر خاموش رہنا کسی کو دشوار ہو تو اندازہ اور تخمینہ سے کسی کی عمر کے لئے کچھ کہنے سے بہتر یہ ہے کہ اس آدمی کے قول پر اعتبار کیا جائے جو اس سے قریب ہو۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے جناب خدیجہؓ کی عمر چالیس سال بیان کی ہے کسی کے پاس اندازہ اور تخمینہ کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے ہم ان مورخین پر اعتبار کرنے کے بجائے ابن عباس کے قول پر اعتبار کریں گے جو جناب خدیجہؓ کے عزیز قریب تھے کیونکہ انھوں نے جو بیان دیا ہے وہ اس گھر کا ہے جس میں جناب خدیجہؓ بیاہ کر آئی تھیں

بہرحال صحیح قول کی بنا پر اٹھائیس سال اور مشہور قول کی بنا پر چالیس سال تک مثلاً عرب شادی نہیں کرتیں۔ اس لئے نہیں کہ خود ان کو کوئی رشتہ نہیں ملتا تھا۔ پوری دنیائے عرب کے امراء و روساء دل و جان سے چاہتے تھے کہ ان کا رشتہ جناب خدیجہؓ سے ہو جائے لیکن وہ خود ہی تمام رشتوں کو ٹھکراتی چلی گئیں کوئی ایسا تھا ہی نہیں جو اس عظیم شہزادی کا کفو قرار پاتا۔

اکثر صنادید قریش [illegible] بودے [illegible] او [illegible] و عروض ونمود بروئے عرض کردند او بنا کحت

[illegible] سامنے اکابر قریش جناب خدیجہؓ کے ساتھ شادی کی آرزو ظاہر کرتے تھے اور اس سلسلہ میں درخواستیں بھی کر چکے تھے لیکن

ہیچیک از متمولان عرب و بازرگان با حسب و نسب راضی نمی شد۔
(روضۃ الصفا جلد ۲ ص۲۱۱ طبع لکھنؤ)

بلکہ عرب خدیجہ طاہرہ ان لوگوں کو حسب و نسب میں اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتی تھیں اس لئے کسی قیمت پر راضی نہیں ہوئیں۔

صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ

خدیجہ زنے بود صاحب جمال و عقل کامل و حزم و احتیاط تمام داشت و باکفایت بود از جملہ اشرف و انسب نساء قریش بود و مال وافر داشت و جمیع اشراف قریش حریص بودند بر نکاح او و اکثر وی را خطبہ کردہ بودند و دراں باب بذل اموال نمودہ خدیجہ قبول نکردہ بود۔
(روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۱۱۱)

جناب خدیجہؑ عقل و جمال اور حزم و احتیاط کی مالک خاتون تھیں شرافت و نجابت میں قریش کی عورتوں سے افضل و اعلیٰ اور بے پناہ مال دار تھیں۔ قریش کے تمام شرفا ان سے نکاح کے خواہشمند و حریص تھے کچھ لوگوں نے (تو ہمت کرکے) پیغام بھی دیا اور اس سلسلہ میں بہت سا مال خرچ کیا لیکن خدیجہؑ نے کسی ایک کو قبول نہیں کیا۔

کل قومها کان حریصا علیٰ ذالک منها۔
(سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص۱۲۱ طبع مصر)
(طبری جلد ۲ ص۱۹۶)

جناب خدیجہؑ کی پوری قوم ان سے نکاح کی خواہشمند و حریص تھی۔

صنادید قریش، شرفاء مکہ، امراء بطحا اور رؤساء طائف کی درخواستوں کو شہزادی اثقا میں ورد چالیس سال تک بپائے حقارت ٹھکراتی رہیں——

لیکن ان کے کسی بزرگ نے ان پر زور یا دباؤ نہیں ڈالا کہ تم فلاں سے شادی کرلو۔ تو عقل کیسے باور کرلے کہ آج جب سیدہ خدیجہؑ نے محمد الرسولؐ کو اپنا سرتاج بنانے کا اعلان کر دیا تو بزرگ چچا نے اس کی مخالفت کی ہوگی۔

عقیلہ عرب خدیجہؑ نے نبوت کے اس دُرِ بے بہا کو بڑی ہی جد و جہد اور کد و کاوش سے تلاش کیا۔ اسی چرخ رسالت کے نیرِ اعظم کے انتظار میں ملکہ عرب نے زندگی کے قیمتی دن گذار دیئے اور اللہ کے اسی محبوب کے شوق میں انھوں نے صنادید قریش اور شرفاء مکہ کی درخواستوں کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔

شروع شروع میں تو خدیجہ طاہرہؑ کو صرف اتنا معلوم ہوا کہ آخری نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کے یہ یہ صفات ہوں گے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً اس مبارک تذکرہ سے اشتیاق دید بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ عید کے موقع پر سیدہ خدیجہ طاہرہؑ عورتوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں ادھر سے ایک شخص یہ کہتا ہوا گذرا کہ عنقریب مکہ میں آخری نبی مبعوث ہوں گے خوش قسمت ہوگی وہ عورت اس نبی کے ساتھ جس کی شادی ہو جائے۔ کسی اور پر تو نہیں لیکن اس آواز کا سیدہ خدیجہ طاہرہؑ پر کافی اثر ہوا اور ملکہ عرب غور و فکر میں ڈوب گئیں۔

علامہ مجلسی نے کتاب الانوار ابوالحسن البکری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک روز ہادیٔ اکبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ خدیجہؑ کے محل کے نیچے سے گذر رہے تھے۔ کچھ عورتوں کے ہمراہ شہزادی اپنے بالاخانہ پر

تشریف فرما تھیں وہیں ایک عالم یہود بھی موجود تھا اس کی نظر آنحضرتؐ پر پڑ گئی اس نے خدیجہ طاہرہؓ سے گذارش کی کہ آپ انھیں بلوائیں ۔ جب مرسل اعظمؐ تشریف لائے تو اس عالم یہود نے قمیص ہٹا کر آثارِ نبوت کا مشاہدہ کیا اور سیدہ خدیجہؑ کو بتایا کہ واللہ یہ خاتم النبیینؐ ہوں گے ۔ بڑی خوش بخت ہوگی وہ عورت جس کے یہ شوہر اور جوان کی زوجہ ہو ۔ میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ آخری زمانہ میں نبی آخرالزماں مبعوث ہوں گے اس کے ماں اور باپ دونوں ہی کا اس کے عالمِ صغر سنی ہی میں انتقال ہو جائے گا ۔ اور اس کی کفالت اس کے دادا اور اس کے بعد اس کے چچا کریں گے ۔ اس کی شادی مکہ کی امیر ترین خاتون اور قریش کی عظیم ملکہ کے ساتھ ہوگی ۔ یہ کہہ کر اس عالم یہود نے جناب خدیجہ طاہرہؑ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میری ان باتوں کو یاد رکھنا اور کوشش کرنا کہ یہ شرف تمھیں کو نصیب ہو ۔ یہ کہہ کر اس نے یہ اشعار پڑھے :-

یا خدیجہ لا تنسی الا ان قولی	اے خدیجہؑ! اب میری بات کو گرہ میں باندھ لو (کبھی نہ بھولنا)
وخذی منہ غایۃ الموصولی	اور جو بات مجھ تک پہونچی ہے اس کو مجھ سے لے لو (سن لو اور یاد رکھو)
یا خدیجہ ھذا لنبیؐ بلا شک	اے خدیجہؑ! لاریب (یقیناً) یہ نبیؐ (آخرالزمان) ہیں
ھکذا قد قرأت فی الانجیل	(یہ سب) اسی طرح میں نے (اپنی کتاب) انجیل میں پڑھا ہے ۔

سوف یاتی من الالہ بوحی	عنقریب خدا کی جانب سے وحی کی باتیں پیش کریں گے
یجیئی من الالہ بالتنزیل	اللہ (ہی) کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب (قرآن) لائیں گے۔
ویزوج بذات الفخار فیضحی	اور وہ صاحب افتخار (بی بی تم سے) عقد کریں گے
فی الوریٰ شامخاعلی کل جیل	وہ تمام قبیلوں (بلکہ) تمام خلائق پر فائق و برتر ہو جائیں گے۔

(بحارالانوار جلد ۶ صفحہ ۱)

اس دوران مکہ کے ہر گھر میں مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم صداقت، دیانتداری، حسن مروت اور بہترین عادات و اخلاق کا شہرہ ہو چکا تھا۔ اُدھر جناب ابوطالب علیہ السلام جناب پیغمبر اسلام کی طرف سے فکرمند تھے کہ کس طرح عزیز بھتیجے کو برسر روزگار کیا جائے۔ بالآخر خدیجہ طاہرہؑ سے سردار بطحا نے گفتگو کی کہ وہ اپنا سامان تجارت مرسل اعظمؐ کو تجارت کی غرض سے دیں۔ خدیجہؑ کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے محمدؐ الرسول کا اسم گرامی سُنا چنانچہ انھوں نے جناب ابوطالب علیہ السلام کی سفارش کو بسر و چشم قبول کر لیا اور پھر سفر شام کی واپسی پر مرسل اعظمؐ کی شاہانہ سواری کا جو منظر خدیجہؑ نے بچشم خود دیکھا وہی کیا کم تھا کہ میسرہ نے روئداد سفر بیان کر کے قیامت کر دی۔ خدیجۃ الکبریٰؑ کے ایمان و ایقان خوشیوں اور مسرتوں میں دہ چند اضافہ ہو گیا اور فرط مسرت میں شہزادی عرب نے فرمایا

یا میسرہ لقد زدتنی شوقاً الی محمد اذھب انت حر لوجه الله وزوجتك واولادك ولك عندی مأتا درھم وراحلتان وخلعت علیه وقد امتلا سرورا وفرحا۔
(بحار الانوار جلد ۶ ص۱۰)

میسرہ! تو نے میرے اشتیاق میں اضافہ کیا جذبات عقیدت ومحبت میں زیادتی کی میرے دل کو مسرت وشادمانی سے بھر دیا لہذا جا میں تجھ کو تیری زوجہ اور اولاد کو راہِ خدا میں آزاد کرتی ہوں دو سو درہم دو سواریاں بیش بہا خلعت تیرا انعام ہے۔

اپنے غلام میسرہ کی زبانی سُنے ہوئے واقعات، معجزات وکرامات، راہبوں کی پیشینگوئیاں صحف آسمانی اور کتب سماوی کی متواتر ومسلسل خبریں، اپنا خواب اور پھر چشم دید حالات نے شہزادی عرب کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس سلسلہ میں وہ خود محبوب خدا سے گفتگو کر کے قسمت آزمائی کریں گی۔

سفر تجارت سے واپس آنے کے بعد دوسرے دن جب مرسل اعظم خدیجۃ الکبریٰ کے ہاں تشریف لے گئے تو باتوں باتوں میں ہمت کر کے سیدہ خدیجہؑ نے فرمایا

"میرے سردار! اگر آپ کی مرضی ہو تو میں نے آپ کے لئے ایک اچھی سی عورت کو پسند اور منتخب کیا ہے وہ مکہ ہی کی ہے آپ کے قوم سے ہے۔ بڑی مالدار ہے صاحب حُسن وجمال ہے اور کمالات کی بلندیوں پر فائز ہے بڑی عفیفہ اور بے حد سخی ہے۔ حیادار اور طاہرہ ہے ......

نسب میں وہ آپ سے بہت زیادہ قریب ہے یحسدك علیھا جمیع الملوك والعرب اس کی وجہ سے سارے سلاطین اور

رؤساء عرب آپ سے حسد کرنے لگیں گے !!

جناب خدیجہؓ نے بڑی صفائی سے نام لئے بغیر اپنا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ کہنا تھا وہ سب کچھ کہہ دیا اور مرسلِ اعظمؐ یقیناً سب کچھ سمجھ گئے ہوں گے مگر اس کے باوجود وضاحت طلب کرتے ہوئے نام پوچھا اور خدیجہؓ نے بے انتہا خلوص و محبت سے فرمایا :

هي مملوكة خديجة ...... انت والله لی حبيب و انی لا اخالف لك امرا	وہ کنیز یہ خدیجہ ہے ..... بخدا آپ میرے حبیب ہیں میں آپ کے احکام کی کبھی مخالفت نہیں کروں گی ۔

ظاہر ہے یہ موقع کسی رشتہ کے طے کرنے کا نہیں تھا اور نہ مرسلِ اعظمؐ کسی ایسی بات کے لئے تیار تھے یکایک جو بات جناب خدیجہؓ نے پیش کر دی تھی ایسے حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا وقت اور حالات بھی ابھی اس کے لئے تیار نہیں تھے مرسلِ اعظمؐ نے نہایت حکیمانہ جواب دیا :

"میرے چچا کی بیٹی ! تم مالدار اور صاحب ثروت و جائداد عورت ہو اور میرے پاس تو جو تم نے دیا ہے اس کے علاوہ مالِ دنیا سے کچھ بھی نہیں ہے مجھ کو تو میری ہی طرح کی ایک عورت کی ضرورت ہے جس کا حال میرے ہی جیسا اور جس کے پاس مال بھی میرے ہی اتنا ہو وانت ملكة لا يصلح لك الا الملوك اور تم تو ایک شہزادی ہو بہتر ہے کہ تمہارا شوہر کوئی بادشاہ اور صاحب تخت و تاج ہو نہ کہ مجھ جیسا تنگدست !!

مگر جناب خدیجہؓ نے تو یہ طے کر لیا تھا کہ میرا رفیق زندگی محمد رسول کے علاوہ

کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا انھوں نے تو شاہوں کی درخواستوں کو ٹھکرا دیا تھا رئیسوں اور امیروں کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا صرف اسی لئے کہ وہ کسی کو اپنا ہمسر اور کفو نہیں سمجھتی تھیں اس بافہم ملکہ نے قطعی اور حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب " ملکہ اسلام " بنیں گی۔ اس لئے مرسل اعظمؐ کے جواب میں فرمایا:

"اگر آپ کے پاس مال کم ہے تو میرے پاس بہت زیادہ ہے اور جب میں آپ کی ہو چکی تو میرا سب کچھ آپ کا ہے۔ میں، میرا مال، میرے نوکر چاکر اور جو کچھ میرے پاس آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب کچھ آپ کا ہے۔" (بحار ج ۹ ص۱۰۰)

مرسل اعظمؐ وہاں سے اٹھے اور شفیق چچا جناب ابوطالب کے پاس آئے اور پوری سرگذشت بیان کر دی۔ جہاندیدہ سردار عرب، خدیجہؑ کو بھی جانتے تھے اور اپنے بھتیجے کی مالی حیثیت کو بھی۔ انھیں معلوم تھا کہ خدیجہ وہ بی بی ہیں جن سے ملوک و روسا عرب صنادید قریش سادات بنی ہاشم شاہان یمن اور اکابرین طائف شادی کے خواہشمند ہیں لیکن اس خاتون نے کسی سے رشتہ پسند نہیں کیا تو غریب و نادار بھتیجہ جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ سامان تجارت۔ کیا وہ میرے بھتیجے کو پسند کریں گی؟

ابو لہب نے شدید مخالفت کی اور جناب ابوطالب کو رائے دی کہ آپ ایسی غلطی ہرگز نہ کیجئے گا محمدؐ خدیجہؑ کے لئے کسی اعتبار سے موزوں نہیں ہیں۔ ابولہب کی اس رائے پر جناب عباس کو بیحد غصہ آیا اور ابولہب کو ذلیل اور رذیل تک کہا اور رائے دی کہ پہلے خدیجہؑ کا عندیہ معلوم کیا جائے۔

چنانچہ جناب صفیہ اس کے لئے روانہ کی گئیں۔ جناب خدیجہؑ نے صفیہ کی بڑی آؤ بھگت اور عزت کی ان کو خوش آمدید کہا۔ صفیہ جس مقصد کے لئے گئی تھیں بحمد اللہ اس میں وہ کامیاب رہیں جناب خدیجہؑ نے اقرار کیا کہ میں نے آپ کے بھتیجہ کو اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اور جب صفیہ رخصت ہو کر چلیں تو ان کو شہزادی عرب نے ایک فاخرہ خلعت مرحمت فرمایا۔ خوشی خوشی جناب صفیہ آئیں اور سب کو خوشخبری سنائی۔ اس کے بعد باقاعدہ جناب ابوطالبؑ ہاشمی دانشمندوں اور نوجوانوں کے ہمراہ خدیجہؑ کے مکان پر آئے اور یہ رشتہ طے ہو گیا۔

بے پناہ خوشیوں اور لازوال مسرتوں کو لئے ہوئے وہ صبح نمودار ہوئی جس دن خاتم الانبیاءؐ کو چاہنے والے چچا ابوطالبؑ نے اپنے ہاتھوں سے دولھا بنایا۔ نوشاہ اسلام کو جناب عبدالمطلبؑ کی تاریخی قمیص یا خلیل خداؑ کا پیراہن پہنایا گیا دوش پر جناب الیاسؑ کی ردا ڈالی گئی سر پر سیاہ ہاشمی عمامہ رکھا گیا عبدالمطلبؑ کی نعلین پائے اقدس میں پہنائی گئی جناب ابراہیمؑ یا جناب شعیبؑ کا عصا ہاتھ میں دیا گیا انگشت مبارک میں عقیق سبز کی انگشتری پہنائی گئی۔ سرداران قریش، بزرگان مکہ، دانشمندان بطحٰی، سادات اور نوجوانان بنی ہاشم برہنہ شمشیریں علم کئے ہوئے باوقار انداز میں سرتاج انبیاءؐ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے شہزادی عرب خدیجۃ الکبریٰؑ کی لق و دق کوٹھی کی جانب روانہ ہوئے۔ اس بارات پر رحمت الٰہی سایہ فگن تھی۔ سیارہ و ثوابت تصدق اتر رہے تھے۔

کہکشاں نثار ہو رہی تھی، بہاریں پھول برسا رہی تھیں، ارواح انبیاء دعائیں دے رہی تھیں، ملائکہ فرطِ مسرت سے جھوم رہے تھے، اسلام مسکرا رہا تھا —— ہزارہا مسرتوں اور دعاؤں کے سایہ میں یہ قافلہ آہستہ آہستہ سکون و اطمینان اور عظمت و وقار کے ساتھ منزل سے قریب تر ہو رہا تھا۔

ادھر شہزادی عرب خدیجہ طاہرہؑ نے بے حد و بے حساب مومی شمعوں اور فانوسوں، زر و جواہر اور مختلف رنگوں کے پردوں اور فرشوں سے اپنے گھر کو جنت ارضی میں تبدیل کر دیا تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کو مختلف اللون حریر و دیبا کے کپڑوں سے آراستہ کیا، ہر ایک کو قیمتی پوشاکوں اور خلعتوں کے پہننے کا حکم دیا، کنیزوں کے سر کے بالوں کو لولو و مرجان سے آراستہ کیا، سونے کے ہار جن میں نگینے اور جواہر لگے تھے ان کو پہنائے گئے تھے۔

اسلام کی ہونے والی شہزادی اور ام المومنین کا الٰہی و قرآنی خطاب پانے والی دلہن کو کس طرح آراستہ کیا گیا ہو گا کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ بہترین کام کئے ہوئے منقش کپڑوں میں وہ ملبوس تھیں سرِ منور پر عمدہ سونے کا تاج تھا جس میں مختلف النوع موتی اور جواہر جڑے ہوئے تھے اور وہ بے پناہ زیورات سے آراستہ و پیراستہ تھیں، پیروں میں قیمتی لاجواب بے مثل و بے نظیر سونے کے خلخال تھے جس میں جابجا بے حد و بے انتہا فیروزے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔

(بحار جلد ۹، ص۱۱۲)

بارات جب جناب خدیجہؑ کے دروازے پر پہونچی تو خدیجۃ الکبریٰ کی

پوری کوٹھی بقعۂ نور بن کر آنے والے مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کر رہی تھی۔

معزز مہمانوں کی ضیافت کے لئے مختلف قسم کے کھانوں، میوہ جات اور مشروبات کا انتظام کیا گیا تھا۔ بے شمار زرنگار کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ معزز اور باوقار سرداروں کے لئے چند کرسیاں قدرے بلندی پر رکھی گئی تھیں اور ایک بہت ہی قیمتی کرسی سب سے بلندی پر رکھی گئی تھی ——— جب کاروان سادات بنی ہاشم اور معززین شہر شہزادی عرب کے جگمگاتے ہوئے محل کے سامنے پہونچا تو اُس وقت جناب عباس و جناب حمزہ شمشیریں علم کئے ہوئے مرسلِ اعظمؐ کے داہنے اور بائیں چل رہے تھے ——— بارات جب وہاں پہونچی تو بد نہاد ابوجہل سب سے بلندی والی کرسی پر بیٹھنا چاہتا تھا میسرہ غلام نے اس کو روکا اور وہاں نہیں بیٹھنے دیا وہ از راہِ تکبر سرورِ کائناتؐ کی تعظیم بھی نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ بات بڑھ گئی اور جناب حمزہؓ نے کرسی سے اُٹھا کر چاہا کہ زمین پر پٹک دیں لیکن دوسرے حضرات نے سمجھا بجھا کر امان دلوائی مگر تھوڑی سی ہاتھا پائی ہی میں ابوجہل زخمی ہو چکا تھا۔

مہمانوں کا شاندار استقبال کیا گیا پر تکلف میوہ جات اور مشروبات سے ان کی تواضع کی گئی۔ تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ پرسکون مجمع میں ایک آواز بلند ہوئی:

فواللہ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء بافضل من محمدؐ ولھذا رضیۃ لابنتی بعلا فاکففوا فکونوا علیٰ ذلک	قسم اللہ کی آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے بوجھ نہیں اُٹھایا کسی کا جو محمدؐ سے افضل ہو اس لئے میں نے اپنی بچی (خدیجہؑ) کا شوہر قرار دینے اور همسر بنانے کے لئے

من الشاہدین ۔ (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ)	ان (ہی) کو پسند کیا ہے پس تم لوگ اس پر گواہ رہو ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آواز جناب خدیجہؑ کے والد محترم جناب خویلد کی تھی لیکن مورخین کو دھوکا ہوا ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل ثابت کر چکے ہیں کہ ان کا انتقال آج سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور وہ اس تقریب سعید کو دیکھنے کے لئے زندہ نہ تھے ۔ یقیناً یہ مدح کی آواز خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کی تھی یہ وہی عمرو بن اسد ہیں ۔ بعض مورخین کے خیال کے مطابق جن کو اس مبارک رشتہ میں پہلے قدرے تامل ہوا تھا اور بعد میں معافی مانگی مگر اب وہ مدح ہادئ اکبرؐ کا قصیدہ پڑھ کر بتا رہے ہیں کہ مجھ پر الزام ہے کہ میں نے اولاً اس رشتہ کو ناپسند کیا تھا ۔

اس مبارک و مسعود محفل عقد میں مکہ کے عظیم المرتبت سردار جناب ابوطالب علیہ السلام خطبہ عقد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور ایسا خطبہ عقد پڑھا فصاحت و بلاغت میں جو خود ہی اپنا نظیر ہے ۔ فرماتے ہیں :

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریت ابراھیم و ذرع اسمٰعیل وضئضی معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوبا وحرما امنا وجعلنا حکام الناس ۔ اس خدا کی حمد جس نے ہم کو ذریت ابراہیم ، نسل اسمٰعیل ، اولاد معد اور مضر کے صلب سے پیدا کیا ۔ کعبہ کا محافظ اور حرم کا منتظم قرار کیا اور حرم و کعبہ ــــــ جہاں لوگوں کو امن نصیب ہوتا ہے ــــــ کو ہمارے حوالے کر کے ہمیں تمام لوگوں کا

حاکم بنایا ـــــــ جناب ابو طالب پھر ارشاد فرماتے ہیں ۔

ان ابن اخی ھذا محمد بن عبد اللہ لا یوزن رجل الا رجح به شرفا و نبلا وفضلا وعقلا ۔ میرا بھتیجہ ـــــــ محمد بن عبد اللہؐ ـــــــ شرف نجابت وذہانت اور کمال فضل وعقل میں ساری دنیا سے بہتر ہے ـــــــ اس جملہ پر جناب ابو طالب اپنے اس تاریخی اور ایمانی خطبہ کو ختم کرتے ہیں واللہ بعد ھذا له نباء عظیم وخطر جلیل جسیم ۔ خدا کی قسم ان امور کے علاوہ میرا بھتیجہ (مستقبل قریب میں) جلیل القدر اور عظیم الشان انسان ہوگا "

(روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ سنہ ۱۲۹۷ھ) روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴ ، سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۵)

ابو طالب علیہ السلام کا یہ خطبہ رہتی دنیا تک صاحبانِ ایمان سے خراجِ عقیدت وصول کرتا رہے گا ۔ ابو طالبؑ نے اس مختصر خطبہ میں اس امر کی نشاندہی کردی کہ ہم سب پاک اصلاب اور پاکیزہ ارحام میں رہے ہیں ہمارا پورا سلسلہ حسب ونسب نورانی ہے بت پرستی یا امور جاہلیت کا ہم تک کبھی گذر نہیں ہوا ہم کبھی کسی کے محکوم نہیں رہے بلکہ ہمیشہ حاکم رہے ہیں اور آج بھی حاکم ہیں ، کعبہ کے پاسبان ہیں حرم کے نگراں ہیں اور اب امانتِ خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ کے محافظ وسرپرست ہیں ۔ ھذا له نباء عظیم وخطر جلیل جسیم کہہ کر اس عظیم مرتبہ اور جلیل عہدہ کا پتہ دینا بتاتا ہے کہ جسم کے بوڑھے مگر عزم وارادے کے جوان سردار کی دور بیں نظریں مستقبل کے دبیز پردوں کو چاک کرکے دیکھ رہی ہیں کہ جبرئیل آرہے ہیں اور قرآن مجید کا نزول ہو رہا ہے ۔

مذکورہ محافظ نبوت اور ناصر رسالت نے گویا اس امر کا اعلان کردیا کہ میں

محمدؐ کو بھتیجہ سمجھ کر محبت و شفقت نہیں کرتا بلکہ اس مرتبہ اور عہدہ کے پیش نظر میں اپنے کو سینہ سپر بنائے ہوں۔

جناب ابوطالب علیہ السلام نے باوجود قلیل المال اور کثیر العیال ہونے کے اپنے عزیز بھتیجے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مہر کی رقم خود ادا فرمائی جس کا تذکرہ جناب ابوطالبؑ نے اپنے اسی خطبہ نکاح میں فرمایا ہے چنانچہ علامہ حلبی اور علامہ زرقانی کے قول کے مطابق بارہ اوقیہ سونا دیا۔ مگر جمال الدین محدث شیرازی اور خاوندشاہ سمرقندی یہ لکھتے ہیں کہ قد خطب ابوطالب خدیجہ بنت خویلد وقال لها الصداق اجلة وعاجلة عشرون بکرة من مالی۔ جناب ابوطالبؑ نے مرسل اعظمؐ کی طرف سے خدیجہؑ بنت خویلد کا خطبہ نکاح پڑھا تو اس کے اندر فرمایا کہ میں اپنی ملکیت سے بیس اونٹ مہر کے طور پر ادا کرتا ہوں"۔

بعض مورخین کے قول کے مطابق چار سو مثقال سونا تھا اور پانچ سو درہم نقد تھے جو بطور مہر فوراً ادا کیا گیا اور بعض کے خیال کے مطابق چار سو دینار تھے۔

صاحب روضۃ الاحباب اس اختلاف کو یوں ختم کرتے ہیں کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ جناب ابوطالب نے یہ سب کچھ مہر میں دے دیا۔ بیس اونٹ بھی دیئے، پانچ سو درہم بھی دیئے اور سونا بھی ——— غرض جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنے مرحوم بھائی جناب عبداللہ کی نشانی حضور مرسل اعظمؐ کو اس دھوم دھام سے بیاہا کہ اگر بھائی بھی زندہ ہوتے تو اس سے کچھ زیادہ نہ کرتے جو جناب ابوطالبؑ نے کیا۔ دل کی کوئی حسرت ایسی نہیں جو جناب ابوطالبؑ نے نکالی نہیں۔

مرحوم بھائی جناب عبداللہؑ اور مرحومہ بھاوج جناب آمنہ خاتون کی مبارک روحیں اس تقریب سعید میں شرکت کرنے جنت الفردوس سے آئی ہوں گی۔ اور جناب ابوطالبؑ کو ہزاروں دعائیں دی ہوں گی۔

جناب ابوطالب علیہ السلام کے خطبہ نکاح کے بعد ورقہ بن نوفل عالم کتب سماوی جناب خدیجۃ الکبریٰ کی طرف سے خطبہ عقد پڑھنے کے لئے اکھٹے ہوئے انھوں نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا علی ما عددت فنحن سادت العرب وقادتھا و انتم اھل ذلك کلہ لاتنکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا بالاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجہ بنت خویلد من محمد بن عبداللہ علی اربعمائۃ دینار۔

(بحار الانوار جلد ۶ صفحہ تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۶۴)

الحمد للہ کہ خداوند عالم نے ہم لوگوں کو ویسا ہی بنایا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ اور ہمیں انھیں فضائل ومناقب سے سرفراز فرمایا جس کا آپ نے تذکرہ کیا ہم لوگ عرب کے سید وسردار اور ان کے پیشوا ہیں (لاریب) آپ حضرات جملہ مناقب ومحامد کے اہل ہیں جس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ہے اور آپ کے فضل وشرف سے کوئی فرد بشر بھی منکر نہیں۔ ہم نے خود اس رشتہ کو پسند کیا اور ہم نے چاہا کہ آپ کے فضل وشرف میں شریک ہو جائیں۔ قریش!! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے ساتھ چار سو دینار مہر پر بیاہ دیا۔

جب ورقہ بن نوفل نے اپنا نصیح و بلیغ خطبہ ختم کیا تو جناب ابوطالب علیہ السلام نے ورقہ بن نوفل سے فرمایا میری خواہش ہے کہ خدیجہؑ کے چچا عمرو بن اسد بھی اس مبارک موقع پر کچھ فرمائیں چنانچہ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ

ابوطالب با ورقہ گفت التماس من آنست کہ عم خدیجہ عمرو بن اسد با تو دریں خطبہ شریک باشد، عمرو نیز دریں امر با ورقہ موافقت نمودہ .... وبروایت اصح در آں وقت پدر خدیجہ در حیات نمودہ ۔

(روضۃ الصفا جلد ۲ صـ ۲۶۱)

ابوطالبؑ نے ورقہ بن نوفل سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کے چچا عمرو بن اسد (جو وہیں موجود تھے) کو بھی آپ اپنے خطبہ میں شریک فرمالیں (چنانچہ ابوطالبؑ کی خواہش کے مطابق) عمرو نے بھی ورقہ بن نوفل کے خطبہ کی تصدیق وتائید کی..... صحیح ترین روایت یہ ہے کہ خدیجہؑ کے والد خویلد اس وقت زندہ نہیں تھے ۔

اس مبارک و مسعود موقع پر حکم خدا سے جنتیں خوب سجائی گئی تھیں، حور وغلمان آراستہ تھے، دروازہائے جنت وا کردیئے گئے تھے۔ شجرۃ الطوبیٰ سے زر و جواہر لٹائے گئے، ملائکہ سجدہ ریز تھے، زمین سے آسمان تک کی چیزوں کو زینت دی گئی تھی ——— اور خداوند عالم کے مخصوص حکم سے جبرئیل امین نے لوائے حمد کو خانۂ کعبہ پر لہرایا تھا۔

ثم سمع منادیا ینادی

پھر فضا میں ایک آواز گونجی کہ

من السماء ان اللہ تعالیٰ قد زوج الطاهر بالطاهرة والصادق بالصادقه۔	خداوند عالم نے طاہر کو طاہرہ اور صادق کو صادقہ سے بیاہ دیا۔

بحار ج ۶ صفحہ ۱۱۴

اس بزم رنگ و نور کے لئے منجانب اللہ ایک اور بھی فرحت بخش انتظام کیا گیا تھا اور وہ یہ کہ پروردگار عالم نے جبرئیل امین کو حکم دیا کہ تمام حاضرین بزم پر خوشبوؤں کی بارش کی جائے۔ چنانچہ ایک دوسرے سے متعجب ہو کر پوچھتا تھا کہ یہ خوشبو کیسی اور کہاں سے آرہی ہے تو دوسرا جواب دیتا تھا کہ یہ محمد مصطفےٰ کی وجہ سے ہے۔

محفل عقد کے اختتام پر تمام دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چاہنے والے چچاؤں کے ہمراہ خانۂ جناب ابوطالبؑ میں تشریف لائے۔

یوں تو اس عقد سے تمام چاہنے والے خوش اور مسرور تھے لیکن جو خوشی جناب ابوطالب علیہ السلام کو تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ جناب ابوطالبؑ اس عقد سے کچھ اتنا مسرور تھے کہ بار بار لب ہائے ابوطالبؑ خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

چونکہ جناب ابوطالبؑ کی اُمید سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر یہ شادی ہوئی تھی اس لئے انھوں نے کئی مرتبہ آسمان کی طرف رخ کرکے یہ فرمایا

الحمد للہ الذی اذهب عنا الکروب ودفع عنا الهموم۔	شکر ہے اس اللہ کا جس نے مصیبت اور رنج وغم دور فرما دیئے۔

(روضۃ رحیم از محمد عبید اللہ ہاری صفحہ ۳۳۶ و تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۶۱)

صاحب تاریخ خمیس نے ایک اور قیمتی فقرہ کا اضافہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

وفرح ابوطالب فرحا شدیدا	جناب ابوطالبؑ کو بے پناہ خوشی اور
(خمیس ج ۱ ص۲۶۵)	مسرت حاصل ہوئی ۔

اندازہ ہوتا ہے کہ جناب ابوطالب اپنے عزیز بھتیجے کی شادی کے لئے مناسب رشتہ اور اچھی بھلی سی بہو کے لئے کتنے فکرمند تھے۔ شب و روز وہ اسی کوشش میں رہتے کہ عزیز از جان بھتیجہ کی شادی اس طرح ہونی چاہئے جو ہر طرح شاندار اور ہمہ جہت کامیاب اور مثالی شادی ثابت ہو۔ بحمد اللہ جب رشتہ خوب سے خوب تر مل گیا اور شادی جب بخیر و خوبی تمام ہو گئی تو اب ابوطالبؑ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک پڑے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس موقع پر جناب ابوطالبؑ کی خوشی کے ساتھ ساتھ تاریخ کے صفحات پر ہمیں ملتا ہے کہ جناب حمزہؑ بھی بے حد مسرور تھے چنانچہ انھوں نے کچھ درہم بھی نثار کئے اور ان کو دیکھ کر کچھ اور لوگوں نے بھی ان کی تاسی کی۔

شادی کی پُرمسرت تقریب سے فارغ ہونے کے بعد جناب ابوطالب علیہ السلام نے دعوت ولیمہ کا انتظام فرمایا اور اس دعوت میں مکہ کے عظیم سردار نے اپنی سرداری کے شایان شان انتظامات فرمائے اور پورے مکہ کو مدعو کیا خود مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس مہمانوں کا خیر مقدم کر رہے تھے دعوت ولیمہ کے جملہ انتظامات کبیرہ و صغیرہ کی نگرانی فرماتے رہے اور مہمانوں کی خواہش کے مطابق تمام چیزوں کو ان تک پہونچانے کا انتظام فرماتے تھے

اور مرسل اعظمؐ کے ساتھ ساتھ آپ کے تمام چچا اور ہاشمی و مطلبی نوجوان آپ کے احکام وارشاد کی سختی سے پابندی کرتے اور آپ کے ممد و معاون بنے رہے۔

دعوت ولیمہ کا یہ مبارک و مسعود سلسلہ مسلسل تین شبانہ روز جاری رہا۔

تنگدستی کے باوجود جناب ابوطالب علیہ السلام نے عظیم پیمانہ پر ولیمہ کا انتظام فرمایا تھا۔ اسلام نے محسن اسلام جناب ابوطالبؑ کے اس نیک عمل کو سنت بنا کر رہتی دنیا تک جناب ابوطالبؑ کی یادگار کے طور پر قائم کر دیا۔ کیوں کہ اس سے پہلے دعوت ولیمہ کی کوئی رسم نہیں تھی دنیا کی آج پہلی دعوت ولیمہ کا وسیع دسترخوان ہے جو مرسلِ اعظمؐ اور خدیجۃ الکبریٰ کے عقد کے موقع پر جناب ابوطالبؑ نے بچھایا۔

(بحار الانوار ج ۶ ص ۱۱۲ و تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۶۵)

شادی کے موقع پر شہزادی اسلام ام المومنین خدیجہؑ کے محل میں جو کھانا کھلایا گیا تھا اس کے بعد بھی جناب خدیجہؑ نے دعوتوں کا انتظام فرمایا۔ جناب خدیجہؑ کے ولیمہ کے منتظم اعلیٰ ان کے چچا جناب عمرو بن اسد تھے۔

ان دعوتوں کے علاوہ جناب خدیجۃ الکبریٰ نے شادی کے بعد بہت بڑے پیمانہ پر لنگر خانے جاری کئے جانے کا حکم دیا اور ان کے حکم کے مطابق لوگوں کو نہ صرف کھانا دیا جاتا رہا بلکہ مکہ اور بیرون مکہ کے تمام غربا و فقرا و مساکین و محتاج اور گداگروں کو روپے، پیسے، کپڑے اور کھانے پینے کی اشیاء بغیر کسی روک ٹوک کے دی جاتی رہیں یہاں تک کہ مکہ اور اطراف مکہ میں کوئی حاجتمند ایسا نہ تھا جو مطمئن نہ ہو گیا ہو۔ اسلام کی ہونے والی شہزادی نے

دل کھول کر بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کے گھروں کو ضروریات زندگی کی چیزوں سے بھر دیا۔

اسلام کی عظیم شہزادی نے صرف فقراء و مساکین کے لئے ہی لنگر خانہ نہیں جاری کیا بلکہ صاحبان عزت و غیرت جو شرم و حیا کے باعث خدیجہؑ کے جاری کئے ہوئے اس لنگر خانہ سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے ان کے لئے بھی انتظام کیا تاکہ کوئی حاجتمند باقی نہ رہ سکے چنانچہ ایسے لوگوں کو فیضیاب کرنے کے لئے شہزادئ اسلام نے "تحائف" کے نام سے ایک دوسرا سلسلہ جاری کر دیا۔

غرض یہ لنگر خانہ اور تحفہ تحائف کے تقسیم کئے جانے کا سلسلہ متواتر چھ ماہ تک جاری رہا۔ (بحار الانوار جلد ۶ ص۱۱۳)

اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ مرسل اعظمؐ سے شادی ہو جانے پر خدیجۃ الکبریٰ کو کس قدر مسرت و شادمانی ہوئی تھی۔ جب انسان برسہا برس کی تگ و دو اور انتھک کوششوں کے بعد کوئی چیز پاتا ہے تو اس کو اسی قسم کی مسرت ہوا کرتی ہے اس لئے حضرت محمد مصطفےٰؐ کو پاکر خدیجۃ الکبریٰ کو جس قدر بھی مسرت حاصل ہوئی ہو کم ہے۔ نبوت کے اسی بے بہا دُرِّ آبدار اور رسالت کے اسی لعل شب چراغ کے انتظار میں عرب کی شہزادی نے اپنی زندگی کے بیشتر قیمتی لمحات گذار دیئے۔ شہزادی عرب انھیں کے انتظار میں اٹھائیس سال بیٹھی رہیں اور انھیں کے پالینے کے شوق و ذوق کی وجہ سے عرب و غیر عرب سرداروں کو منہ تک نہیں لگایا۔

خدیجۃ الکبریٰ کی سی بہو پاکر جناب ابوطالبؑ اور شہزادی عرب کی سی

بیوی پاکر مرسلِ اعظمؐ کو بھی بے انتہا خوشی اور مسرت ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ خدیجہؑ پیدا ہی کی گئی تھیں مرسل اعظمؐ کے لئے۔

دستورِ عرب کے مطابق شادی کے تیسرے دن جب حضور مرسل اعظم اپنے چاہنے والے چچا ابوطالبؑ کی سرپرستی اور محبت کرنے والے دوسرے اعمام اور نوجوانان بنی ہاشم کے حلقہ میں شہزادی اسلام خدیجۃ الکبریٰؑ کے محل کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہونچنے پر آپ کے چچا جناب عباس نے ایک قصیدہ پڑھا

ابشروا بالمواهب یا آل فهر و غالب

اے قریش اور آل غالب تمھیں عطیوں کی بشارت ہو۔

افخروا یا آل قومنا بالثناء والرغائب

اے میری قوم (و قبیلے) والو ثنا (جمیل) اور (بے حساب) عطیوں پر فخر کرو

شاع فی الناس فضلکم وعلیٰ فی المراتب

لوگو! تمھارا فضل (و شرف) اور بلندیٔ مراتب مشہور (زمانہ) ہے۔

قد فخرتم باحمد زین کل الاطایب

تم سب افتخار بن گئے احمدؐ کے دم سے جو زینت ہیں ہر طیب طاہر ذات کیلئے

فهو کالبدر نوره مشرق غیر غائب

ان کا نور چودھویں رات کے چاند کے مانند ہے جو ہمیشہ روشنی پھیلاتا رہتا ہے۔

قد ظفرت خدیجة بجلیل المواهب

اے خدیجہؑ تم کامیاب ہوئیں بڑی جلیل وعظیم عطاؤں کے ساتھ۔

بفتی ہاشم الذی — مالہ من مناصب

اس ہاشمی جوانمرد کے ذریعہ جو بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں پر فائز ہے۔

جمع اللہ شملکم — فھو رب المطالب

خدا نے (اس کے ذریعہ) تمہاری جماعت کو اجتماع کی توفیق عطا کی ہے وہی تمام مطالب کا پروردگار ہے۔

احمد سید الوری — خیر ماش و راکب

احمد سردار خلائق ہیں جو ہر پیادہ اور سوار سے بہتر و افضل ہیں۔

فعلیہ الصلوٰۃ ما — سار عیس براکب

ان پر لگاتار درود و سلام ہوتا رہے جب تک سواریوں پر سوار چلتے رہیں۔

جناب عباس کے قصیدہ پر مکہ کے در و دیوار سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس بے نظیر اور لاجواب قصیدہ کے ختم ہونے کے بعد حاضرین بزم نے سنا۔

ثم ان خدیجہ قالت اعلموا ان شان محمد عظیم وفضلہ عمیم وجودہ جسیم ثم نشرت علیھن من المال والطیب	طاہرہ خدیجہؑ فرما رہی تھیں۔ جان رکھو کہ محمدؐ کی شان بہت بلند و برتر ہے اور ان کا فضل ہر کہ و مہ کے لئے عام ہے۔ ان کی سخاوت بڑی عظیم ہے۔ اس تقریر کے بعد اپنی تمام محفلی عورتوں پر مال اور خوشبو نچھاور کیا۔
(بحار الانوار جلد ۱۰ صلاا)	

اس موقع پر جناب خدیجہؑ کے رخ انور سے ایسا نور ساطع ہو رہا تھا جس سے چراغوں اور شمعوں کا نور ماند پڑ گیا تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے منور چہرہ سے

نکلنے والی لمعانی کرنوں کو دیکھ کر ہاشمی خاندان اور عبد المطلب کے گھرانے کی خواتین کو بیحد تعجب ہوا۔ انھیں بعد میں پتہ چلا کہ یہ رسول اللہؐ کا فضل و شرف اور الٰہی عطیہ ہے۔ خدیجۃ الکبریٰ اس موقع پر بے انتہا قیمتی لباسِ فاخرہ زیب تن کئے تھیں، سر سے پیر تک سونے کے زیورات پہنے تھیں جن میں مختلف اقسام و انواع اور رنگ برنگے قیمتی موتی، یاقوت و جواہر وغیرہ جڑے ہوئے تھے اور آپ کے سر پر نہایت قیمتی ایک تاج تھا ــــــ اس موقع کے لئے جناب خدیجۃ الکبریٰ نے ایک تاج خصوصیت سے سرکار رسالت کے لئے بھی تیار کرایا تھا چنانچہ وہ قیمتی تاج مرسلِ اعظمؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا جسے آپ نے بڑی خوشی سے پہن لیا۔

خداوندِ عالم نے اس مبارک موقع جبرئیل امین کو حکم دیا کہ مشک و عنبر اور کافور مکّہ کے پہاڑوں اور پہاڑیوں میں پھیلا دو اس کی وجہ سے مکہ کی گلیاں اور کوچے، جنگلات اور آبادیاں مہک اٹھیں ہوائیں مشک بیز و عنبر ریز ہوگئیں یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے سے متعجب ہو کر پوچھتے کہ یہ خوشبو کیسی ہے؟ تو جاننے والے کہتے کہ یہ محمدؐ اور خدیجہؑ کی بدولت ہے۔

(بحار الانوار جلد ۹ ص۱۱۳)

نبیل بکیشنز
حیدرآباد سندھ، پاکستان

اس شان کی شادی کائنات میں یہ پہلی اور آخری تھی۔ اس سے پہلے دنیا نے ایسی شادی دیکھی تھی اور نہ اس کے بعد اس شادی میں دُنیا کے سارے لوازمات کے ساتھ ساتھ الٰہی توجہات نے چار چاند لگا دیئے تھے

تاریخ انسانیت کی انوکھی اور اپنی نوعیت کی منفرد شادی تھی جہاں نہ دنیاوی دولت وحشمت کی کمی تھی اور نہ الٰہی رحمت وبرکت کی ۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ دنیا کی کوئی عورت اتنا جہیز لے کر اپنے شوہر کے گھر نہ آئی ہوگی جتنا جہیز جناب خدیجہؑ اپنے ہمراہ لے کر کاشانۂ نبوت میں آئیں ۔ لیکن جہیز کا اتنا سارا سامان جو عرب کی شہزادی اپنے ہمراہ لائی تھیں ۔ یہ نہ مرحوم باپ کی چھوڑی ہوئی دولت تھی جو ان کو ترکہ اور میراث میں ملی ہو اور نہ بھائیوں کی محبت کا نتیجہ تھی بلکہ میمونہ کاملہ اور فاضلہ وعاقلہ شہزادی نے تجارت کر کے اور اس تجارت کو فروغ دے کر خود اپنی عقل خداداد بہترین صلاحیت واستعداد اور حسن انتظام سے اتنا عظیم سرمایہ اکٹھا کیا تھا کہ عرب دنیا میں کوئی رئیس وامیر بھی اس دولت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ۔

دراصل جناب خدیجۃ الکبریٰ کی ذات والاصفات قابل تقلید، ان کی سیرت قابل عمل اور عورتوں کے لئے خصوصیت سے ان کا کردار ایک مثالی اور لائق اتباع ہے ۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ نے ساری دنیا پر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اگر عورت گھر کے اندر رہ کر عزت وآبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہے تو یہ امر کچھ مشکل نہیں ہے ۔ عورتوں کو مجبور یا محبوس سمجھنا انھیں ناکارہ اور بے عمل خیال کرنا بہت بڑی بھول ہے ——— مردوں کے دوش بدوش چلنے کا نعرہ اگر اپنے اندر کچھ حقیقت، واقعیت اور صداقت رکھتا ہے تو اس کے معنی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں کہ عورتیں اپنے حدود میں رہ کر ایسی ترقیاں کریں کہ مرد بھی غرق دریائے حیرت ہو جائیں ۔ عورتیں اپنے حسن انتظام بہترین

صلاحیت اور خداداد استعداد کو یوں بروئے کار لائیں کہ دنیا میں وہ کسی کی محتاج و دست نگر نہ رہیں۔ جیسا کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ نے کر کے دکھا دیا۔

شہزادی عرب کو جب قدرت نے شہزادی اسلام ہونے کا شرف مرحمت فرمایا تو جناب خدیجۃ الکبریٰ نے اس شرف خاص کا پورا پورا خیال کیا اور جب پروردگار عالم نے انھیں کائنات کی پہلی ام المومنین بننے کا موقع عنایت فرمایا تو اسلام کی شہزادی نے توقعات کے مطابق اس خطاب شرف کے ساتھ انصاف کیا اس کے بھرم اور آبرو میں اپنی نیک سیرت اعلیٰ ظرفی اور اخلاق کی بلندی سے چار چاند ٹانک دیئے۔

اب نہ انھیں اپنی دولت کی فکر رہ گئی نہ تجارت سے کوئی سروکار رہا کیوں کہ ان کو کائنات کی سب سے عظیم دولت (نبوت و رسالت) مل گئی تھی۔ جو ان کی زندگی کی غالباً سب سے پہلی اور آخری خواہش تھی، جس کے لئے وہ فکر مند تھیں ——— الحمد کہ جناب خدیجہؓ کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ وہ رحمۃ للعالمین کو پا گئیں۔ اور اس طرح کل کی شہزادی عرب اب آج سے شہزادی اسلام ہو گئیں۔

ازدواجی زندگی

عرب کی شہزادی ملکۂ اسلام بن کر کاشانۂ نبوت میں آگئیں اور خدیجۂ طاہرہؑ کی زندگی کا کامیاب ترین دور شروع ہوگیا۔ خدیجہؑ کو خوب معلوم ہے کہ میرا شوہر صرف عظیم انسان ہی نہیں ہے بلکہ وہ خاتم الانبیاء اور مرسل اعظم ہے۔ اسی لئے جناب خدیجہؑ اس رشتہ کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

میل عظیم در دل خدیجہ پیدا شد در غبت کرد کہ بنکاح وی درآید۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص۱۰۱)

جناب سیدہ خدیجہؑ کا دل محمد مصطفےؐ کی طرف جھکا۔ اور انھوں نے اس بات کی خواہش کی کہ آنحضرتؐ خدیجہ طاہرہؑ کے ساتھ عقد فرمالیں۔

اپنے ہونے والے شوہر کے متعلق یہ خوشخبری سیدہ خدیجہؑ نے سب سے پہلے ورقہ بن نوفل سے سُنی اور پھر اس کے بعد ایسے حالات و واقعات پیش آتے رہے کہ ورقہ بن نوفل کی پیشنگوئی کی جس سے تصدیق ہوتی گئی چنانچہ مرسل اعظم کے ساتھ شہزادی کا جب عقد ہوا تو وعدہ کے مطابق ورقہ بن نوفل کو ایک قیمتی اور بیش بہا خلعت جس کو ان کے غلام میسرہ نے شام میں پانچ سو دینار میں خریدا تھا ـــــــ عنایت فرمایا۔ جس کے لینے سے ورقہ بن نوفل نے انکار کردیا اور کہا "مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میری دلی خواہش یہ ہے کہ تمھارے شوہر محمد مصطفےٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میری شفاعت کا وعدہ کرلیں۔ چنانچہ جناب خدیجہؑ نے وعدہ کیا کہ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔" (بحار الانوار جلد ۶ صلا)

ان چیزوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ خدیجہؑ مرسل اعظمؐ سے بھرپور واقف اور معرفت شناس منصب نبوت تھیں۔ اور اسی لئے اپنی ازدواجی زندگی میں مسلسل پچیس برس کے طویل عرصہ میں مزاج نبوت کے خلاف نہ کچھ کہا اور نہ کچھ کیا۔ بلکہ اپنی بہترین سیرت اور اخلاق وعادات سے اپنے شوہر کے گھر کو جنت نظیر بنادیا۔ شہزادی خدیجہؑ کی نظروں میں رسول خداؐ کی دو حیثیت تھی ایک تو محبوب شوہر ہونے کی حیثیت اور دوسرے اللہ کے آخری نبی ہونے کی۔ شہزادی نے اپنے آپ کو اس گھر میں صرف متول کعبہ کی فرمانبردار بیوی کی حیثیت سے ہی نہیں پیش کیا بلکہ انھیں ہر قدم پر اس امر کا شدید احساس بھی رہا کہ میں ایک مسلمہ ومومنہ بھی ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں رسول اللہؐ کی زوجہ ہوں اس لئے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری میں برائے نام بھی کمی نہ آنے دی۔ اور وہ معیاری کردار پیش کر دیا جس پر ام المومنین کے الٰہی لقب کی فضیلتیں نازاں ہیں۔

اب شہزادی کا ہر روز، روز عید اور شب، شب برات تھی۔ رسول مختار بھی مسرور تھے کہ خداوند عالم نے انھیں ایسی رفیقۂ حیات مرحمت فرمائی ہے جو امور خانہ داری سے لے کر تبلیغ اسلام کے جملہ مشکلات تک میری معاون ومددگار ہے۔ جناب ابوطالب علیہ السلام کی مسرتوں کا راز بھی یہی ہے وہ بھی مطمئن ہوگئے کہ بانیٔ اسلام کو جیسی رفیقۂ حیات کی ضرورت تھی صد شکر کہ انھیں ویسی ہی

بیوی ملی —— مصری مورخ عباس محمود العقاد اپنے قلم سے اس حقیقت کو یوں ظاہر کرتے ہیں۔

"سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی والد کی وفات تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکی تھی لیکن والدہ کا سایہ بھی زیادہ دیر تک سر پر نہ رہا اور وہ بچپن ہی میں آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص منشا اور تصرف کے ماتحت خدیجہؓ جیسی پاکباز اور غمگسار خاتون کو آپ کے لئے چُنا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جس دل سوزی سے آپ کی دلدہی کی اس نے تمام مصائب اور صدمات کا مداوا کر دیا جو یتیمی کی حالت میں آپ کو اٹھانے پڑے تھے نبوت کے دعوے کے ساتھ ہی مصائب کا پہاڑ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑا کسی قسم کی ایذا نہ تھی جو بد نہاد مشرکین نے حضور کو نہ پہنچائی ہو اور مخالفت کا کوئی دقیقہ نہ تھا جو قریش نے فروگذاشت کیا ہو۔ اس حالت میں جب کہ مکہ کا چپہ چپہ حضور کا دشمن ہو رہا تھا اور آپ پر بدترین قسم کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے اگر کسی نے حضور کی کامل رفاقت کا ثبوت دیا تو وہ حضرت خدیجہؓ تھیں انھوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے لئے قربان کر دیا اور اس دلسوزی اور جانفشانی سے آپ کی خدمت کی کہ اس کے سامنے حضور کو کفار مکہ کے مظالم کا احساس تک جاتا رہا اور آپ بہ اطمینان کامل تبلیغ و اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔"

(فاطمہ ص۲۳ ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی)

خانگی اور گھریلو زندگی کا شہزادیٔ اسلام خدیجہؑ نے اپنی قابل تقلید سیرت سے جو معیار قائم کیا اور سیدہ خدیجہؑ نے شوہر بیوی کے حقوق و فرائض کے جو حدود اپنے خوشگوار تعلقات و روابط اور باہمی میل جول سے معین کئے ہیں اسلامی آئین و دستور اور الٰہی قوانین وضوابط انھیں کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں

در اصل سیدہ خدیجہؑ کی پوری زندگی بالخصوص ان کی گھریلو زندگی پوری نوع انسانی خصوصاً مسلمانوں کے لئے قابل اتباع ہے۔ رسول خداؐ اور خدیجہؑ نے مل جُل کر اپنی زندگی کے لیل و نہار جس عمدگی سے بسر کئے ہیں اور انسانی برادری کے اس عظیم "جوڑے" نے کامیاب زندگی بسر کرنے کے جو حدود و آئین معین کئے ہیں انھوں نے جن اصولوں پر زندگی کے پچیس سال ایک ساتھ گذارے ہیں جب بھی ان حدود و آئین اور انسانی زندگی کو کامیاب بنانے والے اصولوں سے کوئی شخص اعراض و انحراف کرتا ہے اس کی زندگی اجیرن اور زندہ رہنا مرنے سے بدتر ہو جاتا ہے۔

مرسل اعظمؐ اور ان کی رفیقۂ حیات خدیجہؑ نے اپنی پچیس سالہ خوشگوار زندگی اور قابل صد افتخار تعلقات سے زن و شو کے جو حقوق و فرائض معین کئے اس سے بہتر زندگی بسر کرنے کے اصول آج تک دنیا تیار نہیں کر سکی۔ شادی کے پندرہ برس بعد اسلام بھی انھیں اصولوں کی تعمیل کا اعلان کرتا ہوا نظر آیا۔ زندگی کے اس پچیس سالہ طولانی پُر پیچ پُر خطر، بھیانک اور کٹھن سفر میں ام المومنین خدیجہؑ برابر رسول اکرمؐ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی رہیں اور آپس کے تعلقات کو جناب خدیجہ طاہرہؑ نے شروع سے آخر تک خوشگوار

بنائے رکھا اتنے لمبے سفر میں برائے نام بھی ایک کو دوسرے سے کوئی شکوہ نہیں ہوا اور نہ ایک نے دوسرے کو شکایت کا کوئی موقع آنے دیا۔ شادی کے پہلے دن ایک دوسرے سے جو محبت والفت پیدا ہوئی تھی وہ نہ صرف آخر تک برابر قائم رہی بلکہ آہستہ آہستہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔

خدیجہ طاہرہؓ جیسی عظیم شہزادی نے کاشانۂ نبوت میں قدم رکھتے ہی اپنے کو جیسے الٰہی احکام وارشاد، اسلامی آئین ودستور، دینی حقوق وفرائض اور نبوی فکر ونظر میں ڈھال لیا اور قطعاً یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں نئی جگہ یا نئے ماحول میں آئی ہوں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کو یہ ماحول اس لئے راس آیا کہ وہ پہلے ہی سے آدمیت کی اعلیٰ قدروں اور انسانیت کے بہترین ضابطوں اور طریقوں کی پابند رہی ہیں۔ اسی لئے ابتدا سے انتہا تک رسول اللہؐ جناب خدیجہؓ طاہرہ سے نہ صرف راضی رہے بلکہ بے انتہا مسرور وشاداں رہے۔ ہادیِ اکبرؐ کی ساری زندگی خدیجہؓ کے ساتھ پُرسکون اور مطمئن رہی۔ شہزادی نے اپنے محبوب شوہر کی زندگی سے رنج وغم کے سارے کانٹے چُن کر اسے محبت والفت کے پھولوں سے بھر دیا۔ نبوت کدہ کو اپنی سیرت کی خوشبو سے معطر کر دیا۔ خدیجہؓ کے کردار سے کاشانۂ نبوت کا پورا ماحول مہک اُٹھا۔

خدیجہ طاہرہؓ ہی وہ خوش قسمت خاتون ہیں جو تنہا پچیس سال تک مرسلِ اعظمؐ کے ساتھ رہیں اور بلا شرکت غیرے رسول اللہ کی محبت والفت اور شفقت ورافت کی نعمت جنھیں نصیب ہوئی ——— دُنیا کی کسی عورت

حتیٰ کہ نبی کریمؐ کی دوسری بیویوں میں سے بھی کسی کو یہ شرف نصیب نہ ہو سکا۔ اسی گھر میں خدیجہؑ کے بعد دوسری عورتیں بھی "ام المومنین" بن کر آئیں لیکن اللہ کے رسول کو جو راحت و آرام اور امن و سکون و اطمینان خدیجۃ الکبریٰ کی ذات والاصفات سے ملا دوسری اور کسی بیوی سے اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں مل سکا بلکہ اُلٹے کچھ بیویوں سے آنحضرتؐ کو شدید رنج و غم اور مصائب و آلام پہونچے۔ جس کا گواہ قرآن مجید بھی ہے اور اسلام کی تاریخ بھی پورے علم و یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ام المومنین خدیجہؑ طاہرہ کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو اسلام کی تاریخ کسی دوسرے نہج سے لکھی جاتی ۔ اور مرسلِ اعظمؐ کو جن مصائب و آلام سے گذرنا پڑتا ان کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں مختلف رنگ و نسل اور سیرت و کردار کی بیویاں شامل تھیں اپنی اپنی افتادِ طبع اور مزاج کے مطابق وہ سیرت و کردار میں بھی مختلف ہی رہیں اور اسی باعث ان میں دو پارٹیاں قائم ہو گئی تھیں لیکن ام المومنین خدیجہ طاہرہؑ ان ہنگاموں سے بہت پہلے انتقال کر چکی تھیں ازواجِ رسول میں صرف خدیجہ طاہرہؑ ہی کی زندگی کو عورتوں کے لئے نمونہ بنایا جا سکتا ہے اور بس اس لئے تمام مسلم خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے اعلیٰ اخلاق، عمدہ عادات بہترین خصائل کو اپنائیں۔ اپنے شوہروں کو خوش رکھیں ان کی مرضی کا

اپنے آپ کو پابند بنائیں ان کی گھریلو زندگی کو اپنے خوشگوار تعلقات اور محبت والفت کی خوشبو سے معطر کریں ——— شہزادی خدیجہ طاہرہ کی طاعت وقناعت، صبر وشکر اور ضبط وتحمل سے پُر زندگی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل قرار دیں۔

اپنی ازدواجی زندگی کو پُرسکون بنانے کے لئے شوہروں کو بھی سیرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندی لازم وواجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح زندگی گذاری ہے وہ سارے مسلمانوں کے لئے قابل اتباع اور لائق پیروی ہے۔

محبّتِ رسولؐ اور خدمتِ اسلام

یہ صحیح ہے کہ شہزادی اسلام جناب خدیجہؑ نے حضرت عائشہ کی طرح کبھی اپنے کو محبوبۂ رسول کہا اور نہ لکھا اور نہ اس امر کی کوشش کی کہ کوئی اس لقب سے انھیں پکارے۔ اور نہ ہی انھوں نے کبھی اس بات کا تذکرہ کیا کہ اسلام پر کبھی کچھ خرچ کیا ہے لیکن اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ بلندی کردار کی وجہ سے حضرت خدیجہ طاہرہ کو نگاہ رسالت میں جو مقام حاصل تھا کسی اور بیوی کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہ ہو سکا۔

مورخینِ اسلام آنحضرتؐ کی جس بیوی کی "محبوبیت" کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کی کُل حقیقت یہ ہے کہ انھیں خود اس بات کا شوق تھا کہ ان کو محبوبۂ رسول کہا جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ خود کو محبوبۂ رسولِ خدا کہتی بھی تھیں بقلم خود لکھتی بھی تھیں اور اس کی خواہش کرتی تھیں کہ دوسرا انھیں اسی لقب سے یاد کرے ـــــ یہ شوق مرسلِ اعظمؐ کے بعد پیدا ہوا۔ حضور علیہ السلام کی زندگی میں یہ شوق تو نہیں پیدا ہوا تھا ہاں اس امر کی کوشش ضرور کرتی تھیں کہ اللہ کے رسول دوسری تمام بیویوں کو چھوڑ کر سارا وقت انھیں کے ساتھ گذاریں۔ اس کے لئے ناز و ادا سے لے کر بناؤ سنگھار تک کو کام میں لایا گیا لیکن کامیابی بہر حال نہ ہو سکی ـــــ ام المومنین صفیہؓ کا پیالہ اسی لئے توڑ دیا، ام المومنین ام سلمہؓ پر طعن و طنز اسی لئے کرتی رہتی تھیں

ام المومنین زینبؓ بنت جحش کے خلاف ام المومنین حفصہ کو ملا کر سازش کا منصوبہ اسی لئے تیار کیا گیا تھا کہ رسولِ خدا ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف ملتفت نہ ہوں اور اسی لئے جناب ماریہ قبطیہؓ ام ابراہیمؑ سے بھی برسرِ پیکار رہا کرتی تھیں ۔ اگر ام المومنین عائشہ محبوبۂ رسولِ خدا ہوتیں تو ان کے اندر اس طرح کا حسد اور بغض و عناد ہرگز نہ پیدا ہوتا ۔

تاریخ اس ذکر سے خالی نظر آتی ہے کہ کبھی کوئی دوسری بیوی حضرت عائشہ سے حسد کرتی رہی ہو ۔ برخلاف اس کے حضرت عائشہ سب سے جلتی رہیں ۔ انتہا یہ ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ ——— جو انتقال کر چکی تھیں ——— سے حد درجہ حسد کرتی تھیں ——— عباس محمود العقاد لکھتے ہیں :

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ تھیں جو حضرت عائشہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے کئی سال پیشتر وفات پا چکی تھیں لیکن رشک کا جو جذبہ حضرت عائشہ کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی طرف سے پایا جاتا تھا وہ دوسری زندہ بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی موجود نہیں تھا اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایسی جگہ قائم کر لی تھی کہ ان کی وفات کے بعد بھی حضور کے دل سے ان کا خیال کبھی محو نہ ہو سکا اور جس خلوص اور وفاداری کے ساتھ انھوں نے زندگی گذاری تھی اس کا تذکرہ شب و روز حضور کی زبان پر جاری رہتا تھا "

(عائشہ صفحہ ۳۶)

شہزادی اسلام پچیس برس کی رفاقت میں اپنی محبت کا جو انمٹ نقش قلب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم کر گئی تھیں نہ وہ امتداد زمانہ کے ہاتھوں مٹ سکا اور نہ اسے ام المومنین عائشہ مٹانے میں کامیابی حاصل کر سکیں جب حضرت عائشہ نے محسوس کیا کہ مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کو مانتے تھے اور اب بھی اسی طرح مانتے ہیں اور زبانِ رسالت پر شب و روز ان کا ہی ذکر رہتا ہے تو مرحومہ ومغفورہ ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ سے نفرت و عداوت کا اظہار کرنے لگیں —— چنانچہ یہی مصری مورخ عباس لکھتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ حضور خدیجہؓ کا ذکر کر رہے تھے حضرت عائشہ کہنے لگیں یا رسول اللہ آپ ہر وقت اس بوڑھی اور سرخ باچھوں والی عورت کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ تمھارا خیال غلط ہے خدیجہ سے بڑھ کر مجھے اور کوئی بیوی نہیں ملی وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے میری تکذیب کی اس نے اس وقت مجھ پر اپنا مال خرچ کیا جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائی۔"

(عائشہ ص ۳۹)

عباس نے روایت نقل ضرور کی لیکن بڑی احتیاط سے۔ مگر ان کو ایسا

کرنا بھی چاہئے تھا کیونکہ ان کو ہر قدم پر حضرت عائشہ کا لحاظ بھی ضروری تھا۔ مگر دوسرے محدثین و مورخین نے نہایت واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کے اس قول سے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اذیت پہونچی اور حضورؐ حضرت عائشہ پر غضبناک ہوئے۔ چنانچہ ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے کہ غضب غضبا شدیدا (آنحضرتؐ سخت غضبناک ہوئے) اور اسی طرح سبط ابن جوزی نے خواص الامہ میں لکھا ہے کہ فغضب حتی اهتز مقدم شعرہ (آنحضرت کو ایسا غصہ آیا کہ آپ کے سامنے کے بال حرکت کرنے لگے)۔

ام المومنین حضرت عائشہ کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ بھی جناب خدیجہ طاہرہؑ سے محبت کرتیں کیونکہ وہ محبوبہ رسول خدا تھیں اگر کسی بنا پر ان کے دل میں خدیجہ طاہرہؑ کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی تھی تو کم از کم اللہ کے رسول کو راضی رکھنے کے لئے ہاں میں ہاں ملاتی رہتیں اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتی تھیں تو چپ ہی رہتیں ——— مگر نہیں انھوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کی بنا پر صاحب خلق عظیمؐ کو غضبناک ہونا پڑا۔ اور شدید غصہ میں آنحضرتؐ نے کچھ اور تو نہیں فرمایا لیکن آخر میں ایک فقرہ ایسا ضرور ارشاد فرمادیا جس سے حضرت عائشہ کی روح تک لرز گئی ہوگی۔ یعنی

رزقنی الله اولادها اذحرمنی اولاد النساء۔ (اصابہ واستیعاب)	خدا نے ان سے مجھے اولاد عطا کی جبکہ اور عورتوں سے مجھے اولاد نہیں ہوئی۔

اس فقرہ سے حضرت عائشہ کو کسی حد تک اپنے کئے کا بدلہ مل گیا۔

اولاد سے محرومی کا احساس عورت کے لئے بے حد اذیت ناک ہوتا ہے اور اگر کسی عقیمہ عورت کو طعنہ دے دیا جائے تو اذیت میں دو چند اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر اولاد سے محرومی کا طعنہ عورت کو شوہر سے سننے میں آجائے تو قیامت ہے ——— ہمیں امید کرنا چاہئے کہ رسول مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سخت و شدید ردعمل کو دیکھتے ہوئے ام المومنین عائشہ نے ہرگز پھر کبھی جناب خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کی شان میں اس طرح کی گستاخی نہ کی ہوگی ——— لیکن صد افسوس کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ تاریخ کے بیان کے مطابق حضرت عائشہ کئی بار ایسا کر کے رسول اللہ کے غضب کا نشانہ بنیں۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض غرباء اور محتاجوں کی تواتر سے امداد فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے اس کی وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا خدیجہ نے مجھے ان لوگوں سے حسن سلوک کرتے رہنے کی وصیت کی تھی۔" یہ سنتے ہی حضرت عائشہ غصہ میں آکر کہنے لگیں "خدیجہ، خدیجہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک روئے زمین پر سوائے خدیجہ کے اور کوئی عورت ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حلیم الطبع تھے لیکن حضرت عائشہ کی یہ بات سن کر آپ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا۔" (عائشہ ص۱۳۰)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام سے ان کی زندگی میں بے پناہ محبت فرماتے تھے

بلکہ شہزادی اسلام کی رحلت کے بعد نَو نَو بیویوں کی موجودگی کے باوجود اسی طرح محبت کرتے تھے بلکہ اس محبت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ مرسلِ اعظمؐ ان لوگوں سے بھی محبت وسلوک کرتے رہے جن کے ساتھ مرحومہ ام المومنین جناب خدیجہؑ محبت کرتیں اور جن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتی تھیں۔

مولانا اسد علی صاحب لکھتے ہیں:

"ایک بار ایک ضعیفہ حضور کے پاس آئی آپ نہایت محبت سے پیش آئے۔ یہ انداز جناب عائشہ دیکھ کر کیسے مطمئن رہتیں وہ دائرہ ازدواج میں نہ سہی، بڑھیا سہی لیکن سوال ہو گیا کہ یہ کون آئی تھی حضور نے فرمایا ہمارے یہاں خدیجہ کے دور میں آیا کرتی تھی اور پرانے تعلقات کو برقرار رکھنا اچھی بات ہے"۔ (حیاتِ خدیجۃ الکبریٰ ص۲۵)

اپنی زندگی میں سیدہ خدیجہؑ جن لوگوں کے ساتھ سلوک کرتی تھیں ان کی حیات کے بعد مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ کو باقی رکھا ——— یہ روایت اس مقصد کو بھرپور واضح کرتی ہے:

عن عائشہ کان رسول اللہ اذا ذبح الشاۃ یقول ارسلوا الیٰ اصدقاء خدیجہ قال فذکرت لہ یوما فقال انی لاحب حبیبھا۔	حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جس دن بکری ذبح کی جاتی تو رسولِ خداؐ فرماتے تھے کہ خدیجہؑ کی سہیلیوں کے پاس (گوشت) بھجوا دینا۔ ایک دن میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں خدیجہؑ کو دوست رکھنے والوں

(اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۳) | محبت کرتا ہوں۔

مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جناب خدیجہ طاہرہؑ سے کس قدر محبت والفت تھی اگر اس کا اندازہ کرنا ہے تو اس کے لئے یہ روایت کافی ہے۔

صاحب اصابہ و استیعاب دونوں حضرت عائشہ کے اس قول کے ناقل ہیں کہ کان رسول اللہؐ لایکاد یخرج من البیت حتی یذکر خدیجہ ویحسن ثناء علیھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلتے وقت ہمیشہ جناب خدیجہؑ کی مدح وثناء فرماتے اور ان کو یاد کرتے تھے

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر نہایت یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہؐ نے جناب خدیجہ طاہرہؑ کے بعد شادیاں تو بہتیری کیں لیکن مرسلِ اعظمؐ کو پھر دوسری خدیجہؑ نہ مل سکی۔ نو نو بیویوں کے باوجود جس کی یاد دل دماغ کو تڑپاتی اور جس کا ذکر قلب وضمیر اور وجدان وروح کو آرام پہنچاتا تھا۔ وہ شہزادی اسلام خدیجہؑ تھیں۔ حق ہے کہ انھیں کو محبوبہ رسولِ خدا کہا جائے۔

غرض کہ ام المومنین خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا سے مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو محبت ان کی زندگی میں تھی اس میں ہزار روک ٹوک کے باوجود دن بدن اضافہ ہوتا رہا اور مدح خدیجۃ الکبریٰ میں صاحب ما ینطق ہمیشہ رطب اللسان ہی رہے۔

جناب خدیجہ طاہرہؑ سے مرسلِ اعظمؐ کو بے پناہ محبت اسی لئے تھی کہ خود جناب خدیجہ طاہرہؑ کو حضور علیہ السلام سے بے حد محبت وعقیدت تھی

بس انتہا یہ ہے کہ پچیس سال کے طویل عرصہ تک ایک ساتھ رہنے کے باوجود خلاف مرضی رسول جناب خدیجہ طاہرہؑ نے نہ کوئی بات کی اور نہ کہی اور اپنی بے پناہ محبت و خلوص، اطاعت شعاری اور فرمانبرداری سے اپنے محبوب شوہر کو ہمیشہ راضی و خوشنود رکھا۔ رہ گئیں ام المومنین حضرت عائشہ انھیں مورخین و محدثین اسلام "محبوبہ رسول" نہیں کچھ اور بھی کہہ سکتے ہیں یہ تو اپنی اپنی عقیدت ہے ——— ام المومنین عائشہ کو عقیدتمندوں نے بطور خراج اس لقب سے نوازا ہے اللہ و رسول سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

حقائق پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے لیکن مٹایا نہیں جا سکتا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کیا راضی کرتیں وہ تو اپنے والد محترم کو بھی راضی نہیں رکھ سکیں۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

> "احادیث میں حضرت عائشہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات کے متعلق مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بحث ہونے لگی حضور نے فرمایا یوں فیصلہ نہیں ہوگا کسی کو ثالث مقرر کر لو۔ کہو ابو عبیدہ جراح کو ثالث مقرر کرنے پر رضامند ہو۔ میں نے کہا "نہیں وہ بہت سادہ مزاج انسان ہیں ضرور آپ کی طرفداری کریں گے"۔ حضور نے فرمایا اچھا اپنے والد کو ثالث مقرر کر لو" میں راضی ہو گئی اور حضور نے ابوبکر کو بلا بھیجا وہ آئے حضور نے مجھ سے کہا "تم بات بیان کرو"

میں نے کہا "نہیں آپ بیان کریں" چنانچہ حضور نے وہ بات جس کے
متعلق بحث ہو رہی تھی ابوبکر کے سامنے بیان کی جب حضور بات ختم کر چکے
تو میں نے والد سے کہا آپ بتائیے ہم دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟"
انھوں نے یہ سنتے ہی میرے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو رسول اللہ
کی بات کی مخالفت کرتی ہے؟" طمانچہ اس زور سے لگا تھا کہ میری ناک سے
خون جاری ہوگیا۔" (عائشہ ص۳۰)

کاشانۂ نبوت میں خدیجۃ الکبری علیہا السلام کے زمانہ تک تو سکون و اطمینان نظر آیا لیکن ان کے بعد اس قسم کی تو تو میں میں اور دھینگا مشتی آئے دن ہوا کرتی تھی۔

جمیل ایجنسی
حیدرآباد سندھ پاکستان

آگے چل کر عباس پھر لکھتے ہیں:

"ایک بار حضرت ابوبکر حجرے کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے
اپنی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باآواز بلند گفتگو کرتے سنا وہ غصہ
کی حالت میں حجرے میں داخل ہوئے اور اس گستاخی کی سزا دینے کے لئے
بیٹی کو تھپڑ مارنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان میں
کھڑے ہو کر انھیں ایسا کرنے سے روک دیا جب وہ باہر چلے گئے تو
آپ نے عائشہ سے فرمایا۔

"کیا یاد کروگی آج میں نے تمھیں پٹنے سے بچا لیا" (عائشہ ص۹۱)

خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے بعد نبوت کی زندگی کا سکون ختم اور اطمینان رخصت ہوگیا تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک بیوی ـــــ ام المومنین حضرت حفصہ

——— کو تو طلاق تک دیدی تھی اور ایک مرتبہ تمام بیویوں سے مہینہ بھر تک ناخوش رہے اور ناراضی کی بنا پر سب سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ پورے مدینہ میں شور ہو گیا کہ حضور نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔ اور جب انتیس ۲۹ روز کے بعد حضور تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ کی زبان پر پہلا فقرہ جو آیا وہ یہ تھا:

"یا رسول اللہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ مہینہ بھر تک ہم سے علیحدہ رہیں گے لیکن ابھی تو انتیس ۲۹ دن ہی ہوئے ہیں آپ کیسے تشریف لے آئے؟ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہینہ انتیس ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے" (عائشہ ص۳۳)

ان واقعات کو پڑھ کر ہر شخص یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام عورتوں کی سیرت و کردار سے ایک انچ بھی بلند و برتر نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشان اور دق کرنے والی ازواج کی سیرت کو دنیا کی کسی خاتون کے لئے نمونہ عمل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

برخلاف اس کے شہزادی اسلام جناب خدیجہ طاہرہ کو مرسل اعظم سے جو گہری عقیدت، محبت، موانست اور قلبی لگاؤ تھا اور کاشانۂ نبوت میں سیدہ خدیجہ طاہرہ نے جو پاکیزہ سیرت، بلند اخلاق اور عظیم کردار پیش کیا ہے وہ ——— جس کی وجہ سے ان کے بعد بھی حضور انھیں یاد کرتے رہے ——— ساری دنیا کی عورتوں بالخصوص مسلم خواتین کے لئے نمونہ عمل ہے۔

جب حضرت عائشہ نے ام المومنین جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے خلاف باتیں کہہ کر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض و غضبناک کیا تو اللہ کے رسولؐ نے مدح جناب سیدہ خدیجہؓ میں تین باتیں فرمائی تھیں۔ پہلی بات یہ تھی کہ وہ مجھ پر تب ایمان لائیں جب لوگ منکر تھے اور انھوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے ——— "امنت اذ کفر الناس وصدقتنی اذ کذبنی الناس۔ (اصابہ جلد ۴ ص۲۸۳ و استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد ۴ ص۲۸۵)

جیسا کہ ہم اس کے قبل تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ سیدہ خدیجہؓ کو جب یہ یقین ہو گیا کہ آپ ہی خاتم الانبیاءؐ ہیں تب نکاح کا پیغام دیا۔ یعنی جناب خدیجہ طاہرہؓ کو آج سے پندرہ برس پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ آپ "خاتم النبیینؐ" ہیں اس لئے جب پندرہ برس بعد اعلان رسالت کا رسول اعظمؐ کو الٰہی حکم ملا تو جناب خدیجہؓ نے ایک لمحہ تامل کئے بغیر تصدیق فرمائی۔

نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"وحی کے اولین تجربے میں ہیبت و جلال کا بہت سخت بوجھ آپؐ نے محسوس کیا گھر آکر اپنی رفیقہ دمساز سے واقعہ بیان کیا انھوں نے تسلی دی کہ آپؐ کا خدا آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا ورقہ بن نوفل نے تصدیق کی کہ یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا مگر مزید یہ کہا کہ یقیناً لوگ آپؐ کی تکذیب کریں گے آپ کو تنگ کریں گے آپؐ کو وطن سے نکالیں گے اور آپ سے لڑیں گے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خدا کے کام میں

آپ کی حمایت کروں گا۔ اب گویا آپ خدا کی طرف سے دعوتِ حق پر باقاعدہ مامور ہو گئے اور آپ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی یہ دعوت سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہی کے سامنے آئی اور وہی اس پر ایمان لانے والوں میں سے پہلی ہستی قرار پائیں۔" (محسنِ انسانیت صفحہ ۱۰۱)

اس واقعہ کو امام بخاری کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

"ایک فرشتہ آپ کے حضور میں حاضر ہوا اور اس نے کہا اے محمدؐ پڑھئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میں کچھ بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضور فرماتے ہیں میرے اس جواب پر اس فرشتے نے مجھے اپنے آغوش میں لے کر خوب بھینچا اس قدر زور سے بھینچا کہ میری جسمانی طاقت نے مجھے جواب دے دیا لیکن پھر اس فرشتے نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اے محمدؐ پڑھئے۔ میں نے دوسری دفعہ بھی جواب میں یہی کہا کہ میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میرے اس کہنے کے ساتھ ہی پھر اس نے مجھے پکڑ کر دوبارہ خوب زور سے بھینچا ایسی قوت سے بھینچا کہ میری ساری طاقت سلب ہونے لگی لیکن اس نے مجھے پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا اے محمدؐ پڑھئے۔ پھر بھی جواب میں میں نے پڑھے ہوئے ہونے کی نفی کی حضور فرماتے ہیں میرے اس جواب پر پھر اس نے مجھے پکڑ لیا اور آغوش میں لے کر تیسری دفعہ پھر بہت زور سے ..... دبوچا۔ لیکن پہلے کی طرح پھر چھوڑ دیا اور کہا "اپنے مقدس پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھئے وہ رب ہے جس نے تمام عالموں کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا ہاں پڑھئے اور یاد رکھئے کہ آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے"۔ ـــــــ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کلام ربانی کی یہ چند مقدس آیات لے کر دولت سرائے کی طرف تشریف لے چلے مگر اس حالت اور کیفیت میں کہ آپ کا مبارک قلب اس عجیب وغریب واقعہ کے پیش آنے سے ڈر کے مارے کانپ جارہا تھا آپ سیدھے ام المومنین حضرت خدیجۃ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے مجھے کچھ اڑھادو انھوں نے فوراً آپ کو ایک چادر اڑھادی آپ تھوڑی دیر چادر اوڑھے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل سے سارا خوف و ڈر دور ہوگیا جب حضور کی طبع مبارک کچھ سکون پذیر ہوئی تو آپ نے ام المومنین سے تمام وکمال حیرت انگیز واقعہ (جو پیش آیا تھا) بیان فرمایا اور فرمانے لگے واللہ مجھے اپنی جان کا سخت اندیشہ ہوگیا ہے حضرت خدیجہ نے جواب میں آپ سے تسلی بخش باتیں کیں اور کہا آپ بالکل مطمئن رہئے آپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی کچھ بدسلوکی نہیں کرسکتا۔ خدا کی قسم انصاف اور مہربانیاں فرمانے والا خدا آپ کو کبھی ملول وحزین نہ فرمائیے گا..........

اس کے بعد مزید اطمینان دلانے کے لئے حضرت خدیجہ آپ کو لے کر چلیں اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل .... سے بی بی خدیجہؓ نے کہا۔

"اے میرے چچا کے بیٹے اپنے بھائی کے فرزند کی بات تو سنو کہ ان کے پاس کون آیا اور انھوں نے آج کیسی عجیب بات دیکھی ہے۔

سُن کر ورقہ آنحضرت صلعم کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے اے میرے بھتیجے کہو آج تم نے کیا دیکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام واقعہ

جو واقعہ سے گذرا تھا بیان فرمایا تو یہ عجیب و غریب واقعہ سنتے ہی فوراً پکار اٹھے کہ محمد اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے خوش ہو جاؤ کہ تم آج خدا ئے برحق کے نبی بنا دیئے گئے اور یہ تمہارے پاس آنے والا وہی ناموس اکبر (جبرئیل) تھا جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے پاس بھی بھیجا تھا۔۔۔۔۔۔"

(بخاری جلد ا صفحہ ۳ مطبوعہ ۱۳۲۸ھ از رؤف رحیم ج ا صفحہ ۳۹۰ از مولانا حمید اللہ)

مولانا محمد حمید اللہ دہلوی نے اسی موضوع پر لکھتے ہوئے جبرئیل کے پہچاننے کی ایک نئی تدبیر کا یوں ذکر کیا ہے:

" ام المومنین نے عرض کیا بے شک خدائے تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو بہت معزز و ممتاز فرما دیا اب آپ مکان کے کسی علیحدہ حصے میں تشریف لے جا کر رونق افروز ہوں اور جب آپ کے پاس جبرئیل امین تشریف لائیں تو آپ مجھ سے ضرور کہہ دیں۔ سرکار نے ام المومنین کی یہ درخواست منظور فرمائی اور جب آپ پر جبرئیل امین منکشف ہوئے تو آپ نے خاتون اکرم کو پاس بلا کر فرمایا۔ دیکھو اس وقت میرے پاس جبرئیل تشریف لائے ہیں ام المومنین نے آپ کو اپنے بائیں پہلو کی طرف بٹھا کر کہا کہ کیا اب بھی آپ کو جبرئیل نظر آتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں ـــــ پھر ام المومنین نے آپ کو دائیں پہلو کی طرف بٹھا کر پوچھا ابھی آپ نے اثبات میں جواب دیا پھر خاتون معظم نے آپ کو اپنی ایک چادر اڑھا دی جس سے سر مبارک کے سوا آپ کا سارا جسم ڈھک گیا اب پھر حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کیا اب بھی آپ کو جبرئیل دکھائی دیتے ہیں

آپ نے فرمایا نہیں۔ اب نہیں دکھائی دیئے یہ سن کر بی بی خدیجہؓ نے جوش مسرت سے ہنستے ہوئے آپ سے کہا میں آپ کو خوشخبری سناتی ہوں کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت کے خلعت سے مشرف فرمایا۔"

(رؤف رحیم جلد ۱ ص۳۳)

مذکورہ بالا روایتوں میں چند چیزیں سمجھنے کی ہیں

(۱) جبرئیل نے مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھینچا کیوں۔ کیا یہ بھی کوئی روحانی تعلیم کا ذریعہ ہے ؟

(۲) اپنے منصب، جبرئیل اور اپنے کو رسول ونبی ہونے سے کیا مرسل اعظمؐ لاعلم و بے خبر تھے جبکہ ورقہ بن نوفل کو اس بات کا علم تھا ؟

(۳) کیا جبرئیل کو دیکھ کر مرسل اعظمؐ اس قدر خوفزدہ ہو گئے تھے کہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے ؟

(۴) کیا رسول خداؐ کئی بار دیکھنے کے باوجود جبرئیل کو پہچاننے سے قاصر رہے ؟

(۵) کیا جبرئیل کو کسی خاتون کی چادر میں آنے سے شرم معلوم ہوتی ہے۔ آخر سیدہ خدیجہؓ کی چادر میں کیوں در ہے ؟

(۶) اگر ایسا ہے تو پھر حضرت عائشہ کے لحاف میں وحی لیکر کیسے آتے تھے ؟

(۷) ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو اللہ نے نبوت کے خلعت سے مشرف فرمایا ہے اور نہ معلوم ہو تو خود نبی ہونے والے عہدیدار محمد الرسولؐ کو ؟

اگر یہ سوالات حل ہو جائیں تو مذکورہ بالا روایتوں کو بلا کم وکاست تسلیم

کرلینا چاہئے اور اگر حل نہ ہوں اور ان کو تسلیم کرلینے سے عقل کو انکار ہو تو محض اسی قدر تسلیم کرنا چاہئے کہ وحی کا آغاز اور اسلامی تحریک کی ابتدا تب ہوئی جب سیدہ خدیجہؑ کا شانۂ نبوت میں پہونچ چکی تھیں شہزادی نے اعلانِ رسالت کا حکم سُن کر بلا تامل و توقف رسالت کی تصدیق کی اسلام و ایمان کا اعلان کیا۔

اسلام کے سارے مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اول من اسلم من النساء خدیجہ جس خاتون نے سب سے پہلے اسلام کے قبول کرنے کا اعلان کیا وہ اسلام کی شہزادی خدیجہ طاہرہؑ ہیں۔

سابقون الاولون کی جب کبھی فہرست تیار کی جائے گی تو سرِ فہرست جناب سیدہ خدیجہ علیہا السلام کا نام لکھا جائے گا۔ سیدہ خدیجہؑ نے تصدیق رسالت میں سبقت ہی نہیں کی بلکہ تا دمِ آخر اپنے کامل یقین پر باقی رہیں۔ جب تک زندہ رہیں نصرت و حمایت اور حفاظت و رفاقت کا حق ادا کرتی رہیں اسلامی تحریک کی ہر طرح معین و مددگار رہیں۔

صاحب اعلام الوریٰ فی اعلام الہدیٰ لکھتے ہیں:

"عباس بن عبدالمطلب کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کے برابر ایک دوسرا شخص بھی بیٹھا تھا ان دونوں نے دیکھا کہ "ایک مرد آیا اور کعبہ کے برابر کھڑا ہو گیا پھر ایک عورت آئی ——— اور وہ اس مرد کے برابر ——— کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگی پھر ایک بچہ برآمد ہوا اور وہ بھی انھیں لوگوں کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا ——— جو عباس کے برابر بیٹھا ہوا تھا اس کو یہ امر کچھ عجیب سا لگا اس کا بیان ہے

کہ ـــــــ میں نے عباس سے پوچھا یہ کون سا دین ہے اس کو تو میں نہیں جانتا تو عباس نے جواب دیا کہ یہ (جوان) محمدؐ بن عبداللہ ہیں جن کا خیال ہے کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور ایک دن قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر ان کا قبضہ ہوگا اور یہ عورت خدیجہؑ بنت خویلد ہیں جوان پر ایمان لے آئی ہیں اور یہ بچہ اسی نوجوان کا چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب ہے اس نے بھی ان کے دین کو قبول کر لیا اور ان پر ایمان لے آیا ہے ۔" (ص۲۵ طبقات واقدی جلد ۸ ص۱۰)

مکہ کے تاریک ماحول اور کفرستان میں اوّل اوّل صرف تین نمازی تھے ایک تو خود مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دوسرے ان کے ابن عم جناب امیر علیہ السلام اور تیسری ذات شہزادی اسلام سیدہ خدیجہؑ کی تھی ـــــــ مورخ ابن سعد کے بیان کے مطابق چوتھا نمازی ابوطالب علیہ السلام کا دوسرا دیندار فرزند مستقبل کا مبلغ اسلام جعفرؑ تھا۔ جب جعفرؑ بیٹھے تھے اور مرسل اعظمؐ کے ساتھ جناب امیرؑ نماز پڑھ رہے تھے تو جناب ابوطالبؑ نے جعفرؑ سے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے" "نماز" جعفرؑ نے جواب دیا ـــــــ تو جناب ابوطالبؑ نے فرمایا تم کیوں بیٹھے ہو صل جناح ابن عمك تم بھی اٹھو اور اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ نماز پڑھو" ـــــــ اس طرح جناب ابوطالب علیہ السلام کی نگرانی اور سرپرستی میں اسلامی تحریک آگے بڑھتی رہی۔ ابوطالب علیہ السلام کی حفاظت میں دیندار سکون و اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے رہے، نمازیں پڑھتے رہے۔

مکہ کے دہشت پسند کافروں نے نبی کریمؐ کی عبادت میں عربی غیرت

اور انسانی اقدار و تہذیب کا بھی کچھ پاس و لحاظ نہیں کیا اور قریش کے اکابر بھی نہایت پست و ذلیل اور رذیل و رکیک حرکات پر اُتر آئے، مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھاتے، گلے میں اُوجھڑیوں کے پھندے ڈالتے، مذاق اُڑاتے، نقلیں کرتے، پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے جیسے کسی شریف راہ گیر کے پیچھے کُتے بھونکتے ہوں، ڈھیلے پتھر مارتے، پاگل اور دیوانہ کہتے اور اسی طرح کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں ——— جن کی اکثریت غریب و نادار تھی ——— کو نت نئے مصائب میں مبتلا کرتے۔ غرض اعلانِ رسالت کے بعد مکہ کی زمین و آسمان سب ہی آنکھیں دکھاتے تھے۔ اپنے محبوب شوہر کو خدیجہ طاہرہؑ مخالفتوں کے طوفانوں سے گذرتے دیکھتیں، جسمِ انور کو لہو لہان اور ملبوسات کو تار تار دیکھتیں، کفارِ مکہ کے ہاتھوں کئے گئے مظالم کی رودادیں سُنتیں۔ شہزادیِ اسلام کے ٹکڑوں پر جو مرد اور عورتیں پلتی چلی آئی تھیں اب انھیں کی لال پیلی آنکھیں دیکھتیں ——— لیکن صبر و شکر کے علاوہ آنحضرتؐ سے کبھی شکوہ شکایت نہیں کی۔ شام کو جب ہادی اکبر علیہ السلام گھر میں داخل ہوتے تو سیدہ خدیجہؑ غم کھا لیتیں آنسو پی لیتیں اور مسکرا کر نبوت کا خیر مقدم کرتی تھیں تسلی و تشفی دیتیں، مرہم پٹی کرتیں۔

عقیلۂ عرب سیدہ خدیجہؑ اپنے محبوب اور زخمی شوہر کو عمدہ عمدہ مشورے اور رائے دیتیں رات بھر سکون و اطمینان سے بسر کرنے کے بعد دوسری صبح ہادی اکبر علیہ السلام بدستور تبلیغ کے میدان میں نظر آتے۔ محمد الرسول اللہ اعظم

علیہ وآلہ وسلم جیسے محبوب شوہر کے پیچھے شہزادی عرب خدیجہؑ نے اپنا سارا سکون واطمینان، راحت وآرام تج دیا تھا۔ سیدہ خدیجہؑ اب شہزادی عرب نہیں رہ گئی تھیں وہ تحریک اسلامی کی ممبر تھیں، نبوت کی مونس وغمخوار تھیں رسالت کی پشت پناہ اور اسلام کی معین و مددگار تھیں —— سچ کہا گیا ہے کہ وہ نبی کریمؐ کے لئے بہترین وزیر تھیں ان تک پہونچنے کے بعد اللہ کا نبیؐ دنیا کا سارا غم بھول جاتا، دُکھ درد اور رنج وغم دُور ہو جاتے اور بے پناہ سکون و اطمینان نصیب ہوتا۔"

(شرح بہجۃ المحافل جلد ۱ ص۷۹ و اعلام الوریٰ ص۳۵)

محل سے قید خانہ تک

کفار قریش اور صنادید مکہ کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے ان کی عداوت ونفرت کے آہنی قلعہ مسمار ہو گئے اور بغض وعناد کے باندھے ہوئے اونچے اور مضبوط باندھ اسلامی تحریک کے ریلے میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے تب ان کو بھی تحریک اسلامی کی قوت وطاقت کا اندازہ ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ عرب کی ابھرتی ہوئی اس طاقت کو آسانی سے نہیں ختم کیا جا سکتا۔ اساطین مکہ کو یقین ہو گیا کہ اب محمدی اور اسلامی تحریک شاہراہ ترقی تک پہونچ چکی ہے اس لئے اس کو انفرادی مخالفت سے دبانا محال ہے ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا جب وہ ہر نئی صبح اس تحریک کے بڑھتے ہوئے طوفان کی لہروں میں کفر کے اونچے اونچے کھنڈرات کو تنکے کی طرح بہتا ہوا دیکھتے۔

نبوت کے پانچویں سال مبلغ اسلام جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کی زیر قیادت تحریک اسلامی کے وابستگان کا ایک قافلہ مکہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑے دنوں کے توقف کے بعد دوسرا بڑا قافلہ بھی مکہ کو وداع کہہ کر حبشہ پہونچ گیا۔ ہر چند کفار مکہ نے چاہا کہ مہاجرین حبشہ کو راستہ ہی میں گرفتار کر لیا جائے لیکن تعاقب کرنے والے کفار کی دسترس سے مہاجرین کوسوں دور نکل چکے تھے۔ عمرو بن عاص کی سرکردگی میں شاہ حبشہ نجاشی تک کفار مکہ نے اپنا وفد بیش قیمت تحائف کے ساتھ روانہ کیا تاکہ یہ وفد مہاجرین کو

وہاں سے واپس لاسکے اور یہ درندے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑیں مگر جناب جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کی کامیاب تبلیغ اور بہترین وکالت کی وجہ سے مکہ کے وفد کو خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ہو کر وہاں سے واپس ہونا پڑا۔

مہاجرین کا ہاتھوں سے نکل جانا اور وفد کا حبشہ سے بے نیل مرام واپس آنا ہی کفار مکہ کو غیظ و غضب میں لانے کے لئے کیا کم تھا کہ ایک دن عین حرم میں ٹھیکیداران مکہ کے مجمع میں شیر بیشہ شجاعت حمزہؓ کی آواز گونجی "میں محمدؐ کے دین پر ہوں وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی میں بھی کہتا ہوں ہمت ہو تو میرے مقابلے پر آؤ"۔

اس اعلان نے تمام باطل پرستوں کے گھروں میں صف ماتم بچھا دی۔ شرارت پسند اور موذی کفار مکہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ ہادی اکبرؐ کا مذاق اڑانے والی زبانیں گنگ اور اذیت دینے والے ہاتھ شل ہو گئے۔ پیغمبر امن و امان نہایت آزادی سے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ابولہب، ابوجہل، عتبہ، عتیبہ، شیبہ، ولید اور ابن زبعری وغیرہ درندوں کا کوئی خوف نہیں شفیق اور بہادر چچا ابوطالبؑ کی حفاظت قوت بازو علیؑ کی نصرت، مونس و غمخوار رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہؑ کی ہمدردیاں اور حمایت پہلے ہی سے حاصل تھیں اور اب حمزہؓ جیسا سلوشور بہادر بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔

اس لئے کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر تحریک اسلامی کی بے انتہا کامیابی پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا اپنی ناکامیوں کا از سر نو جائزہ لیا آئندہ کے لئے کسی ٹھوس مخالفت کے اقدام پر غور و خوض کیا۔ انھوں نے

جائزہ لیتے وقت سوچا کہ ہم نے اسلامی تحریک کی ہر طرح مخالفت کی۔ گندہ پروپیگنڈا کیا۔ پاگل اور مجنون کہا۔ قرآنی آیات وتعلیمات کو قصے اور کہانیوں سے تعبیر کیا۔ کئی شعراء نے اشعار کے ذریعہ ان کے خلاف جذبات کو برانگیختہ کیا ان کے دلائل کے سامنے ہم نے کٹ حجتیاں کیں استہزاء اور دشنام طرازیاں کیں حد ہے غنڈہ گردی تک سے کام لیا لیکن ہماری ہر مخالفت کا اثر الٹا ہی ہوتا رہا ہم نے اپنی سوداگرانہ کوششیں بھی صرف کر دیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوطالب (علیہ السلام) کو خریدنے کی انتھک جد وجہد کی مگر ہمارا یہ حربہ بھی ناکام رہا۔ اب اسلامی تحریک کے علمبردار حبشہ تک پہونچ گئے ہمارا وفد وہاں سے ذلیل ورسوا ہو کر واپس آگیا ——— محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں عاجز کر دیا ہے ہمارے مذہب کو بُرا اور ہمارے بزرگوں کی تحمیق کرتے ہیں پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے ایسے میں ہم سب کا فرض ہے کہ اجتماعی طاقت وقوت سے ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور ایسی شدید مخالفت کی جائے کہ اسلامی تحریک ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے۔

کافی رد وقدح کے بعد ترک موالات کا پروگرام بنایا گیا جب مرد و زن سب اس پر راضی ہو گئے تو ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں لکھا تھا کہ "بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے سارے تعلقات ختم کر دیئے جائیں، ان سے شادی بیاہ لین دین، خرید و فروخت اور بات چیت نہ کی جائے اور ان سے ہرگز صلح نہ کی جائے حتی یسلموا رسول اللہ للقتل یہاں تک کہ عاجز آکر وہ لوگ محمدؐ (رسولؐ) کو ہمارے حوالہ کر دیں تا کہ ہم انھیں قتل کر دیں۔

(روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۱۳۵ و مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۷۶ و روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۸۵)

سوشل بائیکاٹ کے بعد سردار مکہ ابوطالبؑ اپنے پورے خاندان کو لیکر شعب میں آگئے اور مکمل تین سال اس قید سخت کی زندگی ابوطالبؑ نے گذاردی مگر ہادی اکبرؐ کی حفاظت وحمایت سے دستبردار نہ ہوئے۔

ان ہاشمی ومطلبی قیدیوں میں شہزادی عرب سیدہ خدیجہؑ بھی ہیں اور صرف خدیجہ طاہرہؑ ہی نہیں بلکہ ان کی آغوش محبت میں شہزادی نورجناب معصومہ سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی چند مہینوں کی ہی مگر قیدی کی حیثیت سے ہیں۔

ابوطالبؑ اور ان کے ساتھیوں پر ——— نازونعم کی پروردہ شہزادیوں اور پھول سے معصوم بچوں ——— پر کیا گذر گئی اسے خدا کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا۔ ان تکلیفوں کا آج ہم ہلکا سا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

"بھوک سے تڑپ تڑپ کر رونے والے بچوں کی آوازیں اور فریادیں قریش کے در وبام سے ٹکراتی تھیں جسے وہ سُن کر خوش ہوتے تھے"

(زادالمعاد ابن القیم جلد ا صـ۲۹۹ و روضۃ الاحباب جلد ا صـ۱۳۲)

نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"بنوہاشم بے بس ہو کر شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ گویا پورا خاندان تحریک اسلامی کے داعی کی وجہ سے ایک طرح کی قید اور نظربندی میں ڈال دیا گیا اس نظربندی کا دور تقریباً تین برس تک طویل ہوا اور اس دور میں جو احوال گذرے ہیں ان کو پڑھ کر پتھر بھی پگھلنے لگتا ہے۔ درختوں کے پتے نگلے جاتے رہے اور سوکھے چمڑے اُبال اُبال کر اور آگ پر بھون بھون کر کھائے جاتے رہے حالت

یہ ہو گئی کہ بنو ہاشم کے معصوم بچے جب بھوک کے مارے بلکتے تھے تو دُور دُور تک ان کی درد بھری آوازیں جاتی تھیں قریش ان آوازوں کو سُنتے تو مارے خوشی کے جھوم جھوم جاتے ناکہ بندی اتنی شدید تھی کہ ایک مرتبہ حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) نے کچھ گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ چوری چھپے بھیجا راستہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور گیہوں چھیننے کے درپے ہوا اتفاق سے ابوالبختری بھی آ گیا اس کے اندر کسی اچھے انسانی جذبے نے کروٹ لی اور ابوجہل سے کہا کہ چھوڑ دبھی ایک بھتیجا اپنی پھوپھی کے لئے بھیجتا ہے تو تم اسے بھی روکتے ہو اسی طرح ہشام بن عمرو چوری چھپے کچھ غلہ بھیج دیتے تھے"۔ (محسن انسانیت ص۲۱۴)

یقیناً ان دردناک مصائب و آلام اور شدید ترین اذیتوں پر پتھر پگھل سکتا ہے مگر نہ پگھلے تو کفار مکہ اور قسی القلب صنادید قریش۔ مجھے کفار مکہ اور صنادید قریش سے شکایت کا کوئی حق بھی نہیں ہے وہ تو تھے ہی سنگدل و ظالم _____ لیکن انقلابی جماعت کے ان "بہادر مسلمانوں" سے مجھے شکایت ہے جن کی بہادری کے گیت مورخین اسلام گا رہے ہیں۔ ان کی مکہ میں موجودگی کے باوجود بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر مسلسل تین سال تک ظلم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے اور ان "عزت دار بزرگوں" کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

علامہ ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق "تلاش آذوقہ کی ذمہ داریاں خاص کر جناب امیر علی بن ابی طالبؑ کے سپرد تھیں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ

"تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت

گذرا کر طلح (درخت کا نام) کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے "!

(سیرۃ النبی جلد ا صلہ ۱)

فاقے کون کر رہا ہے، پتیاں کون کھا رہا ہے، ننھے ننھے بچوں کو بھوک اور پیاس سے تڑپتا کون دیکھ رہا ہے؟ —— سردار عرب ابوطالبؑ —— شہزادی عرب سیدہ خدیجہؑ - کیوں - سردار سے کون سی خطا ہو گئی اور شہزادی نے کون سا جُرم کیا ہے؟ —— ہادی عالمؐ محبوبِ خدا، مبلغ اسلام، آمنہ کے لال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جُرم ہے، حمایت خطا ہے، قوم سردار سے ناخوش اس لئے ہے کہ وہ محمدؐ کی حفاظت کیوں کرتے ہیں شہزادی سے ناراض اس لئے ہے کہ وہ محمدؐ کی حمایت سے دست کش کیوں نہیں ہو جاتی - میرا دل چاہتا ہے کہ اس مقام پر رُک کر میں علامہ شبلی سے صرف یہ پوچھ لوں کہ جناب جب مرسلِ اعظمؐ تین سال تک قید میں رہے، جب مکہ کا سردار فاقے کر رہا تھا، جب عرب کی نجیب ترین شہزادی بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو رہی تھی، جب اس کی گود میں ننھی سی بچی —— شہزادی نور فاطمہؑ —— جاں بلب تھی، جب بنو ہاشم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا تو آپ کے اسلامی "مہروماہ" کہاں تشریف رکھتے تھے، کیا ان لوگوں کو خبر نہ تھی کہ مکہ کا شریف ترین خاندان عورتوں اور بچوں کے ساتھ سنگدل اور بے رحم بھیڑیوں کی قید میں ہے؟

ناقابل برداشت اذیتوں کے باوجود جناب ابوطالبؑ کی سرپرستی میں کارِ تبلیغ جاری رہا - قدیم سیرت نگار ابن ہشام کا بیان ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یدعوا قومہ لیلاً و نھاراً سراً و جھاراً منادیا بامر اللہ لا یتقی فیہ احد من الناس ۔
(سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۰)

یا رسول عالم لوگوں کو صبح و شام پوشیدہ طور پر بھی کھلے بندوں بھی (جیسا موقع ہوا) اللہ کے حکم سے دعوت حق دیتے رہے اور اس سلسلہ میں کبھی کسی کی کوئی پروا نہیں کی۔"

یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کی یہ کشتی سردار عرب مومن قریش ابوطالبؑ اور ملیکۃ العرب شہزادی اسلام سیدہ خدیجہؑ کی محنت و ریاضت اور حفاظت و حمایت کی بدولت خود ابوطالبؑ اور خدیجہؑ کی صولت و سیادت اور جاہ و حشمت کے خون کی لہروں پر چلتی رہی ——————

ابوطالبؑ اور خدیجہؑ نے پیغمبر خدا اور ان کے مشن کی محبت میں اپنی خاندانی سروری، سرداری، عزت و عظمت بڑائی ساکھ اور موروثی رکھ رکھاؤ اور ساری رشتہ داریوں کو ختم کر دیا تعلقات کا گلا گھونٹ دیا۔"

تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ناز و نعم کی پروردہ، محلات میں تربیت پانے والی۔ حریر و دیبا پہننے والی، سونے چاندی موتیوں اور ہیروں سے کھیلنے والی، مکہ کی مطلق العنان شہزادی، چشم و ابرو کے ہلکے سے اشاروں پر کام لینے والی، سلاطین عصر، شاہان زمانہ، روسائے دہر اور امرائے وقت کو اپنی جوتیوں کی ٹھوکروں پر رکھنے والی ملیکۃ العرب شہزادی اسلام کے لئے ایسا بھی کوئی وقت آئے گا جب وہ قید کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگی بھوکی اور پیاسی رہے گی اپنے محبوب شوہر اور اللہ کے رسول کو اذیتوں میں دیکھے گی

گود کی بچی کو سسک سسک کر روتا اور تڑپتا دیکھے گی ——— مگر وہ خود صبر و استقامت اور عزم استقلال کی چٹان بن جائے گی نہ روئے گی نہ سسکے گی نہ شکوہ کرے گی نہ شکایت نہ مقدر کا گلہ ہے نہ قسمت کا رونا نہ آہ و زاری ہے نہ نالہ و شیون نہ فریاد ہے نہ واویلا۔ فکر ہے تو اللہ کے رسول کی تشویش ہے تو محمدی مشن اور اسلامی تحریک کی اس کے بعد اگر کوئی خیال ہے تو گود کی بچی سیدہ زہراؑ کا اور بس۔

شوہروں کو بیجا فرمائشوں کے مقبروں میں دفن کر دینے والی، جھوٹی اور مصنوعی عزت، نام و نمود اور نمائش کی خاطر قرض اور گروی کی مصیبتوں میں شوہروں کو مبتلا کر دینے والی، خاندانی وقار و عزت و جاہ کو خاک میں ملانے والی اور عزت و شرافت کو نیلام کرنے والی خواتین ام المومنین جناب خدیجۃ الکبریٰ کی پاکیزہ سیرت اور کردار سے سبق لیں۔ بدلتے ہوئے زمانہ اور مادی رجحانات کے ساتھ کسی انسان کی زندگی میں کتنا بڑا انقلاب آسکتا ہے سیدہ خدیجہؑ کی زندگی آئینہ ہے ——— بدلتے ہوئے زمانہ کا خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کرنا۔ آئین و دستور اسلام کے حدود میں رہ کر انسانی قدروں کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے زمانہ کے قدم سے قدم ملا کر چلنا۔ نشیب و فراز زیست سے گھبرا کے بغیر صالح کردار اور عمدہ اعمال کے ذریعہ زندگی کی تلخیوں کو حلاوتوں میں تبدیل کرنا دشوار گذار راستہ ہے۔ یہ راستہ بال سے زیادہ باریک تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور آگ سے زیادہ گرم ہے۔ اس خطرناک راستہ کو

اگر طے کرنا ہے تو اس کے لئے ضرورت ہے کہ ام المومنین خدیجۃ طاہرہؓ کی زندگی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے ——— سیدہ خدیجہؓ سے رشک و حسد اور نفرت و عداوت کے بجائے کاش ازواج رسولؐ نے ان کے پاک و پاکیزہ اور طیب و طاہر کردار و سیرت سے اکتساب فیض کیا ہوتا تو آج اسلام کی تاریخ کسی اور نہج سے مرتب کی جاتی۔

احسانِ خدیجہؑ

حضرت مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدح ام المومنین سیدہ خدیجہؑ اور تکذیب ام المومنین عائشہ کرتے ہوئے جو دوسرا فقرہ ارشاد فرمایا تھا وہ یہ تھا" خدیجہؑ نے اپنے مال سے میری اس وقت مدد کی جب تمام لوگوں نے مال سے مجھے محروم کر رکھا تھا" وواستنی بما لہا اذ حرمنی الناس۔

(اصابہ و استیعاب)

سیدہ خدیجہؑ کے لئے اکثر ھن مالا ——— بڑی مالدار ہی تھیں ——— مال وافر داشت ——— بہت زیادہ دولت رکھتی تھیں ——— کانت خدیجۃ ملکۃ عظیمۃ ——— خدیجہؑ عظیم شہزادی تھیں کے فقرے تمام مورخین بالاجماع و بالاتفاق لکھتے ہیں ——— خود پیغمبرؐ نے بھی خدیجۃ الکبریٰؑ کی بے پناہ دولت اور ان کے عظیم شہزادی ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ خدیجہؑ سے مرسل اعظمؐ نے فرمایا تھا۔ انت امرأۃ ذات مال ——— آپ مالدار خاتون ہیں ——— انت ملکتہ ——— آپ شہزادی ہیں۔ تاریخ سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ تمام امراء و روساء مکہ کے پاس جتنی دولت تھی اتنی دولت کی مالک سیدہ خدیجہؑ بلا شرکت غیرے تھیں ——— حضور مرسل اعظمؐ سے شادی کے بعد آخر اتنی کثیر دولت کیا ہوئی؟ اس کا جواب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ان خديجه قالت لعمها
ورقة خذ هذه الاموال
وسر بها الى محمدؐ وقل له
ان هذه جميعها هدية له
وهى ملكه يتصرف فيها
كيف شاء وقل له ان
مالى و عبيدى وجميع ما
املك وماتحت يدى فقد
وهبت لمحمدؐ اجلالاً
واعظاما له فوقف ورقة
بين زمزم والمقام ونادى
باعلا صوته يا معشر العرب
ان خديجة تشهدكم
على انها قد وهبت نفسها
ومالها وعبيدها وخدمها
وجميع ما ملكت يمينها
والمواشى والصداق والهدايا
لمحمدؐ وجميع مابذل لها
مقبول منه وهو هدية منها

(جناب) خدیجہؑ نے اپنے چچا ورقہ بن نوفل
سے فرمایا کہ یہ مال لو اور (جناب احمد مصطفیٰؐ)
کے پاس جاؤ اور کہو کہ یہ سب مال میری طرف سے
ان کی خدمت میں ہدیہ ہے اب یہ ان کی
ملکیت ہے جس طرح چاہیں اس کو خرچ کریں
اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ (میرے پاس جو کچھ
ہے) میرا مال، میرے غلام اور جو چیزیں میری
ملکیت میں ہیں، جو چیزیں میرے تحت تصرف
ہیں یا قبضہ میں ہیں میں نے سب کا سب
ان کو ہبہ کیا۔ ان کی جلالت قدر اور عظمت شان
کی وجہ سے (حسب ارشاد جناب خدیجہؑ)
ورقہ بن نوفل (گئے اور) زمزم اور مقام ابراہیمؑ
کے درمیان کھڑے ہوئے اور نہایت بلند آواز سے
(لوگوں کو) پکارا۔ اے گروہ عرب! جمعی
طور پر خدیجہؑ تم کو اس بات پر گواہ بناتی ہیں
کہ انھوں نے اپنے نفس کو اپنے مال کو اپنے
غلاموں کو اپنے خادموں کو اور وہ تمام چیزیں
جن کی وہ مالک ہیں از قسم چوپایہ واموال اور
ہدایا وغیرہ سب کو محمدؐ کو ہبہ کیا اور جو کچھ

النبیہ اجلالا لہ واعظاما ورغبۃ فیہ فکونوا علیھا من الشاھدین ۔

(بحار الانوار جلد ۶ ص۱۱۲)

خدیجہؑ نے ان کو ہبہ کیا انھوں نے سب کو قبول کرلیا ہے۔ خدیجہؑ نے اپنا سارا مال ومتاع ان کی جلالت وعظمت کے پیش نظر اور ان کی طرف رغبت کرتے ہوئے ہبہ کیا ہے لہٰذا تم سب لوگ اس بات کے گواہ رہو۔

شہزادی عرب خدیجہ طاہرہ نے مال و زر، درہم و دینار، تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ، نوکر چاکر، غلام و کنیز غرض ساری ملکیت بنام اسلام وقف کردی اور حضور مرسل اعظمؐ کو اختیار کلی دے دیا کہ آپ جس چیز کو جس طرح چاہیں بلا روک ٹوک خرچ کریں یہ سارا مال میرا نہیں آپ کا ہے۔

کہاں ہیں صاحبانِ عدل وانصاف فیصلہ کریں اور کہاں ہیں صاحبانِ فکر ونظر آکر دیکھ لیں ایک بیوی وہ ہے جس نے اپنا سب کچھ اپنا پورا سرمایہ اپنی پوری ملکیت اور اپنی کل پونجی نبیؐ کے قدموں میں ڈال کر شعب ابی طالبؑ میں قید کی زندگی بسر کرتی ہے، بھوکی اور پیاسی رہتی مگر صبر وشکر کے علاوہ مدح رسول اور حمد باری کے علاوہ شکوہ شکایت کا ایک حرف زبان تک نہیں لائی ــــــــ اور اسی کے بالمقابل وہ امہات المومنین بھی ہیں جنھوں نے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کے نان ونفقہ میں اضافہ کیا جائے کیونکہ انھیں جو گذارہ ملتا ہے وہ ان کی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے۔" (عائشہ ص۵۲) ان دونوں میں کس کو محبوبہ رسول سمجھا جائے اور کس کی سیرت کو مسلم خواتین اپنے لئے نمونہ عمل

بنائیں؟ ——— اُمہات المومنین کا کردار زمین کی پستی کو شرما رہا ہے اور ام المومنین سیدہ خدیجہؑ کا کردار آسمان کی رفعتوں کو چھو رہا ہے۔ اگر اُمہات المومنین کی سیرت کو خواتین عالم قبول کرلیں تو ہر گھر جہنم کا نمونہ بن جائے اور اگر ام المومنین سیدہ خدیجہؑ کا کردار اپنالیں تو ہر گھر جنت نظیر ہو جائے۔

سیدہ خدیجہؑ نے اپنی بے پناہ دولت اپنے محبوب شوہر کو دے دی تاکہ اسلامی تحریک رُکنے نہ پائے۔ اس دولت کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی کیا ہے۔ مقام احسان میں پروردگارِ عالم نے جہاں اپنے خاص رحم و کرم کا ذکر فرمایا سردار مکہ جناب ابوطالبؑ کے زیر حفاظت و حمایت نبوت کی پرورش کا جہاں ذکر فرمایا ہے وہیں ارشاد ہوتا ہے:

ووجدک عائلاً فاغنی۔ (قرآن مجید)	ہم نے آپ کو تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔

دنیا کا کوئی ایسا مال ہم نے حضور علیہ السلام کے پاس نہیں دیکھا جس نے آپ کو غنی کر دیا ہو۔ ہاں اگر کوئی مال مرسلِ اعظمؐ کے پاس دیکھا گیا جس سے آپ واقعی غنی ہو گئے تو صرف شہزادیٔ عرب خدیجہؑ کا مال۔ اور اسی لئے حضرت عائشہ کو جھڑکتے ہوئے مدح سیدہ خدیجہؑ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "انھوں نے اپنے مال سے میری اس وقت مدد کی جب لوگوں نے مال سے مجھے محروم کر رکھا تھا۔"

جمیل سکینہ پاکستان

امام فخرالدین رازی تفسیر میں لکھتے ہیں

اغناہ بمال خدیجہ	خدا نے رسول کو خدیجہ کے مال سے غنی بنا دیا

——— انه علیه السلام دخل علی خدیجة وهو مغموم فقالت له مالك فقال الزمان زمان قحط فان انا بذلت المال ینفد مالك فاستحی منك وان انا لم ابذل اخاف الله فدعت قریشا وفیهم الصدیق قال الصدیق فاخرجت دنانیر وصبتها حتی بلغت مبلغا لم یقع بصری علی من کان جالسا قدامی لکثرة المال ثم قالت اشهدوا ان هذا المال ماله ان شاء فرقه وان شاء امسکه۔

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ مطبوعہ مصر)

——— (ایک دن) رسول خدا خدیجہؓ کے پاس آئے تو (بہت) غمگین وملول اور افسردہ تھے۔ خدیجہؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی اس رنج کا سبب کیا ہے۔ فرمایا یہ قحط کا زمانہ ہے اگر میں تمھارا مال خرچ کر دیتا ہوں تو تم سے حیا آتی ہے اور اگر اس کو خرچ نہ کروں تو خدا سے ڈرتا ہوں (خدیجہؓ کے کہنے پر حضور علیہ السلام نے) قریش کو بلایا ان میں ابو بکر بھی تھے "صدیق" نے بیان کیا کہ خدیجہؓ نے دینار نکال نکال کر سامنے ڈھیر کر دیئے یہاں تک کہ وہ اس مقدار میں ہو گئے کہ میں ان لوگوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا جو میرے آگے (سونے کے اس ڈھیر کے پیچھے) بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنا زیادہ مال تھا۔ پھر (جناب) خدیجہؓ نے فرمایا تم سب گواہ رہنا کہ میرا یہ مال اب رسول خدا کا مال ہے (ان کو پورا پورا اختیار ہے) وہ چاہیں تو اس کو خرچ کریں اور چاہیں تو روک لیں (نہ خرچ کریں)

سیدہ خدیجہؓ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ میرے پاس مال رکھا رہے اور عوام کو تکلیفوں اور پریشانیوں میں دیکھ دیکھ کر اللہ کے رسول کڑھتے رہیں خوبی نیت کے ساتھ مال بھی اتنا پاک وپاکیزہ تھا کہ خود اللہ تعالیٰ اس مال کو اپنا عمل قرار دیتے ہوئے

مرسل اعظمؐ کو مقام احسان میں یاد دلاتا ہے ——— یقین ہوتا ہے کہ اگر ناصران رسول ——— ابو طالبؑ اور خدیجہؑ ——— نے مرسل اعظمؐ کی نصرت وحمایت نہ کی ہوتی تو اسلام پہلے ہی دن دفن کردیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دونوں ناصران نبوت ورسالت کی نصرت وحمایت کو اپنی نصرت وحمایت سے تعبیر کیا ہے دست قدرت نے اگر جناب ابوطالب علیہ السلام کے سر پر "الم یجدك یتیما فاوی" ——— کا تاج رکھ کر انھیں صفوف رجال میں منفرد قرار دیا ہے تو جناب خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کے سر پر "ووجدك عائلا فاغنی" ——— کا تاج رکھ کر بزم نسواں میں باوقار کردیا ہے۔

حضرت عائشہ ہی کا بیان ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یکاد یخرج من البیت حتی یذکر خدیجہ ویحسن ثناء علیھا۔ (اصابہ ج ۴ ص۲۸۳ واستیعاب ج ۴ ص۲۸۳)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے ہی نہیں تھے مگر یہ کہ جناب خدیجہ کی مدح وثنا کرتے ہوئے

ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل پر تعجب ہو اور وہ سوچتے ہوں کہ کیوں نبی کریم اس حد تک سیدہ خدیجہؑ کو یاد فرماتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو تاریخ سے آگاہی احادیث سے واقفیت ہے اور قرآنی معلومات سے بہرہ مند ہیں انھیں معلوم ہے کہ سیدہ خدیجہؑ اسی لائق تھیں کہ انھیں یاد کیا جائے۔ ان کی اطاعت شعاری، فرمانبرداری اور محبت والفت کا تقاضہ ہی یہی ہے کہ

ان کے بعد ان کی ایک ایک ادا یاد آئے ــــــ مگر سیدہ خدیجہؑ کو یاد کرنے کا ایک سبب اور بھی تھا ــــــ قرآن کا حکم ہے

واما بنعمۃ ربک فحدث۔ (قرآن حکیم)	(اے نبی) اپنے رب کی نعمتوں کا (بار بار) ذکر و بیان کرتے رہئے ۔

اگر سیدہ خدیجہؑ نے سہارا نہ دیا ہوتا اپنی پوری ملکیت کو اسلام پر خرچ نہ کر دیا ہوتا تو شاید مدینہ کی یہ ریاست مسلمانوں کے زیر نگیں نہ ہوتی اسلام پورے عرب پر محیط نہ ہو سکتا ــــ یدخلون فی دین اللہ افواجا ــــــ فوج فوج لوگ داخلِ اسلام نہ ہوتے اور عرب کا گندہ سماج اسلامی تہذیب و تمدن میں تبدیل نہ ہوتا۔ ان سب پر سیدہ خدیجہؑ کا احسان عظیم ہے۔ مرسلِ اعظمؐ اسلام کی اس محسنہ کو کیسے بھلا دیتے ۔ قرآن مجید کے حکم کے بعد انھیں کیسے نہ یاد کیا جاتا۔

دیگر امہات المومنین اور ام المومنین جناب خدیجہ طاہرہؑ کے فرق مراتب و درجات کو یوں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ دوسری ساری ازواجِ نبی کے لئے قرآن حکیم پند و نصائح اور روک ٹوک کرتا ہے اور بعض کو تو شدید زجر و توبیخ کرتا ہوا طلاق تک کی دھمکی دیتا ہے ۔ برخلاف اس کے محسنۂ اسلام سیدہ خدیجہؑ کی مدح و ثنا کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اپنے پیغمبر صادقؐ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان احسانات کو برابر یاد کرتے رہیں اس کا تذکرہ کرتے ہیں ۔

ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہزادیٔ عرب کی اتنی بڑی جائداد

اور اتنی کثیر دولت جو رسول اعظم نے پائی اس کو کہاں اور کیونکر خرچ کیا؟ اپنی کوشش کے مطابق میں نے کافی جد و جہد کی مگر یہ معمہ حل نہ ہوسکا۔

اس سوال کا جواب نہ گونگی تاریخ کے پاس ہے نہ بہرے مورخین کے پاس ——— کیوں؟ ——— اس لئے کہ یہ مسئلہ محسنۂ اسلام سیدہ خدیجہؑ کا تھا۔ ابو طالبؑ کی بہو کا مسئلہ۔ علیؑ کی خوش دامن کا مسئلہ اور فاطمہ زہراؑ کی والدہ ماجدہ کا مسئلہ تھا۔ مورخین کو اس مسئلہ سے فطری اور قہری طور پر دلچسپی ہونی بھی نہیں چاہیئے۔ اور اگر اس مسئلہ سے کوئی دلچسپی تھی تو اسی قدر کہ خدیجہؑ کے احسانوں پر پردہ ڈالو۔ چھپاؤ ہرگز ہرگز اس کا ذکر نہ آنے پائے۔ ورنہ سادات فخر سے سربلند کریں گے ہاشمی خوش ہوں گے اور ان کے ماننے والے مسرور ہوں گے۔ اور اگر سیدہ خدیجہؑ کے احسانوں اور مہربانیوں کا ذکر آگیا تو جھوٹے، مصنوعی اور فرضی قصص و حکایات کی وقعت کیا رہ جائے گی۔ خدیجہؑ کی بے پناہ دولت ——— جس کے شاہد خود حضرت ابوبکر بھی ہیں ——— کا اگر ذکر کر دیا گیا تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ فلاں مہاجر کی لنگی کی گرہ میں اسی ہزار درہم تھے۔ فلاں لڑائی میں فلاں بزرگ نے چندہ دیا تھا۔ فلاں صاحب نے ایک کنواں خرید کر قوم کے نام وقف کر دیا تھا۔ فلاں صاحب کی دُنبیاں اور بکریاں دن ڈوبے آتیں اور رسول مختارؐ دودھ پیا لیا کرتے تھے اور فلاں معظم نے کمر بند میں حضور علیہ السلام کے لئے ناشتہ باندھا تھا ——— اور اگر کمال جراٴت و جسارت سے کام لیتے ہوئے لکھ بھی دیں تو ان مزخرفات کو کون سُنے گا؟

جائے عبرت اور مقام غیرت ہے کہ مورخین نے ان لوگوں کا مالی احسان

مرسلِ اعظمؐ کے سر عائد کرنے کی ناکام اور ذلیل کوشش کی ہے جو خود ہمیشہ نانِ شبینہ کو محتاج رہے جن کی گذر بسر دوسروں کے دسترخوان کے ٹکڑوں پر ہوئی جن کی غربت و افلاس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ لختِ جگر کی رخصتی کے موقع پر مانگے کے ایک پیالہ دودھ پر بیٹی اور داماد کی دعوت کا انحصار تھا۔ سخت و شدید اور پُرخطر موقع پر بھی مرسلِ اعظمؐ نے جن کی ادنیٰ سی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا تھا۔

نور کے بالمقابل تاریکیوں کو پسند کرنا مورخین کی قدیم عادت ہے اس لئے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے۔ خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں احسانِ خدیجہؑ کا ذکر کر کے ہر بالغ نظر کو دعوتِ غور و فکر دے دی ہے۔ اس مقام پر ہم بہرحال حضرت عائشہ کا شکریہ ادا کریں گے اپنی دانست میں اگرچہ وہ جناب خدیجہؑ طاہرہؑ کی بُرائی کر رہی تھیں اور حضور علیہ السلام کے دل و دماغ سے جناب خدیجہؑ کی محبت کو الفاظ کے ذریعہ کھرچ دینا چاہتی تھیں مگر انھیں معلوم نہ تھا کہ مرسلِ اعظمؐ مدحِ خدیجہؑ میں آج تاریخی فقرے ارشاد فرمائیں گے اور انھیں فقروں میں "وواسنی بمالھا اذ حرمنی الناس" ——— انھوں نے اپنے مال سے میری مدد اس وقت کی جب لوگوں نے مجھے مال سے محروم کر رکھا تھا" ——— کا قیمتی فقرہ بھی ہو گا جو مورخین کی بددیانتی اور تعصبات کے پردے کو چاک کر کے زمانہ کو حقائق سے روشناس کرا دے گا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ شہزادیٔ عرب خدیجہؑ کی کثیر دولت کہاں

خرچ ہوئی اور کیونکر؟ اس کا تاریخ میں کوئی جواب نہیں ہے مگر ہم ان مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہزادیٔ عرب کی دولت کو اسلامی تحریک اور محمدی تبلیغ پر خرچ کر سکتے ہیں۔ تاریخی قرائن کا سہارا لیتے ہوئے ہم یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ان مقامات پر خدیجہ طاہرہ کی دولت خرچ کی گئی ہے۔

(۱) دعوت ذوالعشیرہ کے سہ روزہ اجلاس اور اس کی دعوت پر جو کچھ خرچ کیا گیا وہ خدیجہ ہی کا مال تھا۔

(۲) حبشہ کی جانب مہاجرین کا دو بار جانا تاریخ میں ملتا ہے نعیم صدیقی کے بیان کے مطابق پہلا قافلہ جو مختصر تھا اس کے اندر گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں ——— " یہ مہاجرین تھوڑا ہی عرصہ (رجب سے شوال تک) حبشہ میں ٹھہرے ایک افواہ پہونچی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ سب پلٹ آئے مگر مکہ کے قریب پہونچ کر معلوم ہوا کہ یہ افواہ غلط تھی"۔ "دوبارہ بہت بڑا قافلہ جس میں ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں شامل تھیں حبشہ جا پہونچا"۔ (محسن انسانیت ص۲۰۳)

مہاجرین کو مکہ سے حبشہ تک جانے آنے پر کافی رقم خرچ ہوگی۔ پھر سامانِ سفر اور حبشہ کے دورانِ قیام میں روزانہ کے اخراجات پر جو خطیر رقم خرچ ہوئی اس کا انتظام کہاں سے کیا گیا؟۔ سفر کرنے والوں میں دو ایک کے علاوہ سب مفلوک الحال اور خستہ تن۔ جن دو ایک کو میں نے الگ کیا ہے ان کے متعلق بھی قطعیت سے یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اخراجاتِ سفر

برداشت کرنے کی ان میں طاقت تھی ـــــــ خدیجہ طاہرہؑ کی دولت کے علاوہ مرسل اعظمؐ کے پاس دوسرا کوئی ذریعہ نہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ اس سفر کے کُل اخراجات شہزادی عرب کی دولت سے دیئے گئے۔

(۳) قیصر روم نے ابو سفیان سے پوچھا تھا کہ جو لوگ مسلمان ہو رہے ہیں وہ مالدار اور امیر ہیں یا نادار اور غریب۔ تو ابو سفیان نے یہی کہا تھا کہ ابتک جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ نادار و غریب ہیں یا غلام اور کنیز ـــــــ ان غریبوں، ناداروں، غلاموں اور کنیزوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا، آسمان دُور تھا زمین سخت تھی، مکہ کا چپہ چپہ دشمن ہو رہا تھا اس لئے یاد کرنا چاہیئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی جو مدد کرتے رہے ہیں وہ خدیجہ طاہرہؑ ہی کے مال سے ۔

(۴) مسلمانوں کے علاوہ جب مکہ کو شدید قحط کا سامنا کرنا پڑا تو پورے شہر اور اطراف شہر کے لوگوں کی امداد کی گئی اور امام فخر الدین رازی کے قول کے مطابق جناب خدیجہ طاہرہؑ نے قحط زدہ افراد پر تقسیم کے لئے جو دولت حضورؐ کے سامنے پیش کی وہ حضرت ابو بکر کے علم ریاضی کے حدود سے آگے تھی ۔

(۵) محرم ۷ بعثت سے ذی الحجہ ۹ بعثت تک شعب ابی طالبؑ میں پورے خاندان بنی ہاشم اور اولادِ عبدالمطلب کو قید سخت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا ـــــــ وہ قید آزاد دُنیا میں جس کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے ـــــــ اس دَور میں پورے قبیلہ پر جو کچھ خرچ ہوا وہ

خدیجہؑ ہی کی دولت تھی ۔ دور لشکر بندی کے خاتمہ کے بعد شہزادی عرب تو اللہ کے رسول کو روتا چھوڑ کر ابدی نیند سو گئیں لیکن ان کی دولت آپ کے بعد بھی حضورؐ کے کام آتی رہی ۔

(۶) ابوطالبؑ اور خدیجہؑ کی وفات کے بعد مکہ کے قیام اور سفر طائف کے دوران خدیجہؑ ہی کا مال تھا جو ہر گام حضور علیہ السلام کے کام آتا رہا ۔

(۷) غار ثور میں تین شبانہ روز مرسل اعظمؐ کا قیام رہتا ہے ۔ علامہ جلال الدین سیوطی شاہد ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے تین دن کھانے پینے کا انتظام کیا مدینہ تک جانے کے لئے سواری اور ایک راہ بتانے والے کو کرایہ پر فراہم کیا ۔ ظاہر ہے یہ سارا سامان سفر اسی رقم سے کیا جارہا ہے جو عرب کی شہزادی نبیؐ کو دے گئی ہیں ۔

(۸) مدینہ پہونچ کر حضورؐ کو ایک مسجد کی فکر ہوئی ، زمین کے انتخاب کے لئے ناقہ کو مامور کیا گیا وہ ایک ایسی زمین پر آکر بیٹھ گیا جو دو یتیموں کی تھی ۔ طے پایا کہ مسجد یہیں بنائی جائے گی ۔ ان یتیم بچوں کی اس زمین کو مختار کائناتؐ نے دس ہزار دینار میں خرید فرمایا ——— یہ روپے خدیجہ طاہرہؑ کے تھے ۔

(۹) بیکسی و بے بس و مجبور و مظلوم ، فاقہ مست و نادار و غریب مہاجرین مکہ جو ابھی تک کفار مکہ اور صنادید قریش کے پنجہ ظلم و ستم میں سسک رہے تھے ان کو مدینہ تک لانے پر خدیجہ طاہرہؑ ہی کی دولت خرچ کی گئی ۔

(۱۰) اصحاب صفہ پر بھی خدیجہؑ کا مال خرچ ہوتا رہا ۔

یہ کل وہ مقامات ہیں جہاں شہزادی عرب کی دولت کے خرچ ہونے کا غالب قرینہ پایا جاتا ہے ——— مدینہ خود بھی مرسلِ اعظمؐ کے لئے مالی مشکلات میں اضافہ کا سبب بن گیا تھا۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ شہزادی عرب کی دولت کا ذخیرہ کب تک نبی کریمؐ کا ساتھ دے سکا ——— لیکن اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ شہزادی کی بے پناہ دولت نے مدینہ پہونچنے کے بعد بھی مرسلِ اعظمؐ کو کافی عرصہ تک بے فکر رکھا ——— اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام کی عظیم عمارت کی ایک ایک اینٹ شہزادی خدیجہؑ کی ہے۔ وہی اسلام کے کاخ بلند کی در اصل مالک و مختار ہیں باقی ساری دنیا کی حیثیت اس قلعہ میں صرف پناہ گزیں کی ہے اور بس۔

حضرت عائشہ کو جھڑکتے ہوئے مدح جناب سیدہ خدیجہؑ میں جو تیسری بات مرسلِ اعظمؐ نے ارشاد فرمائی تھی وہ یہ کہ رزقنی منها الله الولد دون غيرها من النساء ——— "خدا نے مجھ کو ان سے اولادیں عطا کیں جبکہ اور عورتوں سے مجھے کوئی اولاد نہیں ملی" ——— جہاں تک ازواج کا سوال ہے تو یہ امر مسلم ہے کہ ازواج میں مرسلِ اعظمؐ کی تمام اولادوں کی ماں سیدہ خدیجہؑ ہیں۔ سوائے ابراہیمؑ کے جو جناب ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے لیکن جناب ماریہ قبطیہ کا شمار ازواج میں نہیں ہے کیونکہ وہ کنیز تھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب سیدہ خدیجہؑ بقائے نسل رسولؐ کی ضامن بن گئیں۔ آپ کے تین اولادیں ہوئیں (۱) قاسم سب سے بڑے

صاحبزادے کا نام۔ اسی نام کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ (۲) دوسرے فرزند کا نام عبداللہ تھا عرف عام میں انھیں کو طیب و طاہر بھی کہا جاتا تھا۔

سب سے آخری اور چھوٹی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں جن کی ولادت ۲۰ رجمادی الثانی ۵ھ بعثت میں ہوئی یعنی شعب ابی طالب کی سہ سالہ قید سے ایک سال چھ ماہ اور ہجرت سے آٹھ سال قبل۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ اس کے پیارے نبیؐ کی نسل لڑکوں کے بجائے لڑکی سے چلے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے دونوں صاحبزادوں کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔ ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے جناب ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی مگر ان کا انتقال بھی بچپن ہی میں ہوگیا ——— لے دے کے ایک معصومہ عالم سیدہ زہراؑ ہی تھیں یہی نبیؐ کا میوہ دل، خنکی چشم رسالت اور اپنے والد کے گھر کا روشن چراغ تھیں ——— بعد میں جس کی روشنی سے پوری دُنیائے اسلام روشن و منور ہوگئی ——— اور آج ساری دُنیا میں سادات کرام کا وجود سورۂ کوثر کی تفسیر اور کفار مکہ کے طعنوں کا جواب ہے۔

حضرت عائشہ کو صاحب اولاد نہ ہونے کا یوں بھی فطری طور پہ صدمہ رہتا رہا ہوگا۔ اور جب مرسل اعظمؐ کی زبان فیض ترجمان سے اتنا بڑا طعنہ سُنا ہوگا تو ان پر قیامت گذر گئی ہوگی۔ دوسروں کو طعن و تشنیع کرنے کی قیمت انھیں آج بھرپور وصول ہوگئی ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب میں حضرت عائشہ کو کہنا چاہئے تھا کہ آپ یہ طعنے دوسری عورتوں کو دے سکتے ہیں

میں انشاء اللہ آپ کو اولاد دوں گی ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ مگر انھوں نے کچھ نہیں کہا غالباً اپنی طرف سے انھیں بھی کامل مایوسی ہو چکی تھی ———
اس کی وجہ سے حضرت عائشہ کے فطری غیظ و غضب میں اضافہ ہو گیا تھا ——
عباس محمود العقاد لکھتے ہیں :

"اول تو فاطمہؑ حضرت خدیجہؑ کے بطن سے تھیں، جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت اور ان کا بار بار ذکر کرنے کے باعث حضرت عائشہ اپنے دل میں ایک خلش محسوس کرتی تھیں ......
دوسرے حضرت عائشہ کی گود اولاد سے خالی تھی جب وہ خدیجہؑ کی لخت جگر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت کا نظارہ کرتیں تو انھیں اولاد کی محرومی کا احساس بہت شدت سے ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان تعلقات کسی حد تک استوار نہ تھے۔" (عائشہ ص۱۲۵)

جناب فاطمہ زہراؑ سے حضرت عائشہ کی نفرت و عداوت کو بغض للّٰہی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ۔ یہی نہیں تھا کہ جب وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو دیکھتیں تو اپنی خالی گود کا احساس ہوتا تھا بلکہ ہوتا یہ رہا ہو گا کہ جب وہ اپنی خالی گود دیکھتی ہوں گی تو یادگار خدیجہؑ حضرت فاطمہ زہراؑ یاد آتی ہوں گی ۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عائشہ کو جناب معصومہ پھوپیؑ آنکھوں نہیں بھاتی تھیں ———
حضرت عائشہ کو صاحب اولاد نہ ہونے کا کافی صدمہ تھا اور اس غم نے کم سے کم اس سلسلہ میں انھیں کسی حد تک چڑچڑا بنا دیا تھا۔ چنانچہ انھیں یہ بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ رسول اللہؐ اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو کھلائیں، انھیں پیار کریں اگر کبھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کو گود میں لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر میں آ گئے تو حضرت عائشہؓ طعن وطنز سے رسول اللہؐ کا استقبال کرتیں اور ایسے ہی فقروں سے انھیں رخصت بھی کرتیں ——— سوچا جا سکتا ہے کہ ایسی حساس بیوی کو اپنے شوہر سے اولاد نہ ہونے کا جب طعنہ سُننے کو ملا ہوگا تو اس پر کیا گذر گئی ہوگی۔

حضرت عائشہ صاحب اولاد کیوں نہ ہو سکیں؟ ——— نعیم صدیقی ایک حدیث سُناتے ہیں:

"حضور کا اپنا ارشاد محفوظ ہے کہ "مالی فی النساء حاجة" یعنی میرے اندر عورتوں کے لئے کوئی جنسی طلب موجود نہیں ہے۔"

(محسن انسانیت ص۹۲۹)

تو کیا ہم یہ باور کر لیں کہ اسی لئے حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ "خدیجہؓ کے علاوہ کسی بیوی سے مجھے اولاد نہیں ملی" کیوں کہ جنسی طلب موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب کوئی اولاد کسی بیوی سے ہو بھی نہیں سکتی ——— لیکن ایسا سوچنا سوء ادب ہے اللہ کا نبیؐ کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔

اولاد نہ ہونے کا سبب عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

"پے در پے بخار کے حملوں اور غذا کی قلت کے سبب حمل میں رکاوٹ پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے" (عائشہ ص۱۲۳)

غذا کی قلت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ عباس ہی کی کتاب سے ہم

یہ روایت کہیں نقل کر آئے ہیں کہ ازواج نے حضور علیہ السلام سے نان نفقہ میں اضافہ کی درخواست کی تھی۔ درخواست کرنے والیوں میں حضرت عائشہ پیش پیش تھیں۔ یہ روایت خود بتاتی ہے کہ نان و نفقہ میں پیٹ بھرنے والی کمی نہیں تھی ہاں لطف اور مزہ میں قلت ضرور تھی۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کئی کئی دن فاقے ہوتے ہیں جہاں گداگری کے باوجود پیٹ نہیں بھرتا وہاں تو اولاد کی وہ کثرت کہ توبہ بھلی ہاں پہلا سبب ضرور قرین قیاس ہے۔ چونکہ حضرت عائشہ بچپن ہی سے ملیریا اور ٹائیفائڈ وغیرہ میں مبتلا رہی ہیں بہت ممکن ہے کہ مستقل مرض ہی مانع حمل ثابت ہوا ہو۔

بہرحال سبب چاہے جو بھی ہو مگر حضرت عائشہ بن اولاد رہ گئیں جس کا انھیں ہمیشہ صدمہ اور قلق رہا اور اس غم نے انھیں اتنا حساس اور چڑچڑا بنا دیا تھا کہ وہ کسی کی اولاد کو بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں چہ جائیکہ ماریہ قبطیہؑ اور جناب خدیجہؑ کی اولادیں۔ اسی لئے وہ فاطمہؑ، ان کے شوہر علیؑ اور ان کے بچوں سے جلتی رہیں ——— عکرمہ کی جو روایت ابن سعد نے طبقات میں نقل کی ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ امام حسن علیہ السلام سے پردہ کرنے لگی تھیں ——— "ان عائشہ احتجبت من الحسن بن علیؑ"

(طبقات واقدی جلد ۸ ص۱۲۵)———"

غم واندوہ کا سال

بعثت کا دسواں سال تھا دورِ نظر بندی کا خاتمہ ہوا۔ ابوطالبؑ کا گھرانہ قید سے نکل کر شہر کی آزاد فضا میں آگیا۔ خیال تھا کہ اب کچھ سکون ملے گا۔ لیکن محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ سال اور بھی منحوس ثابت ہوا۔ نبوت کے دونوں مضبوط سہارے دیکھتے دیکھتے چھن گئے یعنی ماہ رجب المرجب سنلہ نبوی میں سردارِ عرب جناب ابوطالبؑ اور صرف تین مہینے بعد شہزادیٔ اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ نے انتقال کیا ——— ابوطالبؑ و خدیجہؑ نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور کفارِ مکہ کی آنکھیں روشن ہوگئیں رسولِ اعظمؐ کے گھر کے دو روشن چراغوں کو موت کی آندھی نے گل کر دیا اور کافروں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے۔ وہ گود نہ رہی جس میں ہادیٔ اکبرؐ کو آرام ملتا تھا وہ سایۂ محبت والفت نہ رہا جہاں رسولِ اعظمؐ کو سکون نصیب ہوتا تھا وہ تلوار نہ رہی جو حفاظت کرتی تھی وہ زبان نہ رہی جو دعائیں دیتی تھی، وہ قلعہ نہ رہا جس میں ہادیٔ اکبرؐ محفوظ رہتا تھا وہ رفیقۂ حیات نہ رہی جس کی چشمِ محبت فرشِ راہ ہوا کرتی تھی وہ پناہ گاہ نہ رہی جس نے ہادیٔ اکبرؐ کو پناہ دی تھی وہ محبوبِ رسول نہ رہی جس نے حضورؐ کو ہر طرح کا سہارا دیا تھا وہ محترم بزرگ اور شفیق مربّی نہ رہا جو دل بڑھاتا تھا اور وہ مونس و غمگسار نہ رہی جس کے صائب مشورے دافعِ مشکلات ہوتے تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ابوطالبؑ و خدیجہؑ کی موت سے مرسل اعظمؐ پر غم والم اور درد و کرب کا اتنا اثر ہوا کہ اس سال کا نام ہی آپ نے "عام الحزن" ——— غم و اندوہ کا سال ——— رکھ دیا۔ آپؐ رنج و الم اور غم سے نڈھال ہو گئے۔

ناصرِ رسول ابوطالبؑ تم پر سلام، ام المومنین خدیجہؑ تم پر سلام۔ اور ہمارا سلام ہو آپ دونوں کی معصوم اولادوں پر سلام ہو ہمارا ان مقبروں پہ ———

وقت کے متوکل ابن سعود نے اپنے نجدی درندوں کے سہارے دیکھتے دیکھتے جنھیں خاک اور اینٹ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا سلام ہو ہمارا آلِ محمدؐ کی ان قبروں پر جو جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں زیرِ آسمان کھلی پڑی ہیں۔ حجون جنت المعلیٰ (مکہ) کی ٹوٹی ہوئی قبر میں آرام کرنے والی شہزادی عرب و اسلام ام المومنین خدیجہ طاہرہؑ اپنے ایک گنہگار بیٹے کا سلام قبول کرو ——— جنت البقیع (مدینہ) کے بوسیدہ مزار میں آرام کرنے والی شہزادی نور خاتون جنت اپنے ایک گناہگار غلام کا سلام قبول کرو۔

کردار ساز زندگی

شہزادی سیدہ خدیجہؑ کی پاکیزہ سیرت اور حیات طیبہ نے حقوق نسواں کی واضح نشاندہی کی ہے۔ خدیجہ طاہرہؑ کی پوری زندگی خواتین عالم کی کامیاب زندگی کے لئے بہترین لائحہ عمل اور نمونہ کردار ہے۔ ایک عورت گھر کی چاردیواری میں رہ کر کتنی ترقی کر سکتی ہے۔ کیسی کامیاب اور قابل فخر زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اور اپنی ذات سے قوم و ملک کی کس طرح خدمت سکتی ہے شہزادی خدیجہؑ کی زندگی میں ان تمام سوالوں کا حل موجود ہے۔

خدیجہ طاہرہؑ نے تجارت کی مگر بازاروں اور منڈیوں میں جا کر نہیں، اپنے گھر میں بیٹھ کر۔ اور ایسی کامیاب تجارت کہ اس وقت کے مرد میدان تجارت میں گردِ کارواں بن کر رہ گئے۔ مکہ کے سیٹھوں اور چودھریوں کا جتنا مال تجارت کے لئے جاتا تھا اتنا مال تنہا عرب کی اس مایۂ ناز اور قابل صد افتخار شہزادی کا ہوا کرتا تھا اور ہر ایک خدیجہؑ کی تجارت کو رشک و غبطہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔

رفیق زندگی کے انتخاب میں سیدہ خدیجہؑ نے حیرتناک عقل و بصیرت کا مظاہرہ کیا اس انتخاب کی داد خالق عقل کے سوا کون دے سکتا ہے۔

مرسل اعظمؐ کے گھر آ کر سیدہ خدیجہؑ نے اپنے حدود میں رہ کر بھرپور تبلیغ اسلام اور محمدی تحریک میں تعاون فرمایا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ابوطالبؑ و بانی اسلامؐ کے

ساتھ ساتھ خدیجہؑ کو بھی بالواسطہ ملکی سیاست میں حصّہ لینا پڑا کیونکہ اسلامی تحریک کی سیدھی ٹکر عرب کی سیاست سے تھی لیکن اس طرح کہ دامنِ شرم وحیا گرد آلود بھی نہ ہوسکا۔

ایک بیوی پر شوہر کے جو حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں سیّدہ خدیجہؑ نے اس سے کچھ زیادہ ہی کیا۔ انتہا تو یہ ہے کہ پچیس۲۵ سال کی طولانی مدّت میں اپنے محبوب شوہر کو ایک بار بھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بچّوں کی پرورش کی ہم نے دو بچّوں کی پرورش کا انداز نہیں دیکھا البتہ معصومہ عالمؑ کی تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ بیٹی کو اپنی ماں سے کبھی کوئی شکوہ نہ ہوا ـــــ حد ہے سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کی کہ محلہ پڑوس میں جھگڑا لڑائی تو درکنار کبھی تُو تُو مَیں مَیں کی بھی نوبت نہیں آنے دی ـــــ

شہزادی ہو کر بھی گھر کا سارا کام کاج خود کیا معصوم شوہر کا بھی ہر قدم پر لحاظ، گود میں پلنے والی معصومہ بچّی کا بھی ہر لحظہ خیال اور پھر امورِ خانہ داری کی ساری دیکھ بھال جبکہ گھر میں نہ کوئی نوکر، نہ خادم نہ لونڈی نہ کنیز ـــــ ان سب کے بعد بھی عبادتِ خدا سے ذرا غافل نہیں ـــــ لاریب شہزادیٔ عرب سیّدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کردار ساز زندگی کی مالک تھیں۔ وہ میکہ کا خیال رکھنے والی لڑکی شوہر سے محبت کرنے والی بیوی اور اپنے بچّوں سے پیار کرنے والی ماں تھیں ـــــ وہ ایک عظیم خاتون تھیں جس پر انسانیت کو ناز ہے، آدمیت کو فخر ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہا۔

تمام شد

۲۸ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ ـــــ میر پور رحیم آباد ـــــ ضلع اعظم گڑھ

ملیکۃ العرب

پر

پروفیسر سیّد احتشام حسین مرحوم کی رائے

مولانا کرار حسین صاحب کی نئی تصنیف ملیکۃ العرب موصوف کی تصنیفی زندگی کے ایک خاص نقطۂ عروج کا پتہ دیتی ہے۔ اس میں مسائل کے تمام پہلوؤں سے بحث کرنے کا جو استدلالی انداز پایا جاتا ہے وہ ان کے منطقی اور تاریخی طرزِ فکر کا آئینہ دار ہے۔

اسلام کی محسنہ، رسولِ مقبولؐ کی شریکِ زندگی اور عربی شرافت کے اعلیٰ نمونہ کی حیثیت سے جناب خدیجۃ الکبریٰ کی حیاتِ مبارک کو پیش کرنے میں انھوں نے ان لوازم کا پورا خیال رکھا ہے جن میں ایک سوانح عمری کے پیش کرنے میں ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

اس طرح اس عظیم المرتبت خاتون کی وہ تمام حیثیتیں روشن ہوگئی ہیں جن سے مکمل نسوانی زندگی عبارت ہے۔

واقعات کی ترتیب و تہذیب ہی میں نہیں، تحقیق میں بھی مصنف نے احتیاط اور استدلال کی جو راہ اختیار کی ہے وہ ان کے روشن مستقبل کی نشاندہی کرتی ہے مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عام طور سے پسند کی جائے گی۔

سیّد احتشام حسین

۲۴ جولائی ۱۹۶۲ء

"کتابیات"

"ملیکۃ العرب" میں جن جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور جن کے حوالے اس کتاب میں درج ہیں وہ کتابیں اور ان کے مصنفین و مؤلفین کے متعلق مختصر معلومات ۔

کتب	زبان	مصنفین و مؤلفین اور دیگر امور
۱۔ قرآن مجید	عربی	حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ
۲۔ استغاثۃ	عربی قلمی	کتاب کا پورا نام "الاستغاثۃ فی بدع الثلٰثۃ" ہے مصنف کا نام ابوالقاسم علی بن احمد بن موسیٰ بن محمد تقیؑ بن علی رضا کوفی ہے زبردست فقیہ و متکلم تھے ۳۵۲ھ میں انتقال کیا قم میں مدفون ہیں ۔ کتاب قلمی ہے ۔
۳۔ استیعاب	عربی	کتاب کا پورا نام "استیعاب فی معرفۃ الاصحاب" حالات صحابہ میں دو جلدوں پر مشتمل ہے مصنف کا نام حافظ یوسف ابن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر القرطبی ہے ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۳ھ میں انتقال کیا ۔
۴۔ اصابہ	عربی	کتاب کا پورا نام ہے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" یہ کتاب بھی حالات صحابہ میں چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ۔ مصنف کا نام شیخ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی ہے ۷۷۳ھ میں عسقلان میں پیدا ہوئے ۸۵۲ھ میں

کتب	زبان	مصنفین و مؤلفین اور دیگر امور
		انتقال کیا۔
۵۔ اعلام الوریٰ	عربی	کتاب کا پورا نام ہے "اعلام الوریٰ فی اعلام الہدیٰ" حالات معصومینؑ میں ایک جلد پر مشتمل ہے مصنف کا نام امین الدین ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی مشہدی ہے پایہ کے مورخ اور عظیم مفسر قرآن تھے آپ کا انتقال ۵۴۸ھ میں ہوا اور مشہد مقدس میں مدفون ہیں۔
۶۔ الشہید	اردو	اخلاقی، ادبی اور علمی ماہوار رسالہ جو سرکار ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی سرپرستی و نگرانی میں اور مولانا سید حسن عباس صاحب موسوی نیشاپوری کے زیر ادارت آگرہ سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ باب المسائل کی مستقل سرخی کے عنوان سے سرکار ناصر الملۃ سے پوچھے ہوئے مسائل کے جوابات شائع ہوتے تھے۔
۷۔ بحار الانوار	عربی	بڑی تقطیع باریک خط میں پچیس ۲۵ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اب طہران میں سو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ حق ہے کہ اس کتاب کو "دائرۃ المعارف" (انسائیکلوپیڈیا) کہا جائے مؤلف جلیل کا نام محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی مجلسی اصفہانی ہے آپ عظیم فقیہ اور جلیل المرتبت محدث تھے آپ کی تاریخ وفات "غم و حزن" ہے ۱۱۱۱ھ میں اصفہان میں انتقال ہوا۔
۸۔ بہجۃ المحافل مع شرح	عربی	دو جزوں میں مرسل اعظمؐ کے حالات پر مشتمل کتاب ہے مصنف کا نام ہے شیخ یحییٰ بن ابی بکر عامری ۸۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

کتب	زبان	مصنفین ومؤلفین اور دیگر امور
۹ - بخاری	عربی	مصری چھاپہ چار جلدوں میں ہے کتاب کا اصل نام "الجامع الصحیح" ہے محمد بن اسمٰعیل بخاری کی تالیف ہے ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں انتقال کیا۔
۱۰ - تاریخ الخمیس	عربی	تاریخ کی معتبر اور جامع کتاب سمجھی جاتی ہے دو جلدوں پر مشتمل ہے کتاب کا پورا نام ہے "تاریخ الخمیس فی احوال النفس النفیس" مؤلف کا نام قاضی حسین بن محمد دیار بکری مالکی ہے ۹۶۶ھ میں انتقال کیا۔
۱۱ - تجلی	اردو	دیوبند ضلع سہارنپور سے عامر عثمانی کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہوار رسالہ ہے۔
۱۲ - تفسیر درمنثور	عربی	مصری چھاپہ چھ جلدوں میں مبسوط تفسیر ہے جس میں آثار منقولہ کو بڑی محنت کے ساتھ بیان کیا ہے اتقان فی علوم القرآن اسی کتاب کا مقدمہ ہے مفسر کا نام جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہے قاہرہ میں ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۱ھ میں انتقال ہوا۔
۱۳ - تفسیر کبیر		اس کا اصل نام "مفاتیح الغیب" ہے آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے صاحبان خبرہ کے درمیان مشہور ہے کہ اس میں سب کچھ ہے مگر تفسیر ہی نہیں ہے مفسر کا نام فخر الدین محمد بن عمر رازی ہے طبرستان کے مشہور شہر رے میں ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۶ھ میں انتقال ہوا۔
۱۴ - حیوۃ القلوب	فارسی	تین جلدوں میں ہے پہلی جلد حالات انبیاءؑ دوسری جلد

کتب	زبان	مصنفین و مؤلفین و دیگر امور
		حالات مرسل اعظمؐ اور تیسری جلد حالات ائمہ معصومینؑ پر مشتمل ہے اس کتاب کے مؤلف بھی علامہ مجلسی علیہ الرحمہ ہیں۔
۱۵۔ حیات جناب خدیجۃ الکبریٰ	اردو	امامیہ مشن سے شائع شدہ ایک رسالہ جسے مولانا اسد علی صاحب نے تالیف فرمایا ہے۔
۱۶۔ خاتون جنت	اردو	سیرت معصومہ عالمؑ۔ اس پر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب کا مقدمہ ہے یہ کتاب حاجی ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی حیدرآباد نے لکھی ہے۔
۱۷۔ روضۃ الصفا	فارسی	سات جلدوں میں مبسوط و مفصل تاریخ ہے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے خاوندشاہ مشہور ایرانی مورخ نے تالیف کیا وہ ماوراءالنہر میں ۸۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۰۳ھ میں انتقال کیا۔
۱۸۔ روضۃ الاحباب	فارسی	مرسل اعظمؐ سلاطین اسلام اور ائمہ معصومین کے حالات پر مشتمل تاریخ ہے۔ مدرسۃ الواعظین کے کتب خانہ میں اس کی تین جلدیں ہیں۔ مصنف کا نام عطاء اللہ بن فضل اللہ المعروف جمال حسینی ہے یہ کتاب انھوں نے ۸۹۹ھ میں لکھ کر ہرات کے امیر علی شیر کی خدمت میں پیش کی تھی۔
۱۹۔ رؤف و رحیم	اردو	مرسل اعظمؐ کی سیرت پر مشتمل ہے مصنف کا نام مولانا حافظ محمد حمید اللہ دہلوی ہے۔
۲۰۔ زاد المعاد	عربی	دو ضخیم جلدوں میں ہے زمانہ نبوت کے حالات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے مصنف کا نام شمس الدین محمد بن ابی بکر

کتب	زبان	مصنفین و مؤلفین و دیگر امور
		بن ایوب بن سعد ابن القیم الجوزیۃ الدمشقی حنبلی ہے دمشق میں ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ میں انتقال کیا۔
۲۱۔ سیرت ابن ہشام	عربی	مرسل اعظمؐ کے حالات پر سب سے زیادہ قدیم سیرت کی کتاب تین جلدوں میں ہے مولف کا نام عبدالملک ابن ہشام الحمیری ہے قاہرہ میں ۲۱۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔
۲۲۔ سیرت حلبیہ	عربی	تین بڑی تقطیع پر حالات سرور کائناتؐ پر مشتمل کتاب ہے کتاب کا اصل نام "انسان العیون فی سیرت الامین والمامون" ہے علی بن برہان الدین حلبی کی تصنیف ہے ۱۰۴۴ھ میں انتقال ہوا۔
۲۳۔ سیرت النبی	اردو	سیرت سرور کائناتؐ پر مشتمل پانچ جلدوں میں کتاب ہے ابتدائی ایک جلد کا مسودہ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا جو ۱۲۷۴ھ میں بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے باقی جلدیں ان کے شاگرد رشید مولانا سلیمان ندوی نے تحریر کیں علامہ شبلی کی زندگی کے بعد سیرت النبی کی اشاعت ہوئی۔
۲۴۔ سرفراز خاتم النبیینؐ	اردو	۱۹۶۹ء میں مرسل اعظمؐ کی چہاردہ صد سالہ بعثت کے مبارک موقع پر اخبار سرفراز لکھنؤ کا آنحضرتؐ کے حالات و واقعات پر مشتمل عظیم نمبر ہے۔ جس میں سرور کائنات کی پوری حیات طیبہ پر ملک کے مشاہیر صاحبان قلم نے بھرپور روشنی ڈالی ہے۔
۲۵۔ طبقات	عربی	عظیم و قدیم ترین سیرت و تاریخ کی کتاب ہے لیدن برلین سے عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ ۱۳۲۱ھ میں منظر عام پر آئی۔

کتب	زبان	مصنفین ومؤلفین و دیگر امور
[illegible]		شبلی نعمانی لکھتے ہیں " محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی سنہ ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے ۔ اس کی ایک کتاب (طبقات) آنحضرتؐ وصحابہ وتابعین وتبع تابعین کے حالات میں بسط وتفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے " (الفاروق ص۶)
۲۶ ۔ طبری	عربی	تاریخ کی نہایت تفصیلی کتاب ہے جو دس بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اس کا اصل نام "تاریخ الامم والملوک" ہے مؤلف کا نام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ہے بغداد میں سنہ ۳۱۰ھ میں انتقال کیا ۔
۲۷ ۔ عائشہ	اردو	نام ہی سے کتاب کا موضوع واضح ہے مصر کے نامور مورخ عباس محمود العقاد کی عربی کتاب تھی جس کا شیخ محمد احمد پانی پتی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جس کو بک لینڈ لاہور (پاکستان) نے شائع کیا ۔
۲۸ ۔ مواہب لدنیہ	عربی	پورا نام اس کتاب کا " المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ فی السیرۃ النبویہ " ہے سیرت رسل اعظمؐ پر تفصیلی کتاب ہے مصنف کا نام شیخ شہاب الدین احمد بن علی الخطیب القسطلانی ہیں آپ صحیح بخاری کے شارح بھی ہیں تطہیر میں

کتب	زبان	مصنفین و مؤلفین و دیگر امور
		۸۵۲ھ میں پیدا ہوئے ۹۲۳ھ میں انتقال کیا۔
۲۹۔ محسن انسانیت	اردو	حیات سرورِ کائنات پر ضخیم کتاب ہے ایک ہی جلد ہے مصنف نعیم صدیقی ہیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے دیباچہ اور ماہر القادری صاحب کی تقریظ سے مزین ہے مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی نے شائع کیا۔
۳۰۔ مرقع اسلام	اردو	مؤلف نامعلوم، نامکمل۔ دونوں جانب سے اوراق غائب۔